رام برشا



حصہ دوم

جس میں سوامی رام تیرتھ جی مہاراج ایم اے کی مفصل سوانحعمری مع ان کی متفرق نظموں اور غزلیات کے درج ہے

مصنفہ و مرتبہ

آر ایس. نارائن سوامی شاگرد رشید سوامی رام تیرتھ جی مہاراج ایم اے

جسکو سوامی جی ممدوح نے

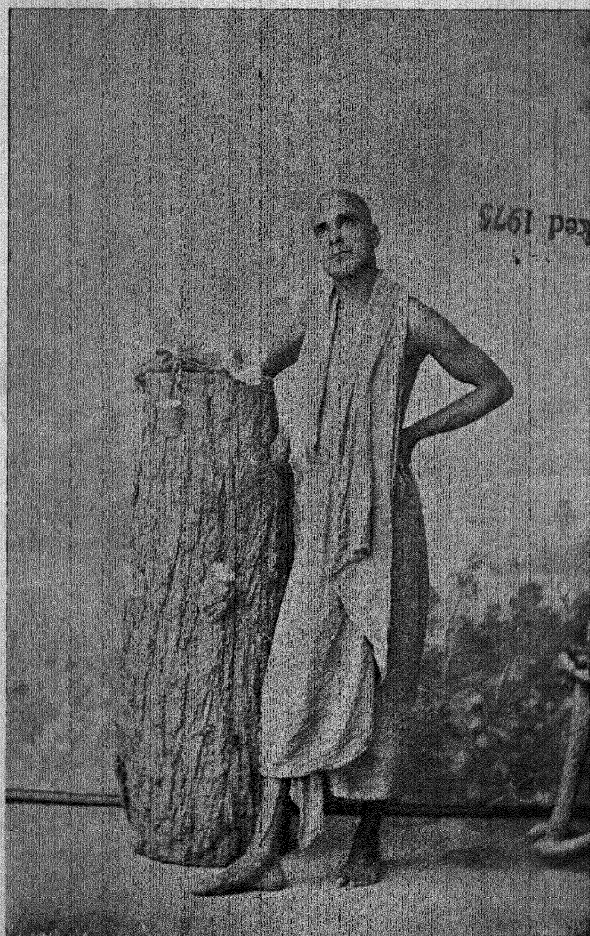
سوامی رام تیرتھ پبلیکیشن فنڈ سے

سنہ ۱۹۱۶ء

باہتمام و انصرام محمد سعید الدین منیجر

مطبع آفتاب تجارت واقع دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

قیمت قسم اول مجلد ۱۲/   تعداد ۱۱۰۰   قیمت قسم [illegible] ۱۸/



परमहंस स्वामी रामतीर्थ (१९०५)

پرم هنس سوامي رام تيرتهه جي مهاراج سنه ۱۹۰۵ ع

The Anglo-Arabic Press, Deen Dayal Road, Lucknow.

دیباچہ

سوامی رام تیرتھ جی کی قلبی زندگی تو اُن کی تقریروں خطوں غزلوں اور نظموں سے خود بخود تشریح ہو رہی ہے مگر اُن سے نہ جسمانی زندگی کا کچھ پتہ لگتا ہے اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نونہالِ اُمید کن کن حالتوں سے گزر کر اُس آخری معراجِ زندگی پر پہنچا جس کی خاطر تمام لوگ عموماً اور اہلِ مذاہب خصوصاً تڑپ رہے ہیں ؛ اس کمی کو پورا کرنے کی غرض سے واجب سمجھا گیا کہ اس دیباچہ میں سوامی جی ممدوح کی جسمانی زندگی کے چند ضروری حالات بھی مختصراً درج کئے جاویں تاکہ بھجنوں کے شائقین مہاشے سوامی جی کی روزمرہ عملی زندگی سے بھی واقف ہو جاویں اور اگر ممکن ہو تو اُس زندگی کے نمونہ پر اپنی زندگی بھی بنانے کی کوشش کر سکیں ؛

تاریخِ پیدائش و خاندان

۲۲ اکتوبر ۱۸۷۳ء مطابق کارتک شدی ایکم سمت ۱۹۳۰ بدھوار دن ۲۵ گھڑی ۵۵ پل یعنی دیوالی کے عین دوسرے روز سوامی رام تیرتھ جی کا جنم صوبہ پنجاب میں ضلع گوجرانوالہ کے مرالی والہ گاؤں میں ایک اعلیٰ گوسوامی خاندان میں ہوا۔ یہ وہی خاندان (کل) ہے جس میں شری گوسوامی تلسی داس جی رامائن کے مصنف تولد ہوئے تھے اور جس کے مورثِ اعلیٰ شری رام چندر جی مہاراج کے گورو باسشٹ جی مہاراج ہیں ؛ گسائیں تلسی داس جی کی بھگتی کے سبب یہ خاندان تو پہلے سے ہی مشہور و معروف تھا مگر سوامی رام تیرتھ جی نے

اِس خاندان میں پیدا ہو کر اپنی عملی و سچی زندگی سے اس کی عزت و شہرت اور بھی دوبالا کر دی۔ سوامی جی کے والد شریف کا نام گُسائیں ہیرانند جی تھا۔ وہ عادات کے سیدھے سادے اور مزاج کے تلخ و غُصیلے تھے۔ سوامی جی کے پیدا ہونے کے چند ماہ بعد ہی اُنکی نیک دِل والدہ صاحبہ کا انتقال ہو گیا۔ جس سے اُن کو اپنی ہمشیرہ شریمتی تیرتھ دیوی اور اپنے والد صاحب کی ہمشیرہ صاحبہ (یعنی اپنی بھُوا) کی گود میں پرورش پانی پڑی۔ اس ننھی سی عُمر میں ہی اپنی والدہ صاحبہ کا دُودھ چھُوٹ جانے کے باعث تیرتھ رام جی بچپن میں بڑے لاغر و کمزور رہے۔ نوجوان ہوتے ہی جیسے رُوحانی ترقی میں وُہ سبقت لیگئے ویسے جسمانی مضبوطی و طاقت میں بھی خوب ترقی کر گئے۔ زمانۂ سنّیاس میں نو تیس۳۰ میل روزانہ پہاڑوں کے دُشوار و ناقابل گُزر راستوں پر چلنا اُن کے لئے بچّوں کا سا کھیل ہو گیا۔ اور از حد سرد مُقامات پر یعنی برفستان کے نزدیک محض ایک دھوتی پہن کر زندگی بسر کرنا اُن کے لئے ایک معمولی بات ہو گئی۔ امرناتھ وکمینوتری اور دیگر برفستان کی یاترا اُن دنوں اُنہوں نے محض ایک دھوتی (آدھی نیچے آدھی کاندھے پر) پہنے ہُوئے ہی کی تھی اور سردی کُچھ بھی اثر کرتی معلوم نہ دیتی تھی۔

والد صاحب کی ہمشیرہ صاحبہ (یعنی تیرتھ رام جی کی بھُوا صاحبہ) بڑی نیکدِل پارسا و پریم کی پُتلی تھیں۔ روزمرہ مندروں، شِوالوں اور عبادت گاہوں میں جایا کرتی تھیں۔ جب جب پرستش گاہوں و معبدوں میں جاتیں اپنے ساتھ ننھے تیرتھ رام جی کو بھی لیجاتیں۔ گاہے گاہے کتھا میں لیجا کر کتھا سُنواتیں۔ گاہے پُوجا و آرتی میں شامل

کرکے اُن میں دھرم کا جذبہ بھڑکائیں۔ "ہُوا صاحبہ کی آغوشِ محبت صفائی باطن اور دھارمک چیت نے ننھے تیرتھ رام جی کے دِل پر کچھ ایسا وجد کا اثر ڈالا کہ بچپن میں ہی اُنہیں عبادت گاہیں۔ (مندر وغیرہ) کتھائیں اور پرہیزگاری مرغوبِ طبع ہو گئیں اور آوازِ ناقوس (شنکھ دُھونی) بچپن میں ہی اُن کے دِل پر جادُو بھرا اثر جمانے لگی" پڑدی گُسائیں جی کے والد صاحب (گسائیں ہیرانند جی) کا بیان ہے کہ "جب رام نے تیسرے سال میں قدم رکھا اُس وقت میں اتفاقیہ ایک دن اُسکو اپنے ساتھ لیکر دھرم شالہ میں کتھا سُننے گیا اور جب تک میں کتھا سُنتا رہا یہ ننھا بچہ نہایت غور و تحقیق سے کتھا کہنے والے پنڈت کی طرف تکتا رہا۔ جب دُوسرے دن تقریباً اُسی وقت کتھا کا شنکھ بجا۔ تیرتھ رام نے رونا شروع کر دیا۔ میں نے اُس کو چُپ کرانے کیلئے کئی مختلف کھلونے اور مٹھائی دینی چاہی۔ مگر یہ بچہ کھلونوں اور مٹھائی کے لالچ میں بالکل نہ آیا۔ بلکہ کھلونے وغیرہ سب پھینک دئے اور لگاتار روتا رہا۔ اتنے میں میں کتھا سُننے کیلئے جانے لگا۔ اور رام کو بھی ساتھ لیجانے کیلئے گود میں اُٹھالیا۔ جونہی میں نے اُسکو اُٹھا کر دھرم شالہ کا رُخ کیا وہ بالکل خاموش ہو گیا۔ مجھے یہ بہت اچنبھا (تعجب) سا معلوم ہُوا اور میں آزمانے کیلئے پھر تھم گیا۔ بچّے نے پھر رونا شروع کر دیا۔ جب میں پھر آگے بڑھا تو خاموش ہو گیا۔ غرضیکہ جب تک کتھا کا متوالا چھوٹا سا رام دھرم شالہ نہ پہنچ لیا۔ تب تک بے قرار رہا۔ اسی طرح ہر روز شنکھ کی آواز سُنکر رام رونا شروع کر دیا کرتا تھا۔ تاکہ کتھا مندر میں اُسے جھٹ پہنچا یا جائے"۔

خود بھی سوامی جی مہاراج نے ایک دفعہ راقم سے یوں فرمایا تھا کہ "بچپن میں رام کے چیت پر شنکھ کی آواز ایسا تعجب انگیز اثر کرتی تھی کہ اگر رام زار زار بھی روتا ہو تو بھی اس کے سننے سے جھٹ چپ ہو جایا کرتا تھا"۔

اپنے ایک انگریزی لیکچر میں سوامی جی نے اپنی پیدائش کے بارہ میں یوں فرمایا ہے کہ :۔ "تیرتھ رام کے دادا (گسائیں رام لعل) صاحب علم جوتش (نجوم) میں نہایت ماہر تھے ؛ جب رام پیدا ہوا تو وہ ساعت پیدائش دیکھتے ہی روئے اور ہنسے ؛ جب اُن کے رونے اور ہنسنے کا سبب پوچھا گیا تو فرمانے لگے کہ روئے ہم اس لئے ہیں کہ یہ بچہ (تیرتھ رام) ایسی گھڑی پیدا ہوا ہے کہ یا تو یہ خود نہیں رہیگا۔ اور یا اپنی والدہ صاحبہ پہ بھاری ہونے کے کارن (وجہ سے) اُسے اپنے ہاتھ سے کھو دیگا ؛ اور ہنسے ہم اس لئے ہیں کہ اگر ایشور (خدا) سے یہ بچہ جیتا رہا تو ایسا صاحب اقبال و عالم ہوگا کہ تمام دنیا میں اس کا نام روشن ہوگا اور اسکی وجہ سے ہمارے کل خاندان کی شہرت ملک ملک پھیلے گی"؛ قدرت الٰہی کو کچھ ایسا ہی منظور تھا یا شاید ہندوستان کے نصیب ہی کچھ ایسے تھے کہ تیرتھ رام جی کی پیاری والدہ صاحبہ تو تھوڑے ہی عرصے کے بعد دنیا سے رحلت کر گئیں اور وہ خود تھوڑی دیر تک تو گائے کے دودھ سے پلے۔ اور بعد ازاں اپنی معزز و پریم بھری بھوا کی شفقت آمیز گود میں کھیلے کودے ؛



جنم پتری و پیشینگوئیاں

اس مقام پر تیرتھ رام جی کا جنم لگن بھی دیا جاتا ہے تاکہ علم نجوم میں دسترس رکھنے والے اصحاب اور دیگر رام پیارے اس امر سے بخوبی واقف ہو جائیں کہ اُن کے سابقہ جنم کے سنسکار بھی کیسے زبردست و اعلےٰ تھے جو بچپن میں ہی اپنا رنگ دکھانے اور جمانے لگے ؛

بکرمی سمت ۱۹۳۰ سالباہن شاکھا ۱۷۹۵ دکھشنائین سُورج (آفتاب ایئن جنُوبی میں) شرد رِتُو (موسم بہار) کارتک ماس شُکل پکھش پرتی پدا (کارتک شُدی ایکم) بُدھوار گھڑی ۲۵ پل ۵۵ - سواتی نکھشتر ۱۳ گھڑی ۵۲ پل پریتی یوگ گھڑی ۲۹ پل ۴۹ - بب کرن ایونگ پنچانگ - طلوعِ آفتاب سے ۴ گھڑی ۸ پل کے بعد کارتک دن آٹھ بجے لگن میں گسائیں رام مل جی کے بیٹے گسائیں ہیرا نند جی کے گھر میں بالک (تیرتھ رام) کا جنم ہُوا جس کا جنم نام سواتی نکھشتر کے انت چرن میں پیدا ہونے کے کارن تارا چند رکھا گیا اور تُلا راشی ہُوا ؛

मेष १ राहु
१२ मीन
११ कुम्भ
१० मकर शनि
२ वृष
३ मिथुन
९ धन्य मंगल
६ कन्या वृहस्पति, शुक्र
४ कर्क
८ वृश्चिक
५ सिंह
७ तुला केतु सूर्य, चन्द्रमा, बुध,

سُنا جاتا ہے کہ جنم کے وقت سے جوتشیوں (نجومیوں) نے یہ پیشینگوئی کی کہ یہ لڑکا دُنیاوی رنج و راحت کو لات مار کر سُرور ابدی کے سمندر کی لہروں پر تیریگا اور عشقِ مجازی کے دریا کو عبور کر کے عشقِ حقیقی کے اتھاہ اور بے پایاب آب میں غوطہ زن ہوگا۔ عالم کی سیر کریگا۔ اور نہ صرف اپنے خاندان بلکہ بھارت بھومی کی تواریخ کو از سرِ نو سُنہری جامہ پہنائیگا ؛

اُسی موقعہ پر ایک فاضل پنڈت پیشین گوئی کرتا سُنا گیا تھا کہ :-

(۱) یہ بچہ اپنی ماں کے دودھ سے نہیں پلیگا (۲) وِدیا بہت حاصل کریگا (۳) تپ کریگا بھجن میں مشغول رہیگا۔ (۴) ۲۸ برس کی عمر کے قریب اُداس ہو کر بنوں کو دیدارِ الٰہی کی لالسا کے لیے چلا جائیگا (۵) پرتھوی پر بڑا نام پائیگا (۶) تینس اور چالیس برس کی عمر کے درمیان پانی سے خوف ہوگا وغیرہ وغیرہ ؛

سوامی جی مہاراج کے شریر چھوڑنے کے بعد مذکورہ بالا جنم لگن ایک مشہور کامل جوتشی (نجومی جی) کو دکھلایا گیا۔ اُنہوں نے مذکورہ ذیل دس پھل بیان فرمائے ہیں

(۱) اعلےٰ وِدوان (عالم) ہو

(۲) ۲۱ یا ۲۲ برس کی عمر میں پرمارتھ (حق شناسی) کا خیال بہت زیادہ رکھے

(۳) اِشٹ اَدبھُت (عجیب) ہو مثلاً (اونکار) اوم

(۴) غیر مُلکوں میں بھی ضرور جاوے

(۵) راج دربار کا جھنکار ہو کر رہے نہیں یعنی راج دربار میں اعلےٰ عہدہ پر ممتاز ہو کر پھر فوراً اُسے ترک کر دے۔

(۶) جسم روگی (علیل) عموماً رہے بلکہ کسی عضو میں نُقص ہو۔

(۷) آخری عمر میں خواہشاتِ نفسانی بالکُل نشٹ (راکھ) ہو جائیں۔

(۸) دو لڑکے (بیٹے) ضرور ہونے چاہئیں۔

(۹) عُمر ۲۸ سال سے لیکر ۳۵ سال کے اندر اندر ہو۔ یعنی الپ آیو (تھوڑی عُمر والا) ہو۔

(۱۰) اگر براہمن ہو تو موت پانی میں اور اگر کھشتری خاندان (کُل) کا ہو تو موت مکان پر سے گر کر۔

تیرتھ رام جی کی جنم کُنڈلی کے لکھنے والے جیوتشی (نجومی) نے جنم پتر کے آخر میں جنم راشی کو ۹ حصّوں میں تقسیم کر کے مفصلہ ذیل مختصراً پیشین گوئیاں کیں:-

پہلے حصّہ میں دولت کا آنند لینے والا ہو۔ دُوسرے حصّہ میں دولت کا مالک یعنی خزانچی ہو۔ تیسرے حصّہ میں غریب یعنی بے زر رہے۔ چوتھے حصہ میں گُفتگو کرنیکے ناقابل ہو۔ پانچویں حصّہ میں اپنے خاندان کے دھرم کے مطابق عمل کرنے والا ہو۔ چھٹے حصّہ میں غیر عورت سے کوئی ناواجب تعلّق ہو۔ ساتویں حصّہ میں ماں باپ کو تارنے والا (نامور کرنے والا) ہو اور اپنے کُل (خاندان) میں سب سے اعلےٰ نکلے۔ آٹھویں حصّہ میں سرکار دربار میں عزّت پاوے۔ نویں حصّہ میں نہایت صاحبِ نصیب ہو۔ پیدا ہوتے ہی شروع سال کے پہلے۔ چھٹے۔ نویں۔ اور گیارہویں ماہ میں روگی یعنی کسی مرض میں مُبتلا ہو۔ اوائلِ عُمر کے

تیسرے اور پانچویں برس میں بیماری کی تکلیف میں مُبتلا ہو۔ پانچویں برس میں پڑھنے کی طرف راغب ہو۔ ساتویں اور تیرہویں برس میں اُوپر سے (یعنی کوٹھے پر سے) گرنا ہو۔ جلا گھات یعنی جل میں خودکُشی۔ نویں۔ اکیسویں یا آخر تینتیسویں ۳۳ برس میں ہو (یہ آخری پیشینگوئی یعنی پھل لفظ بلفظ بالکل ٹھیک نکلی ہے) علم کی ترقی تیئسویں ۲۳ برس میں ہو۔ ۲۴ یا ۲۵ برس کی عمر میں راج پراپتی یعنی عہدۂ حکومت ملے۔ برس ۲۷ میں راج کلیش یعنی عہدہ سے دست بردار ہو۔ عمر ۲۲ یا ۴۱ یا ۵۲ میں کسی انگ (عضو) میں نقص واقع ہوجاوے۔ وغیرہ وغیرہ؀

جب سوامی جی کی جسمانی زندگی پر شروع سے آخر تک غور سے نظر ڈالی جائے تو متذکرہ بالا پھل (یعنی پیشین گوئیاں) قریباً سارے کے سارے ثمرہ آور ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہاں تک کہ عین تینتیس ۳۳ برس کے اختتام پر اُن کا جسم دریائے گنگ میں بہا اور دُنیا سے ہمیشہ کے لئے غائب ہُوا۔ اگر وہ دن بھی بِلا اِس واقعہ کے گزر جاتا تو دُوسرے دن فوراً چونتیسواں ۳۴ برس شروع ہو جاتا کیونکہ دیوالی کے عین دُوسرے دن اُن کا طلوع (تولد) ہُوا اور عین دیوالی کے دن غروب (رحلت)؀

سگائی ننھے تیرتھ رام جی ابھی دو برس کے ہی ہونے پائے تھے کہ والد صاحب نے اُن کی سگائی ضلع گوجرانوالہ کی تحصیل وزیرآباد کے قصبہ ویرو کی میں پنڈت رام چندر کے ہاں کر دی۔ اِس علاقہ میں ابھی تک پنڈت رام چندر جی کا خاندان نہایت معزز سمجھا جاتا ہے۔ اِسی خاندان کے ایک بزرگ پنڈت مُصدّی لعل تھے جنکے والد صاحب

سِکھوں کی عملداری میں عدالتِ وزیرآباد کے محاسب (رقمدان) تھے ::

ابتدائی تعلیم

اصل میں تو تعلیمی باب رام کا اُسی وقت سے شروع ہوتا ہے جبکہ بچپن میں ہی ایشور درشن کتھائیں اور ناقوس کی آوازیں (شنکھ دھونئیں) اس نونہالِ اُمید کو بے قرار کئے رکھتی تھیں گویا کہ اوائل عُمر میں ہی میلان طبع عشقِ الہیٰ و علم و ادب کی طرف ہو گیا تھا۔مگر عملی یعنی بیرونی طور پر تعلیمی شوق قریباً ساڑھے پانچ ۵½ سال کی عُمر میں ظہور پذیر ہُوا ۔ اُنکے گاؤں مُرالی والا میں ایک ورنیکولر پرائمری سکُول تھا۔ اُس میں یہ ہونہار اور ننھے سے قدوالا بچہ داخل کرایا گیا: تیرتھ رام جی گو قد کے چھوٹے اور عادت کے سیدھے سادھے تھے۔مگر اعلےٰ درجہ کے ذہین۔ پڑھنے میں سب سے زیادہ چیتر (چالاک) اور محنتی تھے :: مدرسہ کے ہیڈ مولوی (سرتاجِ مدرّس) مولوی محمد علی تھے۔ وہ تیرتھ رام جی کی ذہانت پر بسا اوقات بہت متعجب اور انگشت بدندان ہوتے تھے۔ اِس چھوٹی سی عمر میں اِس سکُول کی پانچویں جماعت تک تیرتھ رام جی نے فارسی کی گلستان و بوستاں علاوہ سکُول کی کتابوں کے پڑھ لی تھیں اور اُردو کورسوں کی نظموں کی نظمیں ازبر کر لی تھیں :: کھیل کُود کا اُنہیں مُطلقاً شوق نہ تھا اور نہ آوارہ بچّوں کی سی عادتیں اُن میں دخل پانے پائیں :: سارا دِن پڑھنے لکھنے میں گزُارتے اور شام کو سکُول سے جب چھُٹّی ملتی سیدھے دھرم شالہ کو کتھا سُننے چلے جاتے۔ اور وہاں سے گھر واپس آ کھانے پینے سے فارغ ہو دھرم شالہ میں دن بھر کی سُنی ہُوئی کتھا بلاکم وکاست جُوں کی تُوں اپنے رشتہ داروں کو سُنا دیتے تھے ::

اِس خُداداد لیاقت و ذہانت کے سبب تیرتھ رام جی نے بجائے پانچ سال کے قریباً تین سال کے قلیل عرصے میں پرائمری (ابتدائی تعلیم) کا سارٹیفکٹ (سند) نہایت کامیابی سے حاصل کیا یعنی پہلے سال میں پہلی و دوسری۔ دوسرے سال میں تیسری و چوتھی اور تیسرے سال میں پانچویں جماعت کی تعلیم ختم کی۔ اور درجہ اوّل میں پاس ہوئے۔ اور وظیفہ بھی حاصل کیا۔

فرض کی شناخت

تیرتھ رام جی کے والد صاحب سے سُنا گیا کہ جب رام ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں ختم کر چکے تو مجھے کہنے لگے "پتا جی! مدرسے کے مولوی صاحب (مولوی محمد علی) نے میرے ساتھ بہت محنت کی ہے میں چاہتا ہوں کہ ہمارے گھر میں جو بھینس ہے وہ اُستاد صاحب کی خدمت میں نذر کی جائے۔ کیونکہ حق اُستادانہ ادا کرنا ہمارا فرض ہے"۔ غور کی جا ہے کہ یہ نو دس سال کا لڑکا حق و ناحق کی کیسی شناخت رکھتا تھا اور روزِ اوّل سے فرض و استحقاق کے ساتھ اسے کس قدر محبّت و اُنس تھی؛

شادی

اسی زمانے میں تقریباً دس برس کی عُمر میں گُسائیں ہیرانند جی نے اپنے بیٹے تیرتھ رام کی شادی کر دی۔ بھلا اس چھوٹی سی عُمر میں یہ بچہ اس گورکھ دھندے کو کیا جان سکتا تھا۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد بہت مُعترض ہُوا۔ اور والد صاحب سے یوں عرض کرنے لگا کہ "مجھے آپ نے کس کمسنی میں جنجال میں پھنسا دیا"۔ مگر ہندو گھرانوں کی جو دردناک و خراب حالت ہے اُس کے مطابق ایسی باتوں کی کون

پرواہ کرتا ہے ؟

تعلیم ابتدائی تعلیم کے بعد تیرتھ رام جی آگے پڑھنے کے لئے اپنے والد صاحب کے ساتھ گوجرانوالہ ہائی سکول میں داخل ہونے گئے۔ یہ شہر مُرالی والے گاؤں سے قریباً سات میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس چھوٹی سی دس برس کی عمر کے بچے کو بلا کسی محافظ و نگہبان کے اتنی دُور چھوڑنا والد صاحب نے مناسب نہ سمجھا۔ اس لئے وہ اپنے ایک لائق و مہربان دوست بھگت دھنا رام جی کے پاس اُنکی حفاظت میں تیرتھ رام جی کو چھوڑ گئے ؟

چونکہ اپنے گاؤں کے ورنیکولر سکول میں محض اردو فارسی ہی پڑھائی جاتی تھی اور وہاں انگریزی کا نام و نشان نہ تھا اس لئے گوجرانوالہ پہنچکر تیرتھ رام جی پہلے سپیشل کلاس (انگریزی) میں داخل ہُوئے اور اس جماعت کے پاس کرنے کے بعد مڈل کے درجوں کی پڑھائی پڑھنے لگے۔ اس وقت ان کی عمر قریب ساڑھے بارہ ۱۲ سال کے تھی۔ اس عمر میں کسی ضروری کام کے لئے وہ اپنی سسرال (قصبہ ویروکی میں) گئے تھے بھگت دھنا رام جی کے ساتھ تیرتھ رام جی کو اس قدر محبت و تعظیم تھی کہ وہ اُن کو بال برہمچاری۔ ابھیاسی و یوگی محسوس کر کے اُنہیں اپنا گورو سمجھتے تھے۔ جب یہ پہلا موقعہ اُن سے علیحدہ ہونے کا تیرتھ رام جی کو ملا تو اُنھوں نے اپنے سسرال سے گورو جی کو یہ خط لکھا۔ اور یہ خط بنام اپنے گورو کے تیرتھ رام جی کی زندگی میں پہلا ہے۔ اس کی اصل کاپی نیچے دی جاتی ہے تاکہ دیباچہ ہذا کے پڑھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ اس

چھوٹی سی عُمر میں بھی تیرتھ رام جی زبانِ اُردو میں کیسے لایق تھے اور اوائلِ عُمر میں ہی اُنکو اپنے گورو مہاراج کے ساتھ کس قدر تعظیم و محبت دِکھلتی تھی۔ ساتھ ہی وہ اپنے گورو جی پر کیسے فدا تھے۔

نقلِ خط

از وزیر آباد

۲۴ مئی ۱۸۸۶ء رہنمائے سالکان و پیشوائے عارفان سلامت

آپ کا نوازش نامہ مجھے بدو کی کے میلے سے ایک دن پہلے ملا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ "میلہ کو آویں گے" اس واسطے میں بھی میلہ کو گیا مگر مجھے (آپ کے) درشن نہ ہوئے۔ اور یہاں لفافے نہیں ملتے اس واسطے خط میں دیری ہوئی۔ اور آج صرف اس کارڈ کی خاطر وزیرآباد آیا ہوں .... اگر کوئی قصور سرزد ہوا ہو تو معاف فرماویں

غلام تیرتھ رام

اس گورو بھگتی کے ساتھ ساتھ تیرتھ رام جی اپنی تعلیم میں بھی اسقدر محنت کرتے تھے کہ اکثر اپنی جماعت میں اوّل ہی رہا کرتے تھے۔ ۱۴½ برس کی عُمر میں اُنہوں نے انٹرنس کا امتحان دیا اور اپنے امتحان کے نتیجے کو مفصّل اپنے گورو جی کے پاس یوں لکھ بھیجا:۔

۱۸ مئی ۱۸۸۸ء جناب "ست گورو جی مہاراج بھگت صاحب مجھ پر خوش"

میں سوموار کے دن مشن کالج میں داخل ہو گیا۔ اور ایک مکان و چھوا لی ہیں

ایک روپیہ مہینہ کرایہ پر لیا ہے اُس مکان کا مالک مہتاب رائے مصر ہے۔ اس لئے مجھے خط اُس کی معرفت لکھا کرو۔ اور میرا وظیفہ نہیں لگا اور نہ ہی مَیں اوّل درجہ میں پاس ہُوا ہُوں۔ میرا نمبر پنجاب میں اٹھائیسواں ہے۔ یہاں مشن کالج میں ساڑھے چار روپیہ فیس ہے فقط۔ زیادہ آداب

تیرتھ رام۔ ایف۔ اے کلاس مشن کالج لاہور

اعلیٰ تعلیم

اس موقعہ پر یہ بیان کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ تیرتھ رام جی اپنے گھر سے رُوٹھ کر کالج میں داخل ہونے کے لئے لاہور چلے آئے تھے کیونکہ اُن کے والد صاحب اُن کو آگے پڑھانا نہیں چاہتے تھے۔ اور تیرتھ رام جی اُس کے سخت برخلاف تھے ؛ اِس لئے متواتر ایک سال تک (ایف۔ اے کے زمانے میں) وہ اپنے قصبہ مُرالی والہ میں ایک دفعہ بھی نہ گئے ؛ اور محض اُس وظیفے پر (جو میونسپل کمیٹی گوجرانوالہ سے بوجہ سکُول میں اوّل رہنے کے ملا تھا) گُزارہ کرتے رہے اور اپنے خالو صاحب پنڈت رگھناتھ مل اور اپنے گورو بھگت دھنا رام جی کی امداد و حوصلہ افزائی سے تعلیم میں ثابت قدم رہے۔ کتنی دیر تک گاؤں جانے کا عزم تک نہ کیا حالانکہ مُرالی والہ لاہور سے بہت دُور نہ تھا۔ مگر بعد میں والد صاحب کے اصرار پر چند روز اپنے لواحقین سے ملنے چلے گئے ؛

ایف اے کے دُوسرے سال (سیکنڈ ییئر) میں رام بہت محنت کرنے لگے تھے اور اسی وجہ سے اکثر بیمار رہتے تھے۔ اس پر بھی اُنہیں ایکانت سیون اور محنت کا

اس قدر اشتیاق تھا کہ اپنے ایک خط میں اپنے خالو صاحب کو یوں لکھتے ہیں:۔ کہ "میری سب سے بھاری ضرورت (۱) ایکانت (تنہا جگہ) اور (۲) وقت ہے ﴿ اے پرماتما! (۱) مختی من (۲) ایکانت جگہ اور (۳) وقت ان تین چیزوں کا میرے لئے کبھی کال نہ ہو﴿ خالو صاحب! یہ میرا ارادہ ہے۔ آگے پرمیشور کا اختیار رہے"﴿

ایشور سے ان پرارتھناؤں (دعاؤں) کا تیرتھ رام جی کو یہ پھل ملا کہ باوجود متواتر بیمار رہنے کے وہ ۱۸۹۰ء میں ایف۔ اے کے امتحان میں اپنے کالج میں سب سے اوّل رہے اور سرکاری وظیفہ بھی حاصل کیا۔ اور بی۔ اے کی تعلیم بھی اسی (مشن) کالج کی گود میں جاری رکھی﴿

اس طرح تعلیم کو آگے متواتر جاری رکھنے سے جب والد صاحب کو معلوم ہوا اور یقین ہو گیا کہ تیرتھ رام بغیر ہماری امداد کے بھی تعلیم جاری رکھ سکتا ہے اور ہماری مرضی مطابق ملازمت وغیرہ کرنے کو تیار نہیں ہوتا تو وہ غصہ میں آ کر تیرتھ رام جی کی نوجوان ملکہ بالک استری (بیوی) کو بھی لاہور میں اُن کے پاس چھوڑ گئے اور خود کسی طرح کی مدد وغیرہ کرنے کو تیار نہ ہوئے﴿ اس وقت نوجوان گسائیں (تیرتھ رام) جی کو بڑی دقتوں کا سامنا پڑا۔ (۱) مکان کا کرایہ (۲) کتابوں اور فیس کا بوجھ (۳) اپنا اور بیوی کا خرچ وغیرہ وغیرہ۔ مگر سچ ہے مستقل ارادہ مشکلات کے پہاڑوں کو چیر دیتا ہے۔ مایوسی کے گھنے بادلوں کو چھن بھن (پاش پاش) کر دیتا ہے﴿ .... ایک دفعہ وظیفے کے روپے گوسائیں جی نے کتابوں پر خرچ کر دیئے اور دیگر خرچ کے لئے

اُس وقت خیال نہ کیا مگر بعد میں سخت مصیبت پیش آئی حساب لگانے سے معلوم ہُوا
کہ اس مہینے میں اُن کے حصّے میں تین پیسے روزانہ بچتے ہیں ۔ پہلے تو گھبرائے پھر
سنبھل کر بولے "بھگوان ہم کو آزمائش دکھانا چاہتا ہے۔ آخر فقیر بھی تو دو تین پیسے
میں دن کاٹتے ہیں" - اس حساب سے گوسائیں جی دو پیسے کی صبح اور ایک پیسہ کی
شام کو روٹی کھا کر دن کاٹنے لگے ۔ ایک دن جب شام کو روٹی کھانے دُکان میں گئے
تو دُکاندار نے کہا کہ "تم روز ایک پیسہ کی روٹی کے ساتھ دال مُفت میں کھا جاتے ہو۔
جاؤ میں ایک پیسہ کی روٹی نہیں بیچتا" ۔ یہ حال دیکھکر نوجوان تیرتھ رام جی نے دل میں
عزم کیا کہ چلو جب تک اور روپیہ نہیں ملتا ۔ چوبیس گھنٹوں میں ایک ہی وقت بھوجن
کیا جائے گا ۔

اس قدر مفلسی و تنگی میں بھی گوسائیں جی کے دل میں جس قدر محنت کا اشتیاق
و وقت کا لحاظ تھا اور ساتھ ساتھ گورو بھگتی و ایشور کا دھیان تھا وہ کُل کے کُل اُن کے
خطوں سے جو اُن دنوں انہوں نے اپنے قابلِ تعظیم گورو مہاراج کو لکھے بڑے زور
سے مترشح ہو رہے ہیں ۔ مثال کے طور پر ایک دو خط نیچے دیئے جاتے ہیں ۔

خط نمبر ۱

सत्यं ज्ञानमनन्तं (ब्रह्म) आनन्दामृत शान्ति
निकेतन, मंगलमय शिवरूपं, अद्वैतम्
अतुलम् परमेशम्, शुद्धमपाप विद्धम् ॥

۱۲ر جولائی ۱۸۹۰ء
سینتم گیان مننتم برہم۔ آنند آمرت شانتی نکیتن منگل
مئے شورُوپم۔ اَدوئیتم آتُلم پرمیشم۔ شُدھم۔ اپاپ ودھم
مہاراج جی! میں آپ کے چرنوں میں سب کچھ ارپن
کرتا ہوں۔ آپ دیا رکھا کریں ؛

آپ کا ایک خط ملا۔ بڑی خوشی ہُوئی۔ ہمیں تعطیلیں یکم اگست یا اس سے دو تین دن پہلے کو ہونگی ؛

مَیں پرمیشور سے یا آپ سے پرارتھنا کرتا ہوں کہ کسی طرح تعطیلوں میں مَیں بڑی ہی محنت کروں کسی طرح سے وقت ضائع نہ ہو اور میری محنت یتھارتھ (ٹھیک ٹھیک) طریقے پر ہو اور پرمیشور اُس کو برکت دے۔ کیونکہ مَیں اپنے آپ کو بڑا ہی نالایق سمجھتا ہوں اور در حقیقت ہوں بھی بڑا نالایق۔ اس لئے جو میرا ارادہ ہے اُس کا مطلب یہی ہے کہ کسی طرح محنت زیادہ کروں۔ اور کوئی غرض نہیں۔ اور مَیں امید کرتا ہوں کہ آپ مجھے ایسے ارادے میں ضرور مدد دیں گے ؛ میرے حال پر ضرور ترس کرو۔ میں بڑا نالایق ہوں مَیں چاہے یہاں رہوں۔ چاہے وہاں رہوں آپ کا تو داس ہوں ؛ اس وقت جو میرا ارادہ ہے وہ مَیں لکھدیتا ہوں۔ اور اگر یہ بدل گیا تو بھی لکھونگا ؛ ارادہ بڑا ہو۔ آپ نے یہ کبھی خیال نکرنا کہ ہمارے برخلاف ہے۔ کیونکہ میرے ہر ایک ارادے سے اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ آپ کے ساتھ سلوک اور بھی بڑھے۔ میری غرض اُس کے اُلٹ کبھی نہیں ہوتی ؛ اب ارادہ یہ ہے:- کہ "پہلے کچھ دن قریب سات یا آٹھ

روز کے تو بالکل ہی لاہور رہوں۔ اور اُن دِنوں میں اپنا پچھلا پڑا ہُوا صاف کروں (بشرطیکہ ہانسی نہ جانا پڑجائے)۔ بعدازاں گوجرانوالہ کچھ دِن رہ کر دیکھوں کہ پڑھا جاتا ہے یا نہیں۔ پانچ چار روز دبرو کے (سُسرال) رہنے کا بھی ارادہ ہے۔ اور کچھ دِن مُرلیوالہ۔ نیز ہانسی جانے کا بھی ارادہ ہے کیونکہ ماسٹر (خالو جی) نے لکھا تھا۔ اور اگر وہاں ایکانت جگہ مل جائے تو وہاں ہی شاید زیادہ دن یعنی قریب مہینے کے رہ پڑوں۔ اور پچھلی چھٹیاں پھر لاہور میں آ کر کاٹوں" مگر آپ سے میں یہی مانگتا ہوں کہ میرا وقت کسی طرح ضائع نہ ہو۔ . . . .

آپ کا غلام تیرتھ رام

۱۹؍جولائی ۱۸۹۸ء

اس خط کا جواب گورو جی نے کہیں سخت ناراضگی بھرا لکھا ہو گا۔ جس کے جواب میں گوسائیں جی پھر گورو جی مہاراج کی خدمت میں نہایت مدلل نصیحت آمیز اور مفصل عرض نامہ لکھتے ہیں:۔

"میں چھٹیاں یکم اگست سے ہونگی آج ۱۹ جولائی ہے۔ میں آپ کا سدا تابع ہوں۔ آپ اور کوئی خیال کبھی نہ کریں۔ جس کام میں کوئی آدمی مصروف ہو اُسے کچھ عرصہ کے بعد ایک ملکہ ذہن میں آ جاتا ہے۔ جس سے اسکو بغیر سوچے اس کام کے متعلق جو اچھی بات ہو وہ سُوجھ جاتی ہے۔ اور اُس اچھی بات کے اچھا ہونے کی جو

دلیلیں ہیں اُن دلیلوں کا اثر اُسکے من میں ہو جاتا ہی چاہے وہ دلیلیں خود اُسکے من میں نہ آئیں اور زیادہ موقعوں پر وہ دلیلیں من میں نہیں آتیں کیونکہ دلیلوں کا نکالنا اور بات ہی۔ یہ بات فلاسفروں کے متعلق ہے۔ اور سب لوگ فلاسفر نہیں ہوتے اور وہ قوت جس سے معلوم ہو جاتا ہی کہ فلاں کام اچھا ہے مگر اُس کام کے اچھا ہونے میں دلیل من میں نہیں آتی اُس قوت کا نام ضمیر Conscience ہے۔ میں جب چھوٹا تھا تو شعر وغیرہ پڑھنے سے فوراً معلوم کر لیتا تھا کہ فلاں شعر اُسی وزن پر ہے جیسا کہ کوئی اور فلانا۔ اور فلانا شعر اور وزن پر ہی۔ مگر یہ نہیں جانتا تھا کہ کیا وزن ہی اور فرق کوئی سے دو شعروں میں کس بات میں ہی۔ گو اتنا معلوم ہوتا تھا کہ کچھ فرق ضرور ہی۔ یعنی اپنی بات کے ثابت کرنے میں دلیل نہیں دے سکتا تھا۔ حالانکہ یہ بات بالکل سچ ہوتی تھی۔ جیسا کہ صرف اب دس برس کی پڑھائی کے بعد شعر کے بارے میں دلیل دینے کے لائق ہوا ہوں اور جانتا ہوں کہ یہ دلیل بھی اُس وقت دی جا سکتی تھی۔ گو میں دلیل سے بیخبر تھا یعنی دلیل تھی ضرور۔ گو میں نہیں جانتا تھا۔ اِس سے ثابت ہُوا کہ سچا آدمی ہر وقت دلیل نہیں دے سکتا بعض موقعوں پر اُسکی بات کو بے دلیل بھی ماننا چاہیئے بشرطیکہ اتنا ہم کو یقین ہو کہ وہ آدمی دیدہ دانستہ بُرا کام نہیں کرنے والا۔ اور اگر وہ ایسا کام کر رہا ہی کہ جس میں وہ دلیل نہیں دے سکتا تو وہ اپنی ضمیر کے انوسار چل رہا ہوگا۔

درشٹانٹ یہ ہے (مثال بالا کا مصداق یہ ہے) کہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں آپکا تہِ دل سے غلام ہوں - اور جو کام میں کرتا ہوں گو ظاہر طور پر اس میں دلیل نہ دے سکوں مگر اصل میں وہ کام ایسا ہوتا ہے کہ جیسا مجھ کو اتنے برس کی پڑھائی کا تجربہ بتاتا ہے کہ یہ کام اچھا ہے اور اس کام کے کرنے میں بہتری ہوگی - اس لیے آپ یہ نہ خیال کر بیٹھیں کہ چونکہ یہ دلیل نہیں دے سکتا اس لیے اسکو کوئی اور غرض ملحوظ ہے - یا ہم سے عاق (ننگ) ہو گیا ہے - یہ بات ہرگز نہیں ہے آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ میں آپکا غلام ہوں ٭

پھر یہ کہ چونکہ میں جانتا ہوں کہ آپکی جو رائے میرے معاملہ میں ہوتی ہے اسکی علت غائی یہ ہوتی ہے کہ مجھکو آنند ہو - حالانکہ ظاہری علت یا غرض کچھ پڑی معلوم ہو اس لئے میں خیال کرتا ہوں کہ اگر میرے ضمیر کے ذریعے سے یا کسی اور نہایت ہی پختہ طور پر مجھکو معلوم ہو کہ یہ بات میرے حق میں اچھی ہے (مگر جو میرے حق میں اچھی ہوگی وہ آپکے حق میں مجھ سے بھی زیادہ اچھی ہوگی آپکے حق میں ہرگز ہرگز بری نہیں ہو سکتی) تو ضرور ہی آپکی بھی اس بات میں وہی رائے ہوگی جو میرے ضمیر کی - یا اس پختہ ذریعہ کی جس سے کہ وہ بات معلوم ہوئی ہے - اور آپ اس معاملہ میں یہ نہ کہیں گے کہ اس نے ہماری حکم عدولی کی ہے - بلکہ یہ کہیں گے کہ اس نے ہماری کمال تابعداری کی ہے - پھر یہ کہ میں چاہے کسی جگہ ہوں - آپ کا غلام ہوں ٭

اب بات یہ ہے کہ آپنے لکھا تھا کہ چھٹیوں میں گوجرانوالہ آجانا - سو یہ

بات ہے کہ آؤنگا تو میں ضرور ہی بہرحال۔ مگر یہ بات نہیں ہوسکتی کہ کُل چھٹیاں وہاں ہی گزاروں + میرا ضمیر کہتا ہے کہ لاہور میں زیادہ رہ۔ یہ بات ضمیر کی سمجھ کر میں نے زیادہ سوچا نہیں۔ مگر پھر بھی دو ایک دلیلیں لکھتا ہوں (میں بڑا افسوس کرتا ہوں کہ مجھے ان بیفائدہ دلیلوں پر وقت ضایع کرنا پڑتا ہے۔ مگر میں اس لئے وقت ان پر خرچ کرنے پر مجبور ہوتا ہوں کہ کہیں آپ کچھ اور سمجھ کر خفا نہ ہو بیٹھیں۔ اگر مجھے اس بات کا خطرہ نہ ہو کہ آپ خفا ہو جائینگے تو میں ان دلیلوں پر وقت نہ ہی ضائع کروں۔ کیا ہی اچھا ہو اگر آپ مجھ کو اپنا غلام سمجھ کر میرے صدقِ مقال (قول) میں شک نہ لایا کریں) +

اس بات کو میں نے اب سمجھا ہے کہ لاہور کے بغیر کسی اور جگہ رہنے میں نہ صرف اس بات کا نقص ہوتا ہے کہ وہاں ایکانت مکان نہیں ملتا۔ بلکہ ایک بہت ہی بڑا اور نقص ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ وہاں طبیعت ایسی نہیں رہتی کہ کسی سوکھشم کام کو کر سکے۔ وہاں دیرگھ درشٹی (باریک بینی) جاتی رہتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس جو کہ نہ جسم ہے اور نہ جسمانی وہ مُدرکاتِ جسمانی کے حصول سے اور مادّی چیزوں کے سنگ سے ضعیف اور ناقص ہو جاتا ہے۔ اور لاہور کے بغیر اور سب جگہ یہ نقص پایا جاتا ہے۔ کیونکہ وہاں عام لوگوں کے میل جول سے طبیعت کی مٹّی خراب ہو جاتی ہے۔ اب اگر کوئی پوچھے کہ لاہور میں بھی تو میل جول ہوتا ہے تو اُس کا جواب

یہ ہے کہ لاہور میں جو آدمی ملتا ہے اُسکے ساتھ اوپرلے دل سے ایک بات کہجاتی ہے جس میں من کا دھیان اُس کی طرف نہیں جاتا۔ مگر اور جگہ جو آدمی ملے وہاں مجبوراً اُسکی طرف توجہ دِلی کرنی پڑتی ہے۔ کیونکہ اُس سے جو ملاقات ہوتی ہے وہ کتنے عرصے کے بعد وقوع میں آئی ہوتی ہے۔ نیز لاہور کے بغیر اور جگہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں سے ملاقات ہوتی ہے جن کی طرف بہت بڑا دھیان کرنا ضروری ہوتا ہے ٭ دیگر لاہور میں جو ملاقات ہوتی ہی تو اکثر اپنے ہم جنسوں پڑھنے والوں سے ہوتی ہے جو زیادہ ہارج نہیں ہوتی

اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ کہا اور بھی کوئی لڑکا ہے جو چھٹیوں میں لاہور رہیگا تو سنیئے ٭ رکن دین جو پنجاب میں اس دفعہ اوّل رہا تھا بالکل ایک دن بھی ساری چھٹیوں میں اپنے گاؤں میں نہیں جائیگا۔ وہ خود کہتا ہے وہ دس بارہ دن اب وہاں سے ہوآیا ہے۔ مگر چھٹیوں میں ہرگز نہ جائیگا۔ آپ معلوم کرلیں ٭

دُنیا میں کوئی شخص ہُشیار ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ محنت نہ کرے جو ہُشیار ہیں وہ سب بڑی محنت کرتے ہیں تب ہُشیار ہیں۔ اگر ہمکو اُن کی محنت معلوم نہ ہو تو وہ خفیہ طور پر ضرور کرتے ہونگے۔ یا وہ پہلے کرچکے ہونگے۔ یہ بات بڑی تحقیق کی گئی ہے۔

یہ بھی سچ ہے کہ کئی لڑکے چھٹیوں میں گھر جائینگے اور پھر بھی ہُشیار رہیں۔ مگر

وہاں اور بات ہی اُنکے گھروں میں یا اُن جگہوں میں جہاں وہ جائیں گے ایسے اسباب (جمع سبب) نہیں ہوتے کہ جو اُن کے منوں کو بڑھنے سے روکیں ۔ وہ بیاہے ہوئے نہیں ہوتے ۔ یا اور بات ہوتی ہی ۔ یا اُن کے من بڑے پختہ ہوئے ہُوئے ہوتے ہیں ۔ جو ظاہری چیزوں کی طرف نہیں لگتے ۔ میرا من پختہ نہیں یہ بڑا خراب ہی ۔

ذہن جس کو کہتے ہیں وہ بھی محنت کرنے سے بڑھ جاتا ہی ۔ پھر یہ کہ بفرضِ محال اگر کوئی آدمی محنت کیئے بغیر کسی امتحان میں اچھا رہ بھی جائے تو اُس کو مزا پڑھنے کا ہرگز نہیں آئیگا ۔ وہ آدمی بہت بُرا ہے ۔ وہ اُس آدمی کی طرح ہی جس نے آپ کو ایک دفعہ کہا تھا کہ مجھے ایک سی حرفی بنا دو اور بیچ میں میرا نام رکھنا ۔ اب گو اُس نے لوگوں میں تو مشہور کردیا کہ سی حرفی میری ہے مگر آپ جانتے ہیں کہ اُس تصنیف میں جو مزا آپ کو آیا ہوگا اُس شخص کو ہرگز ہرگز نہیں آسکتا ۔ یا وہ اُس آدمی کی طرح ہے کہ جسکو اَور کی ماری مرا ئع دکمائی ہُوئی) مِل جائے ۔ اب گو اُس کے پاس دولت تو ہی مگر وہ دولت سے حظ نہیں اُٹھا سکے گا ۔ فوراً دولت کو اُجاڑ دے گا ۔ مگر جس نے محنت سے کمائی ہے وُہی نفع اُٹھائے گا ۔

آپ میرے والد سمان (مانند) ہیں ۔ اور والدین کو ایسا نہیں ہونا چاہئے جیسا کہ وہ جو گوجرانوالہ کا پاندھا جس کی بات آپنے ایک دفعہ سنائی تھی کہ

اُس نے اپنے بڑے ہونہار بچے کو پاٹ شالہ سے پڑھنے سے محروم رکھا صرف اِس لئے کہ اُس کو اپنے بچے سے محبت کمال درجے کی تھی +

مگر آپ تو بڑے ہی اچھے ہیں۔ آپ کو تو اِس بارے میں اُس پانڈھے سے مشابہت تک ہی نہیں دی جا سکتی۔ آپکی اور اُسکی نور روشنی اور اندھیرے کی مثال ہے۔ شاید آپکے دل میں یہ باتیں نہیں گذری ہونگی جو میں نے اُوپر لکھی ہیں۔ تب آپ نے یہ کہا کہ لاہور میں مت رہنا + اب دو برس کی بات ہے زیادہ عرصہ بھی نہیں۔ اب محنت نکروں تو اور کب وقت آئیگا محنت کے لئے + آپ مجھے دو برس چھٹی دو۔ پھر ساری عمر آپکے سنگ ہوں۔ آپنے یہ سمجھ چھوڑنا کہ ہمارا بیٹا ولایت گیا ہُوا ہے۔ جب آئیگا پھر ہمارا ہے۔ اور میرا خیال جب اِس طرف (پڑھنے کی طرف) زیادہ ہو تو آپنے میری ظاہرا ضرورتوں کی اِس طرح خبر رکھنی جس طرح کہ ایک بادشاہ اپنے سپاہیوں کی رکھتا ہے۔ جس وقت کہ وہ سپاہی میدان جنگ میں بادشاہ کے لئے دشمن سے لڑ رہے ہوں۔ آپنے کبھی کوئی اور خیال میرے بارے میں نہ لانا۔ میں آپ کا غلام ہوں +

میں یہ جانتا ہوں کہ محنت بڑی اچھی چیز ہے (مگر میں محنت اِس طرح نہیں کرنے والا کہ بیمار ہو جاؤں) مگر محنت کرنے پر اقدام کرنے میں آپکی ضرورت ہے آپ مجھے مدد دیں کہ میں محنت کروں۔ آپکی مدد کے بغیر محنت بھی نہیں ہو سکتی ہے۔ پرماتما! میرا من محنت پر زیادہ لگے۔ میں نہایت درجے کی محنت کروں۔ کیونکہ میرے

ارادوں کو پورا کرنے والے آپ ہیں (ساتویں آٹھویں چھٹی کے بعد میں گوجرانوالہ آؤنگا تھوڑے ہی عرصہ کے بعد پھر لاہور میں اگر آجاؤں تو بڑی اچھی بات ہو۔)

آپ نے اس طول کلام سے خفا نہ ہو جانا۔ اس سے اصل غرض صرف یہی تھی کہ کسی طرح آپ خفا نہ ہو جائیں۔ رگھناتھ سرن کو یہ کہدینا کہ اگر اچھا ہونا چاہتا ہے تو یوں کرے کہ کتاب کو زبانی یاد کرے۔ اس بات میں اتنے فائدے ہیں کہ میں کسی طرح بیان نہیں کرسکتا۔ مجھے تیرہ برس کے تجربہ کے بعد یہ بات معلوم ہوئی ہے یہ بات نہایت ہی اچھی ہے۔ میں اسکی تشریح پھر بیان کرونگا۔ جب گوجرانوالہ آؤنگا یہ بات ایسی ہے کہ اس سے بالکل اُستادوں کی ضرورت نہیں رہتی سوائے سکول کے ماسٹر کے *

یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ ان ایام میں گوسائیں جی کی عمر قریب ساڑھے سولہ سال تھی۔ اور بی۔ اے جماعت میں داخل ہوئے ابھی صرف ڈھائی ماہ ہوئے تھے *۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں کیا غضب کی دلیلیں۔ فلسفانہ تحریریں۔ اور پریم بھری نصیحتیں اُن کے دل و دماغ اور قلم سے بننے لگ پڑی تھیں کہ جو آجکل بڑے بڑے لایق و مشہور ایم۔ اے کے طلبا کے دل و دماغ میں بھی ایک ولولہ ساڈالتی ہیں۔ اور اسپر طرفہ یہ کہ سب طرف سے مصیبتیں و تنگئیں بھی اُن پر اُمڈ اُمڈ کر آئی ہوئی تھیں۔ کھانے کو پیسہ پاس نہیں۔ ایک دفعہ بھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں ملتا۔ مفلسی نے اپنا پورا پورا رنگ

جما یا ہُوا تھا۔ جسمانی بیماریاں بھی گھیرے ہُوئے تھیں۔ چور بھی اس دفعہ ہی گھر میں داخل ہو کر کُل برتن دکھانے پینے کا سامان چرا کر لے گئے۔ مگر ان تمام حالتوں کے طاری ہونے پر بھی ذہن و لیاقت۔ شانتی و صداقت اور صبر و استقلال برقرار اور ترقی پر تھے +

اس ازحد تنگی کے زمانے میں گوسائیں جی ایک بڑی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں رہتے تھے۔ اور کسی قسم کی جسمانی ورزش بھی نہیں کرتے تھے۔ اس امر کو بیماری کی وجہ محسوس کر کے پرنسپل صاحب کو اطلاع دی۔ جس پر تیرتھ رام جی کو حکم ملا کہ وہ آیندہ بورڈنگ ہاؤس میں رہا کریں تاکہ ہوادار کمرہ اُنکو رہنے کے لئے ملے اور ایک لڑکا (رُکن دین) اُن پر تعینات کیا گیا کہ وہ انہیں ہر روز چھٹی کے بعد آدھ گھنٹہ ورزش کئے بغیر گھر کو نہ جانے دے۔ اس طرح جب گوسائیں جی بورڈنگ ہاؤس میں رہنے لگے اور ہر وقت بلاناغہ ورزش کرنے لگے تو صحت اپنا رنگ جمانے لگی اور تاپ تلی کی شکایت دُور ہو گئی +

زمانہ طالبعلی میں پروفیسر کی جگہ کالج میں گوسائیں جی ذہین و محنتی تو مشہور ہی تھے مگر علم ریاضی میں اسقدر ماہر تھے کہ کالج میں اُنکا ہمصنوں میں کوئی ہمسر نہ تھا۔ انہی دنوں میں

(۵ ۲ جون ۱۸۹۱ء) جب ریاضی کا پروفیسر بیمار پڑ گیا تو کئی ہفتوں تک یہ اپنے ہم جماعتوں کو پروفیسر صاحب کی جگہ پڑھاتے رہے۔ علم ریاضی کی پروفیسری کے لائق تو اصل میں اب سے ہی ہو گئے تھے مگر عملاً بی۔ اے پاس کرنے کے بعد اس عہدے پر اسی کالج میں ممتاز ہوئے۔

بی اے میں ناکامیابی

سُنا جاتا ہے کہ گوسائیں جی زبانِ انگریزی میں اس قدر لائق نہیں تھے جس قدر کہ علم ریاضی میں تاہم اپنے ہم جماعتوں سے ہر مضمون میں اوّل رہتے تھے۔ اس سال بی۔ اے کا امتحان کچھ عجیب ڈھنگ سے ہوا تھا جس سے بڑے بڑے لائق و ذہین طلبا تو رہ گئے اور نکمے و معمولی پاس ہو گئے۔ سُنا جاتا ہے کہ انگریزی کا پرچہ یا تو نہایت ہی لاپرواہی سے ممتحن صاحب نے دیکھا تھا یا بنا دیکھے ہی شاید نمبر لگائے گئے تھے کیونکہ جن لڑکوں کو انگریزی کے پروفیسروں نے امتحان میں بھیجنا ہی نامنظور فرمایا تھا (کیونکہ اپنے مضمون میں وہ اُن کو ردّی سمجھتے تھے) وہ تو اُس مضمون میں کل پنجاب بھر میں اوّل نکلے اور جو ذہین اور لائق تھے وہ قریباً تمام کے تمام فیل سُنے گئے۔ بلحاظ ٹوٹل نمبر (میزانِ کل aggregate no.) کے گوسائیں جی اس دفعہ بھی تمام یونیورسٹی میں اول تھے مگر انگریزی کے مضمون میں تین نمبر کم رہے جس سے فیل گردانے گئے۔ اس حیرت انگیز خبر کو پا کر نہ صرف تیرتھ رام جی معہ لواحقین و دوستوں کے متعجب ہوئے، بلکہ

کالج کے پروفیسر و پرنسپل بھی بہت متحیر ہو گئے۔ پروفیسر صاحبان نے از حد کوشش کی کہ گوسائیں جی کے انگریزی کے پرچے دوبارہ دیکھے جاویں مگر سب بے سود۔ کیونکہ اُس وقت تک یونیورسٹی نے کوئی ایسا قاعدہ مقرر نہیں کیا تھا کہ کسی فیل شدہ طلبار کا پرچہ دوبارہ دیکھنے کے لئے ممتحن کو ہدیت کی جائے اس لئے فیلو صاحبان نے پروفیسروں کی ایک نہ مانی۔ اور نہ گوسائیں جی کی درخواست منظور ہوئی ؛

گوسائیں جی کے نتیجہ کے سبب قانون کا یونیورسٹی میں جاری ہونا

اِس تعجب انگیز نتیجہ سے گوسائیں جی کے دِل پر جو صدمہ لگا تھا اُس کا تو بیان کرنا قلم کے احاطہ سے باہر ہے۔ مگر پروفیسرانِ کالج و خیرخواہانِ تعلیم کے دلوں میں اسقدر شور مچا کہ ہر ایک کی قلم سے یکے بعد دیگرے آرٹیکل اخباروں میں شایع ہونے لگے اور کارکنانِ یونیورسٹی یعنی فیلو صاحبان کو زور سے تاکیدیں ہونے لگیں کہ آیندہ کے لئے کوئی ایسا قاعدہ یا قانون بنایا جائے جس سے ممتحن صاحبان کی نظر ثانی ہو۔ تاکہ آیندہ طلبار ممتحن کی لاپرواہی و غفلت سے فیل ہونے نہ پائیں اور اُنکی مفت میں پست ہمتی یا دل شکنی نہ ہو ؛ جب چاروں اطراف سے ایسا شور مچا تو یونیورسٹی نے آیندہ کے لئے یہ قانون (رول) پاس کیا کہ جن طلبا کے کسی مضمون میں مقررہ نمبروں سے ۵ نمبر کم ہوں یا کل نمبروں

کے مقرّرہ مجموعہ سے ۵ نمبر کم ہوں تو وہ فوراً فیل نہ کیا جائے بلکہ اُس کو زیر تجویز (under consideration) رکھ کر اُسکے پرچے دوبارہ ممتحن صاحبان کے پاس برائے نظرِ ثانی بھیجے جائیں۔ تاکہ اگر کوئی پرچہ لاپرواہی سے دیکھا گیا ہو تو اُس کو پھر ٹھیک نمبر دیکر پاس کیا جاوے ؛

اس قانون سے آیندہ کے لئے تو طُلبا کو کچھ آسانی و حوصلہ افزائی ہو گئی مگر موجودہ حالت کسی طرح سے اُسی وقت دُرست ہونے نہ پائی اس لئے گوسائیں تیرتھ رام جیسے لایق و ذہین طُلبا بھی اُس سال رہ گئے اور بی۔ اے میں دوبارہ پڑھنے کو مجبور کئے گئے۔ اس ناگہانی مصیبت کے آنے پر جو سخت چوٹیں گوسائیں جی کے دِل پر گاہے گاہے لگتی تھیں وہ ان کے خطوں سے واقع ہو رہی ہیں

۱۴ مئی ۱۸۹۲ء

القاب مذکورہ بالا

مَیں آپ کو ایک عجیب بات لکھتا ہوں کہ پہلے اتنا تو آپ کو کسی قدر معلوم ہی ہے کہ اس دفعہ بی۔ اے کے امتحان میں بہت سے ہُشیار لڑکے انگریزی میں رہ گئے ہیں ؛ اب جو نسا لڑکا انگریزی کے مضمون میں اوّل رہا ہے وہ اس قدر نالائق تھا کہ انگریزی کا پروفیسر اُسے امتحان میں ہرگز بھیجنا نہیں چاہتا تھا۔ سب لوگ حیران ہیں کہ یہ اوّل کیونکر رہ گیا!!

آپ کا غلام تیرتھ رام

چار روز بعد پھر گوروجی کو یوں لکھتے ہیں :-

۱۹ مئی ۱۸۹۲ء القاب مذکورہ بالا

میں نے ایک طرح اپنا سارا حال لکھکر صاحب کو دکھایا تھا وہ پرچوں کے دوبارہ دیکھا جانے کی رائے نہیں دیتے۔ (کیونکہ اُن دنوں وہ خود یونیورسٹی کے وائس چینسلر تھے اور یونیورسٹی کے قاعدوں کے برخلاف کوئی مشورہ نہیں دے سکتے تھے۔ مؤلف)۔ مگر صاحب نے یونیورسٹی میں میری بابت بہت کچھ کہا تھا کہ اس کو رعایت ملی جانی چاہئے پر اُس کی کوئی بات مانی نہیں گئی ۔ آج یونیورسٹی نے یہ اشتہار دیا ہے کہ جنھوں نے بی۔ اے یا ایم۔ اے پاس کیا ہو اور عمر ان کی اکیس سال سے زیادہ نہ ہو اور ریاضی یا سائنس کے مضمون میں ولایت کا ایم۔ اے۔ پاس کرنا چاہتے ہوں وہ عرضیاں دیں جسکا حق سب سے زیادہ ہوگا اسکو کافی وظیفہ دیکر ولایت بھیجا جائیگا اور جب ولایت سے پاس کرکے آئے اسکو بڑا اعلےٰ درجہ ملیگا۔ اب اگر میں اسدفعہ پاس ہوجاتا تو مجھکو یہ وظیفہ ضرور ملجاتا تھا۔ اوّل میری عمر کی رو سے۔ دوئم میرے ریاضی کے نمبروں کی رو سے تیسرے چال چلن کی رو سے۔ مگر اب کیا ہوسکتا ہے آپ دیدار دکھا کریں ۔ "

آپ کا غلام تیرتھ رام

گوسائیں جی کا بی اے میں دوبارہ داخل ہونا

جب یونیورسٹی نے کسی کی نہ سُنی تو لاچار گسائیں دوبارہ بی اے میں داخل ہوگئے اور اگرچہ خراب نتیجے سے دل بہت صدمہ زدہ تھا اور وظیفہ سرکاری بھی بند ہوگیا تھا تاہم انھوں نے ہمت نہ ہاری اور دشوار

کرکے بی۔اے پاس کرنے کی ٹھان لی۔ مگر مثل مشہور ہے کہ وُہی جو ادھر سے خاربن کر آتا ہے اُدھر گل ہو کر ظاہر ہوتا ہے۔ وُہی جو ایک طرف سے مصیبت بعد مصیبت لاتا ہے وہی دوسری طرف آرام و راحت کے سامان مہیا کرتا ہے۔ بعینہٖ یہ سلوک قادرِ مطلق گوسائیں جی کے ساتھ ہوا۔ بی۔اے میں دوبارہ داخل ہونے سے پیشتر ملول دل گاہے گاہے یوں پکار اُٹھتا تھا کہ ہائے اب وظیفہ تو بند ہو گیا تعلیم جاری رکھنے میں کھانے وغیرہ کی مدد کون دیگا۔ سال بھر کی فیس و کُتب غرضیکہ ہر طرح کے خرچ کی کون تکلیف اُٹھائیگا۔ وغیرہ وغیرہ۔ گاہے دل کوئی سہارا نہ دیکھ کر از حد دُکھی ہوتا۔ اور گاہے ایشور کی اپار کرپا (از حد مہربانی) پر بھروسا رکھکر کچھ تسلّی و تشفی پکڑتا تھا۔ اور کبھی کبھی خالو صاحب کو یُوں لکھا جاتا کہ وہ اگر تیرتھ رام حسب منشاء تعلیم حاصل نہ کر سکا تو یہ حسرت قبر تک جائیگی اور شاید ابھی ہی جلد دُنیا سے رخصت ہونا پڑے۔ سُنا گیا ہے کہ جب دل کسی طرح سے بھی تشفی نہ پکڑ سکا تو گوسائیں جی خلوت گاہ میں چلے گئے اور ایشور کا دھیان کرکے ذیل کا منتر پکارتے ہوئے زار زار روئے۔

त्वमेव माता च पिता त्वमेव, त्वमेव बन्धु श्च त्वमेव
त्वमेव विद्या द्रविणं त्वमेव, त्वमेव सर्वं मम देव देव

تُم ہی میرے ماتا پتا ہو تُم ہی بندھو اور متر ہو۔ اے میرے دیوں کے دیو! تُم ہی میرے سب کچھ ہو۔ بِدیا دھن وغیرہ تُم ہی تو ہو۔

"پربھو! اب حقیقت میں سوائے آپ کے رام کا کوئی مددگار نہیں۔ اب تو رام آپ کا اور آپ رام کے ہو لئے۔ رام کا کام تو ہمیشہ آپ کی مرضی پر چلنا، آپکا دھیان کرنا اور پڑھنے سے آپ کی سیوا کرنا ہوگا۔ اور آپ کا کام رام کی سب طرح کی سہائتا (مدد) کرنا ہوگا تاکہ یہ نیک ارادہ تکمیل کو پاوے۔" اب تو رام سارے کا سارا آپ کا ہو گیا! ہو گیا!! ہو گیا!!! ہے پربھو! اب تو چاہے آپ اسے رکھو چاہے مارو۔ وہ تو اب کندن کے ڈلے کی طرح آپکے دروازے پر گر گیا ہے چاہے اُسے آپ گلا دیں اور چاہے سُندر بنا دیں۔ یہ سب آپکی مرضی پر مبنی ہے۔

کُندن کے ہم ڈلے ہیں جب چاہے تو گلا لے | باور نہ ہو تو ہمکو لے آج آزما لے
جیسے تری خوشی ہو سب ناچ تو نچا لے | سب چھان بین کر لے ہر طور دل جما لے

راضی ہیں ہم اُسی میں جس میں تری رضا ہے
یاں یُوں بھی واہ واہ ہے اور وُوں بھی واہ وا ہے

یا دل سے اب خوش ہو کر کر ہمکو پیار پیارے | خواہ تیغ کھینچ ظالم ٹکڑے اُڑا ہمارے
جیتا رکھے تُو ہمکو یا تن سے سر اُتارے | اب تو رام عاشق کہتا ہے یُوں پکارے

راضی ہیں ہم اُسی میں جس میں تری رضا ہے
یاں یُوں بھی واہ واہ ہے اور وُوں بھی واہ واہ ہے

(٭٭٭)

جھنڈو حلوائی کی وقت پر مدد

اس کامل اعتقاد (نتیجہ) کے ساتھ دوسرے دن اُٹھتے ہی گوسائیں جی کالج میں دوبارہ داخل ہونے کو چلے گئے مگر ایشور پر کامل بھروسے کا اعتقاد بھی کیا جادُو بھرا اثر فی الفور دکھاتا ہے ٭ ابھی داخل ہُوئے ایک دو گھنٹے گُذرے ہونگے کہ جھٹ کالج کا حلوائی ہی اُنکے پاس آکر استدعا کرتا ہے کہ اب سال بھر وہ روٹی اُسکے ہی گھر کھایا کریں ٭ اس معجزے کو دیکھکر گوسائیں جی اپنے گُورو جی کو ۲ مئی ۱۸۹۲ء کے یہ لکھتے ہیں کہ

"آج میں کالج میں داخل ہو گیا ہُوں ....

... ہمارے کالج کا جو حلوائی ہے اُس نے مجھکو پہلے بھی کئی دفعہ بڑی بریت سے کہا تھا کہ میں روٹی اُسکے گھر سے کھا لیا کروں۔ اور آج پھر اُس نے ہاتھ جوڑکر کہا تھا۔ میں نے آج اُسکو کہدیا ہے کہ "اچھا کھا لیا کرونگا" ٭ ....

نوٹ یہ حلوائی لالہ جھنڈو مل تھے۔ انہوں نے نہ صرف خوراک سے ہی گوسائیں جی کی اس مصیبت کے وقت مدد کی۔ بلکہ کئی دفعہ کپڑے بھی سلوائے۔ انہیں مکان بھی مُفت رہنے کو دے دیئے۔ غرضیکہ جسقدر ہو سکا انہوں نے ہر طرح سے انکو مدد دی۔ گویا ایشور نے ایسی مصیبت کے وقت گوسائیں جی کی مدد کیلئے اپنا مختار کالج میں شاید اسی حلوائی کو ہی مقرر کر رکھا تھا ٭ کیونکہ سوامی جی کے متعدد خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فرشتہ سیرت حلوائی نے کالج کی زندگی میں سب سے زیادہ تپاک سے انکی مدد کی تھی ٭

پرنسپل صاحب کا چپکے سے روپے دینا

اس تنگدستی کے زمانہ میں گوسائیں جی کو نہ صرف ایک حلوائی سے ہی مدد ملی بلکہ اعتقاد کی مضبوطی نے کالج کے پروفیسروں وغیرہ کے دلوں کو بھی مدد کے لئے ہلا دیا ۔ گوسائیں جی گورو جی کو ۱۱ جون سنہ ۱۸۹۲ء کے خط میں یوں لکھتے ہیں کہ "آج ایک شخص نے ہمارے پرنسپل صاحب کو میرے لئے ۵۰ روپے دیئے ہیں ۔ صاحب نے مجھکو بلایا تھا اور کہنے لگے کہ یہ لے لو ۔ میں نے کہا کہ کس نے دیئے ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ ہم نام نہیں بتائیں گے ۔ (میں خیال کرتا ہوں کہ شاید وہ اپنی گرہ سے ہی دے رہے ہوں)۔ پھر میں نے کہا کہ آدھے ان میں سے آپ کالج کے کاموں میں صرف کریں اور آدھے مجھے دیدیں ۔ یہ بھی نہ مانا ۔ پھر میں نے کہا کہ اچھا میں گلبرٹ سن صاحب جو ہمیں ریاضی پڑھاتے ہیں اور میری آدھی فیس ادا کرتے ہیں ان کو ناحق تکلیف نہیں دینی چاہتا اُن کے بجائے آدھی فیس امتحان تک مجھ سے لے لو۔ وہ کہنے لگے کہ اس بات کا فیصلہ گلبرٹ سن صاحب سے کرنا ہوگا ۔ سو میں نے روپے لاکر لالہ اجودھیا داس جی کو دیدئے ہیں .... وغیرہ"

ماسوائے ان مددوں کے گوسائیں جی کو پرائیویٹ ٹیوشن (طلبا کے گھر پر اُنہیں پڑھانے) سے بھی وقتاً فوقتاً بہت مدد ملتی تھی ۔ تاہم اس زمانہ طالبعلمی میں رہتے آپ نہایت سادہ تھے ۔ زمانۂ موجودہ کے فیشن کالر نکٹائی وغیرہ

سے تو آپ کو شروع سے نفرت تھی ہی۔ مگر اپنے دیسی لباس میں بھی آپ اِس قدر سادہ و کفایت شعار تھے کہ بی۔اے کلاس میں صرف موٹے گاڑھے (کھدّر) کے کپڑے اور دیسی جُوتہ پہنا کرتے تھے۔ ایک دفعہ اپنے جوتے کے بارے میں وہ ۵ جولائی ۱۸۹۲ء کے خط میں اپنے گورو جی کو یوں لکھتے ہیں:۔ "کل رات کو جب میں دودھ پینے گیا۔ تو میری جُوتی کا ایک پیر شاید کسی کی ٹھوکر سے بدررو میں جا پڑا۔ جب دودھ پی کر جُوتی پہننے لگا تو ایک پیر تو پہن لیا۔ دُوسرا اِدھر اُدھر دیکھا کہیں نہ ملا۔ حلوائی[۱] دیا لے کر ساری بدررو تلاش کر آیا۔ نہ ملا۔ دو لڑکوں کو پیسہ دینا کرکے کہا کہ ڈھونڈ دو۔ اُن کو بھی نہ ملا۔ پانی بڑے زور سے چل رہا تھا شاید کہیں کا کہیں چلا گیا ہوگا۔ میرے مکان میں ایک پرانی زنانی جُوتی پڑی ہُوئی تھی۔ صبح کو ایک اپنی جُوتی کا پیر اور ایک وہ زنانی جُوتی کا پیر پہن کر کالج میں گیا۔ یہ میری جُوتی اب نہایت پرانی ہو گئی ہُوئی تھی۔ سو آج میں نے سوا نو آنے سے ایک نئی جُوتی خرید کر پہنی ہے۔ میرا آپ کی طرف بڑا خیال رہتا ہے۔ آپ نے میرے پر سدا خوش رہنا"۔

بی۔ اے امتحان کا داخلہ

رفتہ رفتہ امتحان کے داخلے کے دن آپہنچے۔ اس موقعہ پر تیرتھ رام جی کی نیک دلی و اعتقاد کے اثر سے اگرچہ اور بہت سے

[۱] یہ حلوائی دُلیا رام تھا جو اُن دنوں لاہور میں ہار بیدہ دانہ کے اندر چکلہ بازار میں دُکان کرتا تھا۔

لوگ مدد دینے کو تیار ہو گئے تھے۔ مگر اس شریفانہ کام میں حصہ لینے کی خوش قسمتی ریاضی کے پروفیسر گلبرٹسن صاحب کو نصیب ہوئی۔ گوسائیں جی اپنے ۲۲ جنوری ۱۸۹۱ء کے خط میں گورو جی کو لکھتے ہیں کہ:.........."جب میں آج کالج پہنچا۔ تو چپڑاسی مجھے بلا کر پروفیسر گلبرٹسن صاحب (ریاضی کے پروفیسر) کے پاس لے گیا۔ انہوں نے مجھے ایک بند شدہ کاغذ کی پڑی دی اور کہا جاؤ۔ اس وقت گھنٹہ بج گیا اور میں اس پڑی کو جیب میں ڈال کر پڑھنے میں مشغول ہو گیا۔ مگر آج میرے پاس ایک پیسہ بھی خرچ کو نہیں تھا۔ تین گھنٹے کے بعد میں نے الگ جا کر اس پڑی کو کھولا۔ اس میں مبلغ تیس ۳۰ روپے تھے (معلوم ہوتا ہے کہ تیس روپے محض امتحان کے داخلے کے بارہ میں پروفیسر صاحب نے دیئے تھے کیونکہ ان دنوں بی۔اے کے امتحان کا داخلہ صرف تیس روپے ہی تھا۔ مؤلف) میں اسی وقت پروفیسر صاحب کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے اتنے روپے درکار نہیں ہیں (کیونکہ لالہ اجودھیا داس سے داخلہ کے واسطے روپے لے لئے تھے) آپ بیس ۲۰ روپے واپس لے لو۔ مگر انہوں نے فرمایا:.............................وغیرہ"

بی۔اے کے آزمائشی امتحان کا نتیجہ

امتحان کا داخلہ لئے جانے کے بعد بی۔اے جماعت کا آزمائشی امتحان کالج میں ہوا۔ گوسائیں جی اپنے کالج میں سب سے اوّل رہے۔ اس امتحان کے نتیجہ کی خبر اپنے گورو جی کو گوسائیں جی اپنے ۱۱ مارچ ۱۸۹۳ء کے خط میں اس طرح دیتے ہیں کہ "آج ہمارے

اوّل نمبر آ گئے ہیں۔ میرا نمبر ۸۷ ہے۔ ہمارے آزمائشی امتحان کا ریزلٹ (نتیجہ) بھی نکلا ہے۔ مجھے پرمیشور نے سب سے نہایت بڑھ کر رکھا ہے۔ جس قدر نمبر کہ اوّل درجے میں رہنے کو درکار ہیں۔ اُس سے میرے ساٹھ زیادہ ہیں۔ انگریزی میں بھی بڑا اچھا رہا ہوں۔ اور ایک ریاضی میں ۱۵۰ میں سے ۱۴۵ ملے ہیں۔

مگر میں جانتا ہوں کہ یہ سب آپ ہی کی کرپا درشٹ کا نتیجہ ہے۔ آپ نے مجھ پر دیا درشٹ رکھنی"۔ +

بی۔اے کا سالانہ امتحان

جب سالانہ امتحان شروع ہو گیا تو گوسائیں جی کے دل میں نہ صرف امتحان پاس ہونے کا خیال اور شوق ولولہ ڈالتا تھا بلکہ گورو بھکتی بھی اُمڈ اُمڈ کر جوش مارتی تھی۔ آپ اُن دنوں ۲۱ مارچ ۱۸۹۳ء کے خط میں لکھتے ہیں کہ "مہاراج جی! میرا ہر دم آپ کے چرنوں میں خیال رہا ہے۔ آپ ابھی تک نہیں آئے۔ بڑا فکر لگا ہوا ہے۔ پرسوں اور اترسوں ہمارا ریاضی کا امتحان ہے۔ انگریزی کا امتحان ہو چکا ہے۔ مہاراج جی! اگر میرا ساٹھ روپے وظیفہ لگ جائے تو پہلے تین مہینے کا وظیفہ سارا ہی آپ نے رکھنا۔ اور جو انعام ملے وہ بھی آپ ہی کی دولت۔ اور یُوں تو آپ جانتے ہی ہیں کہ میں خود سارا ہی آپ کا ہوں۔ اگر میں ریاضی کے چاروں پرچے ہی سارے کے سارے کر آؤں تب

مجھے تسلّی ہوگی۔ اگر آپ کی دیا ہو تو یہ بات ذرا مشکل نہیں ؂

آپکا عاجز غلام تیرتھ رام۔

بی۔ اے کے سالانہ امتحان کا نتیجہ

اس سال گوسائیں جی نہ صرف آزمائشی امتحان میں اوّل رہی بلکہ سالانہ امتحان میں بھی ویسے ہی اعلےٰ درجہ میں کامیاب ہوئے۔ نتیجہ نکلنے کے وقت گوسائیں جی خود لاہور کے باہر تھے۔ گوجرانوالہ کے پتہ پر گوسائیں جی کے ایک ہم جماعت نے مشن کالج لاہور سے اُنکے بی اے میں پاس ہونیکی خوشخبری اپنے ۱۷ اپریل سنہ ۱۸۹۳ء کے خط میں یوں دی "مبارکباد دیتا ہوں۔ آپ پنجاب بھر میں اوّل رہے ہیں۔ اور آپ کے نمبر ۱۰۳۱ ہیں اور فرسٹ ڈویژن میں رہے ہو۔ اور آپکو ویسے ہی دو وظیفے بھی ملیں گے۔ دوم لچھمن داس۔ اور سوئم غلام سرور۔ اور چہارم ٹوپن رام رہے ہیں ؂

کُل لڑکے ہمارے کالج سے اکیس کے قریب ہوئے ہیں۔ اور کُل لڑکے (تمام پنجاب بھر میں) قریب پچاس کے پاس ہوئے ہیں ؂

بندہ ضرور آپ کو تار دیتا۔ مگر بندہ کا اپنا دل بہت بیکل ہے۔ اسواسطے معذور فرماویں ؂

اپنے (بی۔ اے کے) امتحان کے بارہ میں سوامی جی نے اپنے ایک لکچر "وشواش" میں یوں فرمایا ہے کہ "جب رام بی۔ اے کا امتحان دے رہا تھا تو ممتحن نے ریاضی کے پرچہ میں ۱۳ سوال دیکر اوپر لکھ دیا کہ ان تیرہ سوالوں میں سے کوئی سے ۹ سوال حل کرو۔ چونکہ رام کے دل میں یقین جوش مار رہا تھا اُسنے اسی عرصہ میں سب تیرہ کے تیرہ سوال حل کرکے لکھ دیا کہ ان ۱۳ سوالوں میں سے کوئی سے

جانچ لو۔ حالانکہ اِن ۱۳ سوالوں میں سے اوروں نے مُشکل سے ۳ یا ۴ سوال حل کیے تھے'' ۔ اپنے ایک خط میں اپنے والد صاحب کو گوسائیں جی نے یُوں لکھا کہ :- ''آپ کا لڑکا نیرتھ رام فرسٹ ڈویژن (درجہ اوّل) میں پاس ہونیکے علاوہ یونیورسٹی بھر میں اوّل رہا ہے۔ ساٹھ روپے ماہوار وظیفہ ملے گا۔ یہ سب مہربانی پرماتما کی ہے۔ ذاتی لیاقت کو اِس میں کچھ دخل نہیں'' ۔ ایک دُوسرے خط میں اپنے خالُو (ماسٹر) صاحب کو یُوں لکھتے ہیں کہ :- ''مجھے دو وظیفے ملیں گے ایک پچیس ۲۵ کا دُوسرا ۳۵ کا۔ یہ سب ایشور کی مہربانی ہے'' ۔ ایک تیسرے خط میں لکھتے ہیں کہ ''جلسہ کانووکیشن پنجاب یونیورسٹی منعقد ہو چکا ہے۔ مجھے پچاس ۵۰ روپے نقد اور ایک طلائی تمغہ علاوہ ڈپلومہ (گاؤن) وغیرہ کے ملا ہے۔

گورنمنٹ کالج میں ایم۔اے کی تعلیم کیلئے داخل ہونا

مشن کالج میں اُن دنوں ایم۔اے۔ کلاس نہیں کھلی تھی لہٰذا بی۔اے پاس کرنے کے بعد ایم۔اے کی پڑھائی شروع کرنے کے لئے گوسائیں جی گورنمنٹ کالج میں مئی ۱۸۹۲ء کو جا داخل ہوئے ۔ اس سال گوسائیں جی کی عمر قریب ۱۹½ ساڑھے اُنیس برس تھی۔ مگر جائے غور ہے کہ اس عمر میں گوسائیں جی کی قلم کیا صحیح و دلکش تصویریں قدرت کے نظاروں کی باندھتی تھی ۔ آپ اپنے ۱۰ جولائی ۱۸۹۱ء کے خط میں گورو جی کو لکھتے ہیں کہ :- ''یہاں کل بڑی برکھا (بارش) ہوئی تھی آج میں

کالج سے پڑھ کر سیر کرتا ہُوا ڈیرے آ رہا ہُوں - اس وقت بڑا سُہانا سما ہے -
جدھر دیکھتا ہُوں یا جل نظر آتا ہے یا سبزی - ٹھنڈی پون ہر دیہ کو بڑی
پریہ (پیاری) لگتی ہے - آکاش میں بادل کبھی سُورج کو چُھپا لیتے ہیں - کبھی پرگٹ
(ظاہر) کر دیتے ہیں - نالے نالیوں سے پانی بڑے زور سے بہہ رہا ہے - گو (باغ) کے
درخت پھلوں سے بھرپُور ہیں - ٹہنیاں جُھک کر زمین سے آ لگی ہیں یہی پرتیت
(ظاہر) ہوتا ہے - کہ انار - آڑو - آم وغیرہ ابھی گرے کہ گرے + کبوتر - توتے اور
چیلیں بڑی پرسنّتا (خوشی) سے ہوا کی سیر کر رہے ہیں - درختوں پر پنچھی (پرندے)
بڑے آنند سے گائن کر رہے ہیں طرح طرح کے پھول کھلے ہوئے [illegible] دیتے
ہیں - کہ گویا میری راہ دیکھنے کے لئے آنکھیں کھولے مُنتظر کھڑے تھے + زمین
پر ہریاول کیا ہے - سبز مخمل کا فرش بچھا ہے - سرو اور سپیدا (لمبے لمبے درخت)
ابھی اشنان کر کے سورج کی طرف دھیان کئے - اُن سنگے کھڑے ہیں - گویا سندھیا
اُپاسنا میں مگن ہیں + آکاش کی نیلتا اور سفیدی نے عجب [illegible] بہار بنائی ہے +
مینڈک برسات کی خوشیاں منا رہے ہیں + ہر ایک طرف سے خوشی کے
جنکارے بج رہے ہیں - گویا زمین اور آسمان کا بیاہ ہونے والا ہے جس کی
اولاد کتنک (کارتک) اور مگھر (منگسر) کے ستوگنی مہینہ ہوگی - اس وقت
مُجھے آپ یاد آتے ہیں + چونکہ میں آپ کو یہ سب چیزیں دکھا نہیں سکتا -
یہ خط لکھ دیتا ہُوں + ... میں ڈیرے آن پہنچا ہُوں

چلتے چلتے پنسل کے ساتھ رستے میں لکھا گیا تھا اور ڈیرے آن کر اس کارڈ پر اس کی نقل کرتا ہوں"۔

پڑھانے کا شوق :- تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ سوامی جی کو پڑھانے کا بھی بڑا شوق تھا۔ بی اے جماعت میں اپنے بہت سے ہم جماعت لڑکوں کو پڑھاتے تھے اور ان کا بہت سا وقت مقررہ ڈیوٹیوں کے علاوہ ہم جماعتوں کو پڑھانے میں صرف ہؤا کرتا تھا۔ خود کیسے ہی مشغول کیوں نہ ہوں مگر جب کسی نے کوئی سوال پوچھا اپنا کام چھوڑ کر جھٹ اُسکی طرف متوجہ ہو جاتے تھے ۔

یہ اشتیاق ایم۔ اے میں داخل ہونے کے بعد پہلے سے بھی دُگنا تگنا بڑھ گیا۔

اب آپ اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ کسی ملازمت کے حصول کا بھی خیال کرنے لگے ۔

اپنے ایک ۷ رجولائی ۱۸۹۳ء کے خط میں گوُروجی کو لکھتے ہیں کہ ....

"آج مَیں نے کچھ کچھ خبر سُنی ہے کہ ویدک کالج کا ریاضی کا پروفیسر مجھے بھی لینا چاہتا ہے۔ اگر آپ پرماتما کو کہکر مجھے اس کی جگہ فی الحال کرا دیں تو یہ میرے اور آپ کے لئے نہایت خوشی کی خبر ہو"۔

جب کسی وجہ سے یہ جگہ نہ ملی تو پھر راولپنڈی کی طرف توجہ کی کیونکہ وہاں کے آرٹس کالج میں ایک پروفیسر ریاضی کی ضرورت تھی۔ اتنے میں مشن کالج لاہور میں بھی ریاضی کے پروفیسر کی جگہ خالی ہونے لگی کیونکہ وہاں کے پروفیسر صاحب اپنے گھر ولایت کو رخصت پر جانے لگے تھے ۔

گوسائیں جی نے چونکہ اسی کالج میں تعلیم پائی تھی - یہاں کے پروفیسر صاحبان نے ہی اور خاصکر ریاضی کے پروفیسر نے ہی انہیں تعلیم میں بہت مدد دی تھی اس لئے اس کالج کی خدمت کرنا اپنا عین فرض سمجھکر یہاں بلا تنخواہ کے گوسائیں جی نے اُس پروفیسر ریاضی کی جگہ کام کیا اور کالج کی تمام جماعتوں کو سال بھر تک ریاضی پڑھاتے رہے - اور ساتھ ساتھ اپنی ایم - اے کلاس کی تعلیم بھی گورنمنٹ کالج میں حاصل کرتے رہے ؀

پرنسپل گورنمنٹ کالج سے اتفاقیہ ملاقات

گوسائیں جی کی سب کے ساتھ ہمدردی - سادہ مزاجی - پاک باطنی - صاف دلی اور خوش کلامی ہر ایک کے دل پر چٹکیاں بھرتی تھیں - جو کوئی ان کو کالج میں یا باہر مل جاتا ان کے اعلےٰ اوصاف و اطوار سے ایکدفعہ تو ضرور موہت ہو جاتا ؀ اپنے پرنسپل گورنمنٹ کالج کے ساتھ اتفاقیہ ملاقات کا حال اپنے ۱۷ جولائی ۱۸۹۳ء کے خط میں گورو جی کو آپ یوں لکھتے ہیں کہ :- "دو روز ہوئے میں دریا کی سیر کو گیا تھا - کشتیوں کے پل پر پھر رہا تھا کہ مسٹر بل گورنمنٹ کالج کے پرنسپل (بڑے صاحب) وہاں آنکلے - بڑی اچھی طرح سے ملے - کئی قسم کی باتیں ہوئیں - میری عینک کی بابت اور اس بات کی بابت کہ میں چھتری کیوں نہیں لگاتا کیونکہ اُس وقت اَبر آیا ہُوا تھا - اور چھوٹی چھوٹی بُوندیں پڑ رہی تھیں - وغیرہ وغیرہ ؀ پھر مجھے اپنی گاڑی میں

بٹھا لیا اور شہر کی طرف لائے۔ رستے میں میری پڑھائی کی بابت ذکر ہوا۔ اور مجھے کوئی ننلو شعر انگریزی کے زُبانی یاد تھے۔ میں نے وہ سُنائے۔ اور ریاضی کی بابت بتایا کہ میں ایک مضمون کی چار یا پانچ کتابیں کم سے کم ضرور پڑھا کرتا ہُوں۔ اور جو انگریزی زُبان دانی کی کتابیں میں آج کل مطالعہ رکھتا ہُوں وہ میں نے بتائیں۔ بڑے خوش ہوئے + پھر اُنہوں نے میرے والدین کی بابت پوچھا کہ آیا وہ ذی اقتدار ہیں یا نہیں۔ میں نے جواب دیا۔ نہیں + پھر اُنہوں نے پُوچھا کہ میرا ارادہ امتحان کے بعد کیا کرنے کا ہے۔ میں نے جواب دیا۔ میرا ارادہ کچھ نہیں۔ جو پرمیشور کی مرضی ہوگی میں اپنا ارادہ اُس کے مطابق کر لُوں گا۔ اور یُوں اگر میری کوئی خواہش ہے تو یہ ہے کہ وہ کام کروں جس سے میں اپنی زندگی کا دَم دَم پرماتما کی خدمت میں ارپن کر سکوں۔ اور پرماتما کی خدمت لوگوں کی خدمت کرنے میں ہوتی ہے۔ اور لوگوں کی خدمت میں سب سے اچھی طرح ریاضی پڑھانے کے ذریعہ کر سکتا ہُوں۔ وغیرہ وغیرہ +

اُنہوں نے بھی بہت سی باتیں میرے مطابق کیں اور یہ بھی کہا کہ ہم تمہارے حق میں جس قدر ہو سکے گا کوشش کریں گے (اب یہ صاحب پنجاب یونیورسٹی کے قائمقام رجسٹرار بھی ہو گئے ہیں) +

اتنے میں اُن کی کوٹھی جو کالج کے عین نزدیک ہے آن پہنچی۔ پروفیسر مجھے اُس جگہ لائے جہاں لڑکے ورزش کیا کرتے ہیں۔ اور اُنہوں نے مجھے ورزش کرتے ہوئے

لڑکے دکھائے۔ بعد میں انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم کون سی ورزش کیا کرتے ہو؟ میں نے چارپائی والی ورزش بیان کی۔ انہوں نے ایک چارپائی منگائی میں نے ایک سو ساٹھ دفعہ اُسے اُٹھایا اور رکھا + پھر انہوں نے اور لڑکوں کو کہا کہ چارپائی سے ورزش کریں۔ اُن میں سے کوئی بھی بیس سے زیادہ دفعہ نہ کر سکا۔ اس طرح اور لڑکوں کی دوسری قسم کی ورزشیں کچھ عرصہ تک دیکھنے کے بعد وہ سب کو سلام کر کے اپنی کوٹھی کی طرف چلدیئے۔ اور میں نے ذرا آگے بڑھ کر کہا کہ جی! میں آپ کی مہربانی کا نہایت مشکور ہوں + پھر وہ مجھکو سلام کر کے اپنی کوٹھی میں داخل ہو گئے اور میں اپنے ڈیرے کی طرف چلا آیا + اب مہاراج جی! یہ سب آپ کی مہربانی کا نتیجہ ہے + ..."

سول سروس کا وظیفہ

جس سال گوسائیں تیرتھ رام جی نے بی۔اے میں نمایاں کامیابی حاصل کی اُسی سال پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے انگلستان بھیجنے کے لئے کسی ممتاز و برگزیدہ طالب علم کا نام نامزد ہوتا تھا + گورنمنٹ کالج کے پرنسپل صاحب مسٹر بیل جن سے کہ گوسائیں جی کی اکثر ملاقات ہوتی تھی اور جو اُس وقت یونیورسٹی کے قائم مقام رجسٹرار تھے گوسائیں تیرتھ رام جی سے بہت راضی تھے اور چاہتے تھے کہ گوسائیں جی صوبہ پنجاب کے امتحان مقابلہ میں داخل ہو کر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے عہدہ جلیلہ پر مامور ہو جائیں۔ مگر گوسائیں جی کی دلی خواہش ریاضی پڑھانے کی تھی

اور یہی خواہش اُن کو انگلستان لے جانے کے لئے اُبھارتی تھی۔ لیکن چونکہ تیرتھ رام جی کو حقیقت میں Rama Truth (سچا رام مجسم) بننا تھا اور دُنیا کی اُلجھنوں کی بجائے رُوحانی ڈیپارٹمنٹ میں داخل ہونا تھا اس لئے قُدرتِ کاملہ نے جس کی حسنِ انتظام کے مقابلہ میں دُنیاوی عقلوں اور اختراعوں کے سُورجوں کی روشنی ماند رہتی ہے دوسو پونڈ کا وظیفہ جو گوسائیں جی کو ملنا تھا کسی اور طالب علم کو دلا دیا +

رُجحانِ طبع

اس طرح جب گوسائیں جی انگلستان جانے سے رہ گئے تو پرنسپل صاحب و دیگر دوستوں نے پُوچھا کہ آب آپ کا ارادہ کیا ہے تو گوسائیں جی نے جواب میں ہر ایک کو یہی کہا I wish to be a either preacher or teacher میری خواہش ہے کہ یا تو ریاضی (معلّمِ ریاضی) بنوں یا اوپدیشک (واعظ) اس جواب سے صاف ثابت ہوتا تھا کہ گوسائیں جی بذاتِ خود سِول سروس اور بیرسٹری کو نظرِ حقارت سے دیکھتے تھے۔ اور اُن کا رجحانِ طبع دینی (دھارمک) تھا۔ اس لئے دُنیوی باتوں اور عُہدوں سے انہیں سخت نفرت تھی + ان دنوں دِل اس قدر دھارمک خیالات (مذہبی عبادت) میں محو و مستغرق (لِین) تھا کہ دُنیا کی دیگر باتیں اُن کے دِل پر ذرا سا بھی اثر پیدا نہیں کر سکتی تھیں + اپنے ۲۵ دسمبر ۱۸۹۳ء کے خط میں گوروجی کو لکھتے ہیں کہ :- "آج یہاں دادا بھائی نوروجی (جو ہندوستان کا

آدمی پارلیمنٹ کا ممبر ہے) تین بجے کی گاڑی میں آیا ہے۔ اتنی شان وشوکت کے ساتھ اُس کا استقبال کیا گیا ہے کہ جس کا کچھ انت نہیں ٭ کانگرس والوں نے اسکو گویا برہما اور وشنو کا مرتبہ دیدیا ہے۔ کئی سُنہری دروازے بنائے گئے ہیں۔ اس کی گاڑی شہر میں ابھی تک پھر رہے ہیں۔ لاکھوں آدمی ساتھ جارہے ہیں۔ اس کے اردگرد دیپ مالا ہے۔ اور بڑے زور کے جھنکارے بج رہے ہیں ٭ عام آدمیوں کے دِلوں میں بے انتہا جوش آرہا ہے۔ اس قدر جوش کہ جس کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ مگر میرے دِل پر ان سب باتوں سے ذرا اثر نہیں ہُوا۔ یہ بڑے شُکر کی بات ہے ٭ ......"

سادگی

گوسائیں جی کی سادگی درجہ کمال تک پہنچی ہوئی تھی۔ انگریزی وضع کے سُوٹ بُوٹ سے تو آپ حد درجہ احتراز فرماتے ہی تھے۔ مگر قیمتی پوشاک بھی نہیں پہنتے تھے۔ ایم۔ اے میں بھی محض گاڑھے (موٹے کھدر) کے کپڑے استعمال کرتے تھے ٭ اکثر گھر میں ہی کپڑے بنواتے وسلواتے تھے۔ بازار سے شاذ ونادر ہی خریدتے تھے۔ اپنے ایک ۸ مارچ ۱۸۹۴ء کے خط میں گُورُوجی کو لکھتے ہیں کہ ..."پچھلے دِنوں مجھے کپڑوں کی بڑی تنگی تھی۔ دھوبی نے مہینہ بھر کپڑے نہیں دیئے تھے۔ میَں نے اپنے پڑوسی درزی سے ایک چوغہ۔ ایک کُرتہ ایک پاجامہ مول لے لیا تھا۔ مبلغ دو روپے سے دو پیسے کم لگے تھے۔ ...." ٭ گوسائیں جی کے ایک ہم جماعت لکھتے ہیں۔ کہ ایک دن گوسائیں

جی عالم تذبذب میں دیکھے گئے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہُوا۔ کہ یونیورسٹی کا سالانہ جلسہ ہونے والا ہے۔ اور اُس میں سارٹیفکیٹ اور تمغہ حاصل کرنے کی غرض سے آپ کی شرکت لازمی ہے۔ فرمانے لگے کہ اس موقعہ پر ولایتی چوغہ اور بُوٹ پہننے پڑیں گے۔ اور یہ امر میری عادت کے خلاف ہے۔ کچھ دیر بحث کے بعد یہ فیصلہ ہُوا کہ یہ ہر دو چیزیں کسی ہم جماعت سے اُس دن کے لئے عاریتاً لے لی جائیں +

ایم۔ اے میں روزانہ دستورالعمل

۹ فروری ۱۸۹۴ء کے خط میں گوسائیں جی اپنے گورو جی کو دربارۂ روزنامچہ یوں لکھتے ہیں کہ :۔"........

میں آج کل کوئی پانچ بجے صبح کے قریب اُٹھتا ہوں۔ اور ساتھ بجے تک پڑھتا رہتا ہوں۔ پھر پاخانہ وغیرہ جاکر نہاتا ہوں۔ اور ورزش کرتا ہوں۔ اِسکے بعد پنڈت جی کیطرف جاتا ہوں۔ رستے میں پڑھتا رہتا ہوں۔ وہاں ایک گھنٹے کے بعد روٹی کھاکر اُنکے ساتھ گاڑی میں کالج جاتا ہوں۔ کالج سے ڈیرے آتی بار راستے میں دودھ پیتا ہوں + ڈیرے چند منٹ ٹھہر دریا کو جاتا ہوں۔ وہاں جاکر دریا کے کنارے پر کوئی آدھ گھنٹہ کے قریب ٹہلتا رہتا ہوں۔ وہاں سے واپس آتی بار سارے شہر کے گرد باغ میں پھرتا ہوں۔ وہاں سے ڈیرے آن کر کوٹھے پر ٹہلتا رہتا ہوں۔ اتنے میں اندھیرا ہوجاتا ہے۔ (مگر یہ یاد رہے کہ میں چلتے پھرتے پڑھتا برابر رہتا ہوں)۔ اندھیرا پڑے ورزش کرتا ہوں۔ اور لیمپ جلا کر سات

بجے تک پڑھتا ہوں۔ پھر روٹی کھانے جاتا ہوں۔ اور پریم (ایک طالب علم کا نام ہے۔ جس کے گھر پر جا کر گوسائیں جی پڑھایا کرتے تھے۔ مؤلف) کی طرف بھی جاتا ہوں۔ وہاں سے آن کر کوئی دس بارہ منٹ اپنے مکان کے کوٹے کے ساتھ ورزش کرتا ہوں۔ پھر کوئی ساڑھے دس بجے تک پڑھتا ہوں۔ اور لیٹ جاتا ہوں۔ میرے تجربے میں یہ آیا ہے کہ اگر ہمارا معدہ عین صحت کی حالت میں رہے تو ہمیں کمال درجہ کا سرور۔ فرحت۔ دل کا یکسو ہونا۔ پرمیشور کی یاد اور پاک باطنی حاصل ہوتی ہے عقل اور حافظہ طاقت نہایت تیز ہو جاتی ہیں + اوّل تو

میں کھاتا ہی بہت کم ہوں۔ دوم جو کھاتا ہوں خوب پچا لیتا ہوں + ...

آج کل رائے میلا رام کا لڑکا (مراد رائے بہادر لالہ رام سرن داس صاحب سے ہے) جو ایف۔ اے میں پڑھتا ہے مجھے کئی پیغام بھیج چکا ہے کہ میں اسے پڑھانا منظور کروں۔ مگر میں نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا + وقت کہاں سے لاؤں؟ مشکل یہ ہے کہ جن کو پڑھانے لگتا ہوں وہ پھر چھوڑتے بالکل نہیں۔ ہر حیلہ حوالے سے مجھے رکھ لیتے ہیں۔ پیار سے اور محبت سے باندھ لیتے ہیں +"

قوتِ برداشت

گسائیں جی صدمات کو بڑے صبر اور شانتی سے برداشت کرتے تھے۔ ایک دن آپ کو گھر سے خط ملا کہ شریمتی تیرتھ دیوی (ہمشیرہ صاحبہ) سُرگباش ہو گئی ہیں۔ آپ کو اُن کی بے وقت وفات کا سخت افسوس ہُوا۔ خاموشی کے عالم میں دریائے راوی کی جانب چل دیے

تنہائی میں خون کے حقیقی جوش کو اشک ریزی کے ذریعے کم کر کے پرماتما کی درگاہ میں پرارتھنا کی کہ "وہ ہمت کے ساتھ صدمات برداشت کرنے کی طاقت عطا ہو" چنانچہ اپنے خالو صاحب کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:"میں ان دنوں بڑے افسوس اور غم کی حالت میں رہا ہوں۔ کیونکہ میری بہن جو میری رائے میں تمام پنجاب بھر کی عورتوں کے لئے حیا۔ نیک نیتی۔ بُردباری۔ محنت اور پاکیزہ خیالی وغیرہ میں ایک نمونہ تھی کال وش ہو گئی ہے"۔ ایسے ہی ۱۰ر جنوری ۱۸۹۴ء کے خط میں اپنے گورو جی کو لکھتے ہیں کہ "...... اپنی بہن (ہمشیرہ) کی بابت مجھے کل ہی معلوم ہو گیا تھا۔ جو مجھے غم ہوا ہے اُس کا نہ لکھنا اچھا ہے۔ میں بڑا ہی رویا ہوں میری اُس کے ساتھ از حد محبت تھی"۔

ایم اے میں قلبی حالت

آج کل کالج کی تعلیم کا اثر عموماً یہی دیکھنے میں آرہا ہے کہ جوں جوں کالج کی جماعتیں پاس ہوتی جاتی ہیں توں توں دھرم کو جواب ملتا جاتا ہے۔ پورانی تہذیب و ایشور دھیان یا گورو بھگتی پر مضحکہ اُڑانا شروع ہو جاتا ہے اور دل مادّی ترقّی عیش پرستی اور کوٹ پتلون کی بن ٹھن میں والا و شیدا ہونے لگ جاتا ہے مگر گوسائیں تیرتھ رام جی کے دل پر تعلیم سے بالکل الٹا ہی اثر ہوا۔ حالانکہ گرہستھ کے گورو (بھگت دھنّا رام جی) بمقابلہ گوسائیں جی کے علمی لیاقت میں بہت ہی پیچھے تھے۔ نہ وہ کوئی جماعت پاس تھے اور نہ کسی زباندانی میں ماہر محض سیدھے سادے مگر

پاک باطن کلام کے سچے اور اُمّی تھے۔ تاہم اُنکے ساتھ گو سائین جی کی دلی محبت وتعظیم کالج کی مادّی تعلیم کے اثر سے ذرا کم ہونے نہ پائی۔ کم تو کیا اُلٹا (علمی ترقی کے ساتھ گورو بھگتی بھی) دن دُونی اور رات چوگنی ترقی کرتی رہی طالب علمی کے زمانے مین گوسائین جی ہر ایک کام گورو جی کی آگیا سے کرتے تھے اور جو کام بھی تکمیل کو پہنچتا تھا وہ سب گورو کرپا یا ایشور کرپا سے ہوتا یقین کرتے تھے۔ اگر کسی غفلت کے سبب گورو جی ذرا خفا ہو جاتے تھے تو بارہا معافی بذریعۂ خطوط اُن سے مانگتے تھے۔ ایک دفعہ اتفاق سے گوسائین جی سے معمول سے زیادہ رقم خرچ ہوگئی اور گورو جی کی خفگی کا خط آیا تو آپ اُسکے جواب مین ۳۰ دسمبر ۱۸۹۳ء کو یون لکھتے ہین کہ" ؎

گر کُشی ور جرم بخشی دست و سر بر آستانم ✤ بندہ را فرمان چہ باشد ہر چہ فرمائی بر آنم

مہاراج جی! جب آپ کا خط مجھے ملا۔ نہایت خوشی ہوئی۔ مگر پڑھ کر دل بڑے غم مین پڑ گیا۔ کیونکہ آپ غلام پر خفا ہین۔ آپ اب معاف فرمائیے گا۔ کیونکہ میرے جیسے ناتجربہ کارون سے غلطیان اکثر ہو جاتی ہین۔ "وہ آدمی گر گر کر سوار ہوتا ہے" اور کئی دفعہ بڑے سیانے بھی چوک جاتے ہین "وہ تیراک (تارو) ڈوبتے آتے ہین" آپ اب یہان کب تشریف لائین گے؟ جب تک آپ کا خوشی کا خط یا خود آپ یہان نہ آئین گے مجھے بڑا فکر رہے گا۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ کو ان دنون تنگی ہوگی۔ اِس لئے اگر آپ حکم دین تو مین

یہان سے کچھ عرض کرون (یعنی خدمت شریف مین کچھ نقدی بھیجون۔ مؤلف)
آپ کے غلام پر کسی طرح خفا نہ ہونا۔ اس سال مین نے ایک بھی کتاب ایسی مول نہین
لی جو میرے امتحان کے متعلق نہ ہو۔ پہلے یہ عادت مجھے تھی مگر اب آپ کی دیا
سے دُور ہو گئی ہے۔ خرچ مجھ سے بیشک زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور مین کوشش
کر رہا ہون کہ کم ہو۔ خرچ دودہ وغیرہ مین ہوتا ہے۔ مین جب کانگرس کا جلسہ
دیکھنے گیا تھا تو اس غرض سے گیا تھا کہ وہان جو بنگال۔ مدراس۔ بمبئی۔ وسط
ہندوستان۔ اور دکن وغیرہ کے اول درجے کے لکچر دینے والے (بولنے والے)
آئے ہوئے ہین۔ اُنکے بولنے کے طریقے وغیرہ دیکھون۔ تو روجی کے آنے کے
دن مین نے اس بات کا شکریہ کیا تھا کہ لوگون کو جوش خروش مین دیکھے مجھے
جوش نہ آیا۔ سو اب بھی مین آپ کے چرنون کا شکر کرتا ہون کہ ان سب
بولنے والون کو سُنکر مجھے جوش نہ آیا ✤

جیسے گورو بھکتی ترقی پکڑتی گئی ویسے دھرم مین شردھا بھکتی بھی تعلیم کے
ساتھ زور سے نشو و نما پاتی گئی۔ جب تیرتھ رام جی لوئر پرائمری مین تعلیم پاتے
تھے تو اُس وقت کے اُستاد مولوی محمد علی جی بیان فرماتے ہین۔ کہ گسائین
تیرتھ رام جی ہر روز بلا ناغہ کتھا سُننے دھرم سالہ مین جاتے تھے۔ چونکہ کتھا
دو بجے ہوتی تھی اور یہی سکول کا وقت ہوتا ہے اس لئے مین نے اُسے جانے
سے روکا۔ ہونہار **تیرتھ رام** نے رو کر التجا کی۔ کہ

"اُستاد جی! مجھے روٹی کھانے کی رخصت خواہ نہ دیجائے مگر کتھا سننے کی اجازت ضرور دیویں"۔ اِن کتھاؤن نے گسائین جی کے چت کو ایسا آستک بنا دیا تھا کہ بات بات مین گسائین جی ایشور کرپا اور بھگوت پر بھروسا مقدم سمجھتے تھے۔ یہ ایشور وشواش (اعتقادِ حق) روز بروز ترقی کرتا کرتا گوسائین جی کے روم روم مین اب ایسا رچ گیا کہ اگر گورو جی بھی اس وشواش کو ذرا چھوڑتے نظر آتے تو اُنہین بھی آگاہ کرنے مین ذرا دریغ نہ کرتے۔

۷ - فروری سنہ ۱۹۰۴ء کے خط مین آپ گوروجی کو لکھتے ہین کہ:- "آپ اپنے اصلی سُروپ کی طرف دھیان کرنے کی کوشش کرین۔ رشتہ دارون کی ذرا پرواہ نہ کرین رست سنگ۔ اچھے پُستک۔ ایکانت سیون کے ذریعے سے اپنے سُروپ مین نیشٹھا (ستھتی یعنی قیام) ہوتی ہے۔ اور اپنے سُروپ مین نیشٹھا ہونے سے تمام دنیا غلام بن جاتی ہے ......"

پھر دوسرے ۸ ار فروری سنہ ۱۹۰۴ء کے خط مین لکھتے ہین "دنیا کی کوئی چیز اعتبار اور بھروسا کرنے کے لائق نہین۔ نہایت کرپا پرمیشور کی اُن لوگون پر ہے جو اپنا آشرا اور یقین کیول پرماتما پر رکھتے ہین اور دل سے

سلہ دیہات کے مدرسون مین ماسٹرون کو اُستاد جی کہتے ہین ان مدرسون مین صبح سے لیکر شام تک پڑھائی ہوتی ہے اور بیچ مین ایک دفعہ بچون کو کھانا کھانے کی چھٹی دیجاتی ہے۔

سچے سادھو ہین۔ ایسے مہا پُرشون کے چرنون مین پرمیشور کی ساری سرشٹی غلامی کرتی ہے‘‘ پھر ۱۸ مارچ سنہ ۱۹۰۴ء کو لکھتے ہیں کہ ’’ست سنگ اُتم گرنتھ۔ اور بھجن بندگی۔ یہ تین چیزین تین لوگون کا راجا بنا دیتی ہین اور ہمارا کُسنگ پرمیشور کو ہم سے ناراض کرا دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے ہم پر طرح طرح کی تکلیفین عائد ہوتی ہین۔ ایکانت سیون سے اور تھوڑا سا کھانے سے پرماتما خود آن کر ہمارا سنگ اختیار کرتے ہین‘‘ اس سال کے تمام خطوط سے عیان ہوتا ہے کہ گوسائین جی مین آستک بھاؤ و ایشور وشواش اب اپنے گورُوجی سے بھی بدرجہا بڑھ گیا تھا جس سے بجائے گورُوجی کی جانب سے اُپدیش آنے کے اب اُنکی طرف ہی اُلٹے بہنے لگ پڑے تاہم گوسائین جی کی عجز و انکساری اور گورُو بھگتی قابل تعریف ہے کہ اتفاق سے اگر کسی کمی کے دُور کرنے مین اپنا دلی عقیدہ وہ گورُوجی کو لکھتے ہین تو کیسے ڈرتے ہوئے پریم بھرے الفاظ سے لکھتے ہین تاکہ گورُوجی کہین خفا نہ ہو بیٹھین۔ گورُوجی کے خط اگرچہ خفگی بھرے اور شاید طعنہ آمیز آتے ہین۔ مگر آپ جواب کیسے عاجزانہ صداقت اور بھگتی سے بھرے شبدون مین دیتے ہین۔ ۲۔ جون سنہ ۱۹۰۴ء کو کہین بہت خفگی بھرا خط گورُوجی کے پاس سے آیا ہوگا۔ مگر آپ اُس کے جواب مین لکھتے ہین کہ:۔’’مین خط برابر اپنے معمول کیموافق ارسال کرتا رہا ہوُن۔ شاید آپ کو دیر سے ملتا ہوگا یا میرا آدمی ڈاک مین ڈالنا

بھول جاتا ہوگا۔ حقیقت میں دنیا کی کوئی چیز پائدار نہیں۔ جو آدمی ان چیزوں پر بھروسا کرتا ہے (اور اپنی خوشی کا مدار پرماتما پر نہیں رکھتا) وہ ضرور نقصان اُٹھاتا ہے۔ دنیا کے دولت مند برہنہ درازدامن کی مانند ہیں یعنی یہ لوگ ہیں تو بالکل ننگے (برہنہ) اور کنگال۔ مگر اپنے آپ کو بڑا دامن دراز یعنی پوشاکوں والا خیال کرتے ہیں۔ ایسے برہنہ درازدامن سے ہمیں کیا سُکھ مل سکتا ہے آپ نے غلام پر سدا نظر عنایت رکھی اور اپنا عاجز نوکر تصور کرنا۔ کوئی فکر نہ کرنا آپ نے ہر طرح سے خوش رہنا۔ کسی طرح بھی خفا نہ ہونا۔ میں آپ کا ٹہلیا ہوں"

انہیں دنوں میں گوردجی کی اپنے رشتہ داروں کیساتھ گھر میں کشمکش دنا چاقی ہوگئی۔ اور انہوں نے انہیں اس کشمکش کا حال گوسائیں جی کو لکھدیا مگر گسائیں جی کا عارفانہ جواب اس امر پر واضح طور سے روشنی ڈالتا ہے کہ سوامی جی کا چت ایم۔ اے کی تعلیم پاتے وقت کیسا دھارمک وشانتی بھرا تھا گوسائیں جی ۵۔ جون ۱۸۹۴ء کو گوردجی کو جواب دیتے ہیں کہ:" مہاراج جی! پرمیشور بڑا ہی چنگا ہے مجھے بڑا ہی پیارا لگتا ہے آپ اُسکے ساتھ صلح رکھا کریں آپ کے ساتھ جو کبھی ذرا سختی سے پیش آتا ہے یہ اُس کے بلاس (مخول) ہیں۔ وہ آپکے ساتھ ہنسی مخول کرنا چاہتا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہنسنے والوں سے خفا نہ ہو جائیں کسی اور خط میں آپ کی خدمت میں اُس کی کئی

باتین بتاؤن گا (عرض کرونگا) حقیقت مین وہ بڑا ہی موتیون والا ہے۔

یہ خط مین میز پر رکھ کر لکھہ رہا ہون۔ یہان صبح تھوڑی سی کھانڈ گر پڑی تھی۔ اُس کھانڈ کے پاس میز پر چار پانچ کیڑیان اکھٹّی ہو رہی ہین۔ اور وہ سب میرے قلم کی طرف اور حرفون کی طرف تک رہی ہین۔ اور آپس مین بڑی باتین کر رہی ہین۔ جتنی گفتگو مَین نے اُن سے سُنی ہے وہ عرض کرتا ہون۔ (مگر پہلے مین یہ عرض کرنی چاہتا ہون کہ گو میرا خط بہت ہی خراب اور ناقص ہے مگر اُن کیڑیون کی نگاہ مین تو چین کے نقش ونگار سے کم نہین) جو کیڑی سب سے پہلے بولی وہ بڑی انجان اور معصوم تھی۔ ابھی ننھّی بچّی تھی۔

پہلی کیڑی کہتی ہے: "دیکھہ بہن! اس قلم کی کاری گری کا غذ پر یہ کیا گول گول گھیرے ڈال رہی ہے۔ اس کی ڈالی ہوئی لکیرون (یعنی حرفون) کو سب لوگ بڑی پریت سے اپنی آنکھون کے پاس رکھتے ہین (یعنی پڑھتے ہین) اور جس کاغذ پر یہ (قلم) نشانیان کر دے (یعنی لکھہ دے) اُس کاغذ کو لوگ ہاتھون مین لئے پھرتے ہین۔ کاغذ پر گویا موتی ڈال رہی ہے۔ کیا رنگ آمیزیان ہین بعضے بعضے حرف تو خاص ہماری اور ہماری ماسی کے بیٹون (یعنے کیڑون) کی تصویرون کی طرح معلوم ہوتے ہین۔ کیا ہی خوبصورت ہین۔ ۵

قلم گوید کہ من شاہِ جہانم ٭ قلم کش را بدولت میرسانم

اس قلم مین جان نہین ہے مگر ہمارے جیسے جاندارون کو بیسیون دفعہ پیدا

کر سکتی ہے"

اتنا کہہ کر پہلی کیڑی تو خموش ہوگئی - اب دُوسری بولی - یہ کیڑی پہلی سے کچھ بڑی تھی - اور اُس سے زیادہ بصارت رکھتی تھی - یعنی اُس کی آنکھین نیز تھین - دوسری کیڑی بولی میری بھولی بہن! تو دیکھتی نہین ہے کہ قلم تو بالکل مُردہ شئے ہے - وہ تو بالکل کچھ کام نہین کر سکتی - وہ اُنگلیان اسے چلاتی ہین - جتنی صفت تولنے کی ہے یہ سب اُنگلیون پر عائد ہونی چاہئے"

اب ایک اِن دونون سے بڑی اور سیانی کیڑی بولی - تم دونون ابھی انجان ہو - انگلیان تو پتلی پتلی رسیون کی طرح ہین - وہ کیا کر سکتی ہین وہ موٹی بینی ہاتھ کی ان سب سے کام لے رہی ہے -

اب ان کیڑیون کی مان بولی :- یہ سب قلم - اُنگلیان - بینی - بانہ وغیرہ اِس بڑے موٹے دھڑ کے آسرے سے کام کر رہا ہے - یہ سب تعریف اُس دھڑ کو موزون ہے -

اتنا کہہ کر جب کیڑیان ذرا چپکی ہوئین تو مین نے اُنکو یہ کہا :- کہ اے میرے دُوسرے سُروپو! یہ دھڑ بھی جڑ رُوپ ہے - اسکو بھی ایک اور چیز کا آسرا ہے یعنی جان کا - اسلئے حمد و ثنا اُس جان کے شایان ہے - جب مین نے اتنا کہا تو میرے دل مین ایکی طرف سے آواز آئی اور وہ آپکے بچن بھی مین نے اُن کیڑیون کو سُنا دیئے اُنکا خلاصہ یہین درج کرتا ہون "آدمی کی جان کے پرے بھی ایک ستو ہے - ارتھات پرماتما اُس ستو کے آسرے سب جیو اپنی جیتی بھاکسے

ہین۔ دُنیا مین جو کچھ ہوتا ہے اُس کی مرضی سے ہوتا ہے۔ پتلیان بغیر تار والے کے نہین ناچ سکتین بانسری بغیر بجانے والے کے نہین بج سکتی۔ اسی طرح دنیا کے لوگ بغیر اُسکے حکم کے کوئی کام نہین کر سکتے۔ جیسے تلوار کا کام گوء مارنا ہے۔ مگر وہ تلوار بغیر چلانے والے کے نہین چل سکتی۔ اسی طرح سے گوء بعض اشخاص کا سُبھاؤ بہت ہی خراب کیون نہ ہو۔ جب تک اُنہین پرمیشور نہ اُکسائے وہ ہمین تکلیف نہین پہنچا سکتے۔ جیسے بادشاہ کے ساتھ صلح کرنے سے تمام عملہ فعلہ ہمارا دوست بن جاتا ہے۔ اسی طرح سے پرماتما کو راضی رکھنے سے تمام خلق ہماری اپنی ہو جاتی ہے'' ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

مجھے کسی پر ذرہ غصہ نہین ہے۔ مَین بڑا خوش ہون۔ اکثر طیش مین اکر منشون کی زبان سے کئی باتین نکل جاتی ہین۔ ہمین سب معاف کردینی چاہئین۔ آپ بھی معاف کردین۔ آپ اُن سے صُلح کرلین۔ کھانا آپ اُنکا چاہین کھائین چاہے نہ کھائین۔ مگر صلح ضرور کرلین۔ سب خطائین معاف کردین۔ سادہُون کا کھشما بھُوشن ہوتا ہے۔

آپ اِن دنون ذرا چاہ دبلا خواہش ہوئے تھے۔ اس لئے آپ کے بھیاجی آپ کے پاس آئے تھے۔

یہ خط بے اختیار اتنا لمبا ہوگیا ہے۔ معاف فرمانا۔ پرمیشور آپ کو بڑی خوشی دے گا''

ایم۔ اے کے زمانہ میں خوراک

عموماً گوسائین جی ستوگن بھوجن کھایا کرتے تھے اور دودھ کو سب سے بڑھ کر ترجیح دیتے تھے۔ مگر ایم۔ اے میں آن کر آپ شاید بوجہ کثرت کام کے یا اور وجہ سے ضروری سمجھکر محض دُودھ پر گذارہ کرنے لگے اور کتنے عرصہ تک یہ ہلکا آہار (بھوجن) جاری رکھا۔ ۱۱ مارچ سنہ ۱۸۹۴ء کے خط مین آپ گوروجی کو لکھتے ہین۔ کہ "مہاراج جی! مین ان دنون صرف دُودھ پر گذارہ کرتا ہون۔ اور میرا دماغ بہت اچھی طرح کام کرتا ہے۔ بدن مین طاقت کسی سے کم نہین۔ من بھی شدھ رہتا ہے اگر آپ بھی اسی طرح صرف دُودھ وغیرہ پر گذارہ کرنے کی عادت ڈال لین تو مجھے بڑی خوشی ہو۔ خرچ کی کچھ پرواہ نہ کرین۔ دُودھ پینا فضول خرچی نہین ہے۔ دودھ زیادہ استعمال کرنے سے خرچ ہرگز ہرگز زیادہ نہین ہوتا اور اگر زیادہ ہو بھی تو کچھ پرواہ نہین ہے" ... ... حقیقت مین گوسائین جی کو اس غذا کے جاری رکھنے سے گمان سے بھی بڑھ کر طاقت حاصل ہوئی کہان تو ہر وقت بیمار رہنا اور مشکل سے ایک دو میل روزمرہ چلنا اور کہان اب اس ہلکی دودھ کی غذا سے ہر روز عین تندرست رہنا اور میلون ہی تیز رفتار سے بلا تکان پیدل چلنا۔ آگے چل کر ۲۳ر دسمبر سنہ ۱۸۹۵ء کے خط مین گوسائین جی اس غذا کا اثر لکھتے ہین کہ "مجھے آٹھ دن روٹی کھائے ہو گئے ہین۔ صرف دُودھ پیتا ہون۔ لیکن آج پورے تیس میل کا چکر بطور سیر کے

رگا آیا ہون اور ذرا معلوم تک بھی نہین ہؤا۔ ۔۔۔۔۔''

کام مین آنند

یہان یہ امر ذہن نشین کرنے کے لائق ہے کہ بی اے پاس کرلینے کے بعد گوسائین تیرتھ رام جی علوم ریاضی مین اتنی شہرت حاصل کرچکے تھے کہ بہت سے کالجون کے بی۔ اے۔ اور ایم۔ اے کے طلبا آپ سے ریاضی سیکھنے آیا کرتے تھے۔ شاید ان دنون مین آپ ایک انگریز طالب علم کو بھی بطور ڈیوٹی پڑھایا کرتے تھے۔ اپنے کالج مین صرف ایک گھنٹہ برائے نام جاتے تھے اور اپنا باقی وقت مشن کالج مین ایف۔ اے۔ اور بی۔ اے کے طلباء کو ریاضی پڑھانے مین صرف کرتے تھے۔ گویا ایک ہی وقت مین آپ گورنمنٹ کالج مین۔ ایم اے۔ کلاس کے طالب علم تھے۔ اُدھر مشن کالج ریاضی کے آنریری پروفیسر تھے۔ علاوہ اسکے دیگر پروفیسرون کے پرچے امتحانون کے برائے ملاحظہ آپکے پاس آجاتے تھے۔ اس لئے گسائین جی کے پاس کام سخت بڑھ گیا۔ اور دن رات کام مین مصروف رہتے تھے۔

۳ جولائی ۱۸۹۴ء کے خط مین آپ اپنے گوروجی کو لکھتے ہین کہ ''مین کل بڑے ہی کام مین مصروف رہا ہون۔ چنانچہ رات کے دو بجے سویا تھا۔ اور آج صبح پانچ بجے پھر کام کے لئے اُٹھ کھڑا ہؤا ہون۔ اس لئے خط کل نہین لکھ سکا۔ معاف فرمائیے گا۔ مشن کالج کے لڑکے بڑا ہی خوش ہوتے ہین۔ یہ سب آپ کی دیا ہے'' باوجود اس سخت مصروفیت کے گوسائین جی کو کام مین حد سے

بڑھ کر آنند آتا تھا - اور کام کی کامیابی کا راز بھی بخوبی معلوم تھا۔

آپ ۴ مارچ سنہ ۱۸۹۴ء کے خط مین گوروجی کو لکھتے ہین کہ "آج مین دیر کے بعد عریضہ بھیجنے لگا ہون - اِن دنون مجھے نہایت درجے کا کام رہا ہے - چنانچہ آج مَین سویا بھی پانچ گھنٹہ سے کم ہُون - پروفیسرون کا کام بھی کرنے والا ہے سارٹیفکٹ نہایت ہی عمدہ ملے ہین - آپ ہر طرح سے خوش رہا کرین کسی قسم کا فکر نہ کرین - اگر ہم کسی کام کو کرنا چاہین تو میری رائے مین ہم کو چاہیۓ کہ اپنے من کو ذرا نہ ہلائین (اُس کو اڈول - اَچل اور بے حرکت رکھین) مگر اس کام کے کرنے کے لئے اپنی اِندریون کو ذرا ساکن نہ ہونے دین اُن کو ہلاتے اور چلاتے رہین - اور نہایت مصروف رکھین - اس طرح سے ہم کو ضرور نہایت جلدی کامیابی ہوتی ہے - کرشن جی[۱] نے بھی ایسا ہی کہا ہے -

مالی دقتین	وظیفون سے اگرچہ ساٹھ روپیہ کے قریب ماہوار آجاتا تھا مگر خانہ داری اور دیگر اخراجات کا بوجھ گسائین جی پر اسقدر بڑھ گیا تھا

[۱] زمانۂ طالبعلمی مین گسائین جی کو کرشن گیتا کے پڑھنے کا بڑا شوق تھا بلکہ ایک دفعہ اپنے گوروجی کو لکھتے ہین کہ "مین نے بھی گیتا کا بھوگ پایا ہے - نہایت ہی بڑا اُتم گرنتھ ہے - اس کو سمجھ کر پڑھنے سے پرمیشور کے اوپر استاو شواش ہوجاتا ہے جتنا دنیا دار پُرشون کو اپنے شریر پر ہوتا ہے اسلیۓ یہان کرم کے راز مین گیتا کا حوالہ دیتے ہین -

کہ ایک پیسہ بھی اُن کے پاس اور خرچ کو نہ بچتا تھا۔ ہر وقت بے زر ہی رہتے تھے ایسی تنگی کے دنون مین گسائین جی ذرا اس فکر مین تھے کہ ایم اے کے امتحان کا داخلہ اب کیسے دیا جائے۔؟

یہ پہلے واضح کیا گیا ہے کہ گوسائین جی کو ایشور پر کامل وشواس تھا۔ اور جب کبھی کوئی مشکل درپیش ہوتی تو جھٹ ایشور کے دھیان مین چت لگا دیتے اور سب کچھ بھگوت کرپا پر ہی چھوڑ دیتے تھے۔ اس تنگی کے وقت بھی پست ہمت ذرا نہین ہوئے بلکہ پختہ اعتقاد سے گوروجی کو آپ لکھتے ہین کہ "جو پرماتما ابتک مدد کرتا رہا اب بھی ضرور کریگا۔ حوصلہ چھوڑنے کی کچھ ضرورت نہین" + ایسے پختہ وشواس سے ایشور بھروسہ پر اپنے آپ کو چھوڑتا تھا کہ گوسائین جی کو جھٹ اپنے خالو صاحب سے ہمدردی بھری چٹھی آئی۔ گوسائین جی خوشی مین آکر گوروجی کو ۱۲۔ نومبر ۱۸۹۴ء مین لکھتے ہین کہ "ماسٹر (خالو جی) کا خط آیا تھا۔ وہ لکھتے ہین کہ امتحان کے داخلے کے واسطے روپیہ ہمارے بغیر اور کسی سے نہ لینے + پرماتما کی صفت کوئی کس زبان سے کرے" + اس طرح آپ اپنے ماسٹر صاحب سے داخلہ کی مدد لیکر امتحان ایم۔ اے مین داخل ہوئے۔

ایم اے مین کامیابی

اس طرح بیسیون مشکلات مین سے گزرتے ہوئے آپ نے ایم۔ اے کا امتحان دیا اور اپریل ۱۸۹۵ء مین اُس کا نتیجہ نکلا + آپ نہایت کامیابی کے ساتھ پاس ہوئے + آپ اپنے

خط مین اپنے محسن۔ مہربان۔ معاون و مددگار ڈاکٹر گھنا تھ مل جی کو لکھتے ہین
کہ آج میرا نتیجہ نکلا ہے، پرماتما نے دیا کی ہے، مَین پاس ہوگیا ہُون، امتحان
از حد مشکل ہوا تھا۔ کبھی ہندوستان کی کسی یونیورسٹی مین ریاضی کے ایسے مشکل پرچے
نہین آئے۔ یہ صرف پرماتما کی دیا۔ اور آپ کی دُعاؤن کی بدولت ہے" + اگرچہ
اس امتحان مین گوسائین جی نے بی اے کی طرح کُل نمبر حاصل نہین کئے تھے مگر
دونون لے اور بی کورسون مین کامیابی پائی۔ اور اس سے پہلے ایم اے کا کوئی
طالب علم ریاضی کے دونون کورسون مین شاذو نادر ہی پاس ہُوا ہوگا + دیباچہ
پڑھنے والے اس قدرت کے برگزیدہ رکن اور آئیندہ کے قدرت مجسم رام کے
خیالات کا ابھی سے اندازہ لگا سکتے ہین کہ باوجود کامیابیون پر کامیابیون کے
آپ اپنے محسنون کو نہین بھولے۔ پرماتما کو نہین بسارا گورو بھگتی و سیوا کا
خیال گم ہونے نہین دیا۔ ہر لحظہ و ہر دم یہی سوچ و بچار جاری رہا کہ یہ پرماتما کی
مہربانی کا پھل ہے۔ یہ گوروجی کی کرپا اور دیا ہے۔ وغیرہ + اور گوروجی سے
اس قدر ابھید تا کہ ابھی نتیجہ امتحان کا نہین نکلا تھا کہ آپ ۱۸ اپریل ۱۸۹۵ء
خط مین اُنکو لکھتے ہین کہ "آپ نے جو ایم اے کا امتحان دیا ہوا ہے۔ اُس کا نتیجہ
ابھی نہین نکلا۔ جب آپ کے پاس ہو جانے کی خبر آئے گی مجھے بڑی خوشی
ہوگی + یہ سب آپ ہی کا کام ہے مجھے کوئی جلدی نہین ہے۔ جس دن
آپ کی خبر نکالنے کی مرضی ہو اُسی دن سہی"

ایم۔ اے پاس ہونے کے بعد کلاس کھولنے کا ارادہ

ایم۔ اے مین کامیابی حاصل کرنے کے بعد آپ کے چند خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ بریلی کالج مین آپ کو جگہ مل سکتی تھی۔ پشاور سکول کے ہیڈ ماسٹر کی جگہ مل سکتی تھی۔ مگر آپ کسی وجہ سے وہان نہین گئے اپنے ایک خط مین آپ لکھتے ہین کہ "گورنمنٹ کالج کے پرنسپل مسٹر بل اور دیگر کالجون کے پرنسپل مجھے بہت کچھ اُمیدین دلاتے ہین اور مسٹر بل نے تو فی الحال (جب تک اس کالج مین جگہ خالی نہ ہو) مجھے اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ ریاضی مین پرائیویٹ جماعتین کھولون اور ایف اے والون سے دس دس روپیہ اور بی۔ اے والون سے پندرہ روپیہ ماہوار فیس لیکر انہین ریاضی پڑھاؤن۔ چنانچہ مئی ۱۸۹۵ء مین مسٹر بل نے اپنے خرچ سے اسی قسم کے نوٹس وغیرہ چھپوا نے بھیجدیئے اور دیوارون پر بعدازان لگوادیئے تھے۔ اس طرح سے کچھ عرصہ مین گسائین جی جماعتین پرائیویٹ کھولکر پڑھانے لگے اور علاوہ ان جماعتون کے کالج کے ایک دو پروفیسر صاحب بھی گسائین جی سے ریاضی مین تعلیم پانے لگے اور یہ سب کام بہت محنت طلب تھا۔ گسائین جی کی صحت امتحان ایم اے کی محنت مشقت کے سبب پہلے سے خراب ہوچکی تھی۔ اب ان کلاسون کے کھولنے اور پروفیسرون کو مدد دینے سے اُن کو لگاتار کام کرنا پڑا جس سے کام کا پہلے سے بھی زیادہ بار ہو گیا اس لئے انکی صحت اور زیادہ بگڑگئی اور اُن کو لاچار اپنے گھر

مراری والہ (ضلع گجرانوالہ) مین جانا پڑا +

ملازمت چندماہ کے اندر شفا پاکر گسائین جی واپس لاہور آئے - اور کوئی ملازمت کرنے سے پیشتر پبلک کام مین قدم رکھنے لگے - ۴ جولائی ۱۸۹۵ء کے خط سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ سناتن دھرم سبھا کی تعلیمی سبھا کے ممبر بنائے گئے اور وہان کی انٹرنس جماعت کا امتحان لینا بھی انکے ذمہ ہُوا - اسکے بعد پھر سناتن دھرم سبھا کی سب کمیٹی کے سیکرٹری بنائے گئے - اس کمیٹی کے ممبر مفصلہ ذیل اصحاب تھے - (۱) پنڈت الیشری پرشاد جی (۲) پنڈت بھانودت جی (۳) پنڈت گنپتی جی (۴) پنڈت درگادت جی (۵) پنڈت شیودت جی (۶) لالہ اجودھیاداس صاحب بی اے اور گوسائین جی خود - ان پبلک خدمات کے ساتھ گسائین جی کو معلوم نہین کس وجہ سے علم نقشہ کشی (ڈرائنگ) سیکھنے کا بھی شوق ہوگیا اور آپ لالہ ہنسراج صاحب پرنسپل ویدک کالج لاہور سے اس علم کے سیکھنے کی اجازت لیکر اپنے گوروجی کو ۵ نومبر ۱۸۹۵ء کے خط مین لکھتے ہین کہ "لالہ ہنسراج جی کو مین جاکر ملا تھا وہ علم (ڈرائنگ یعنی نقشہ کشی) بغیر فیس سیکھنے کی مجھے اجازت مل گئی ہے ویدک کالج مین - آپ غلام پر دیادرشٹ رکھا کرین - اس شوق کے تھوڑے ہی دن بعد آپ سیالکوٹ امریکن مشن ہائی سکول مین ۱۸۹۵ء مین بعہدہ سیکنڈ ماسٹری مامور ہوئے -

سیالکوٹ پہنچنے کے چندہی روز بعد تمام سکولون کے لڑکون مین یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ مشن ہائی سکول مین ایسے

ٹیچر آئے ہین جو لاکھون کروڑون کی ضربین یاد سے بتا دیتے ہین - انکی ایسی شہرت سے دُور دُور کے طلبا سیالکوٹ مشن سکول مین آنے لگے - آپ کی تنخواہ صرف اسی روپے تھی - اُس وقت بھی آپ کی تنخواہ کا زیادہ آپ کے زمانۂ طالب علمی کے وظیفہ کی طرح طلبا کی امداد مین خرچ ہوتا تھا جس لڑکے کا جی چاہتا آپ کا نام لیکر حلوائی سے حسب ضرورت دودھ پی لیتا تھا جسمانی ورزش کا آپ کو بے انتہا شوق تھا - اور طلباء سے آپ کا ربط ضبط اتنا بڑھ گیا تھا کہ جو چیز وہ چاہتے آپ بلا تامل مہیا کر دیتے تھے، آپ کی سادہ مزاجی - رحمدلی - ہمدردی وبے غرضی ان دنون بھی ایسی مشہور تھین کہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہین - ذیل کے ایک واقعہ سے آپ کی سادہ دلی اور پاک زندگی پر روشنی پڑتی ہے - بیان ہے کہ جب آپ پہلے پہل سیالکوٹ ملازم ہو کر گئے تو وہان پہنچنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد آپکے پاس خرچ ختم ہو گیا تھا - مجبوری ضروریات پورا کرنے کے لئے وہان کے ہی ایک واقف سے دس روپے قرض لیئے، یُون تو قرض عام لوگ لیتے ہین اور ادا بھی کر دیتے ہین مگر اس بے غرض - سادہ مزاج اور ایشور بھگتی سے رنگے ہوئے گوسائین جی کی قرض کی ادائیگی کی بھی عجیب صورت تھی یعنی جب تک آپ سیالکوٹ مین رہے آپ اُس شخص کو ہر مہینے دس روپے ادا کرتے تھے - وہ ہر چند انکار کرتا تھا - مگر آپ اپنے محسن کے اُس دس روپے کے احسان کو بار بار یاد کرتے اور روپے دے دیتے +

سیالکوٹ آنے سے پہلے لاہور کی سناتن دھرم سبھا کو تو اپنی خدمات سے مستفیض کیا ہی تھا۔ مگر یہاں کی سناتن دھرم سبھا اور دیگر ست سنگیوں کو اپنے پریم بھرے اُپدیشوں سے بہت فائدہ پہنچایا۔ ۱۸ اکتوبر ۱۸۹۵ء کے خط میں آپ گورو جی کو لکھتے ہیں کہ "آپ کی دیا سے یہاں آنے والے سب لڑکے خدا بن گئے ہیں۔ مگر بھجن بھی کیا کریں گے"۔ اور ۱۲ اکتوبر ۱۸۹۵ء کے خط میں لکھتے ہیں کہ کل انہوں نے (سناتن دھرم سبھا والوں نے) میرے لیکچر کا اشتہار نہیں دیا تھا۔ مگر آپ کی کرپا سے میرے بولتے بولتے سناتن دھرم مندر کا میدان آدمیوں سے بالکل بھر گیا تھا۔ ڈپٹی صاحب اور بڑے بڑے عہدہ دار بھی تھے۔ ڈیش پر بھی بولا تھا۔ مگر لوگوں کی آنکھیں آنسوؤں سے تر نظر آتی تھیں۔ اور تالیاں بھی بہت بجی تھیں۔..........

ایک اور خط میں اپنے خالو صاحب کو لکھتے ہیں:۔ کہ "یہاں کی سناتن دھرم سبھا کو بھی میرے سبب سے بڑی رونق ہو گئی ہے۔ جب میں اپنے فرائض دل و جان سے اچھی طرح بھگتا چکتا ہوں تو ایک سرور سا آجاتا ہے جس کے آگے شاہی خزانے کی بھی کچھ حقیقت نہیں ہے۔ یہاں کے تمام لوگ ہندوستانی اور انگریز میرے مہربان بن گئے ہیں"۔ اصل بات تو یوں ہے کہ آپ چونکہ خود پریم کے پتلے اور مہربانی مجسّم تھے۔ اسلئے جو کوئی بھی اُنکے پاس آتا وہ ویسا ہی اُن کے ساتھ ہو جاتا تھا۔ ایسے مہا پرش کے آگے دُنیوی خزائن

وہ وفائیں بھلا کیا حقیقت رکھتے ہیں ؎

بورڈنگ ہاؤس کا مہتمم ہونا

سیالکوٹ مشن ہائی سکول کا بورڈنگ ہاؤس بھی تھا۔ وہاں کے سپرنٹنڈنٹ ایک مسلمان اُستاد تھے ۵ مارچ ۱۸۹۶ء کے خط میں گوسائیں جی اپنے گورو جی کو لکھتے ہیں کہ "پچھلے دنوں یہاں کے مسلمان سپرنٹنڈنٹ صاحب نے ایک ناجائز حرکت کی۔ (یعنی ہندوؤں کی قسم کا گوشت بورڈنگ ہاؤس میں منگوایا) اس بات کی خبر ہو گئی۔ سو اُس کو نکال دیا گیا ہے۔ اب بورڈنگ کا مہتمم میرے سوائے اور کوئی ہندو اُستاد نہیں بن سکتا۔ اس لئے مجھکو انتظام سنبھالنا پڑا ہے۔ آج وہاں (بورڈنگ میں) چلے جانا ہوگا۔ جو جگہ میں نے وہاں لی ہے وہ اس جگہ سے بہت اچھی ہے۔ اور آپ کو وہاں بہت سُکھ ہوگا۔ ایکانت بھی ہے" ؎

مشن کالج لاہور کی پروفیسری

صرف ایک دو ماہ تک ہی سیالکوٹ میں مہتمم بورڈنگ ہاؤس کا فرض نبھایا تھا۔ کہ اپریل ۱۸۹۶ء میں گسائیں جی مشن کالج لاہور میں ریاضی کے پروفیسر مقرر ہو گئے اور یکم مئی ۱۸۹۶ء میں آپ نے پروفیسری کی کرسی کو زینت بخشی ؎ آپ کے ایک خط سے واضح ہوتا ہے کہ ان دنوں آپ ایس۔سی ڈی۔ (ڈاکٹر آف سائنس) کی ڈگری حاصل کرنا چاہتے تھے جو اُس وقت تک

ہندوستانی نے حاصل نہیں کی تھی۔ مگر جیسا کہ آپ نے سول سروس کو پریم کے جذبے میں آکر خیر باد کہا۔ ایسا ہی علم ریاضی کے پڑھانے کے شوق میں آپ نے اس شوق کو بھی ترک کیا ✣

سچّا دلی ترک (ویراگ)

اس پروفیسری کے زمانہ میں بھی جیسا تیاگ گوسائیں جی کے دل میں جوش مارتا تھا کسی میں شاذو نادر ہی نظر آیا ہوگا ✣ جس قدر تنخواہ یا دیگر رقم یونیورسٹی سے موصول ہوتی اُسے فی الفور مستحق پُرشوں میں تقسیم کر دیا جاتا۔ اور اپنے پاس اپنی خاطر محض ایک یا دو روپے ہی بچے رہتے۔ گوسائیں جی اپنے ۵ جون ۱۸۹۶ء کے خط میں گورو جی کو لکھتے ہیں کہ.........."میں تو بالکل ہی آپ کا ہوں۔ کسی چیز کو اپنا نہیں سمجھا ہُوا۔ دولتِ دُنیا کو جمع کرنا خوشی کا کارن نہیں سمجھا ہُوا ہے نہ گہنا بنانے کا۔ نہ سامان مہیا کرنے کا خیال ہے ✣ آپ کی کرپا سے درخت کا سایہ اگر گھر کی جگہ۔ بھبُوت کپڑوں کی جگہ۔ زمین بچھونوں کی جگہ اور رُوکھا پھیکا ٹکڑا کھانے کو اگر ملے تو بھی بڑا آنند مانا ہُوا ہے۔ کس دولت کی خاطر میں آپ کو خفا کروں؟ ✣ چاہے اگر فقیروں کی طرح رہنے کا مجھے اب حکم دو۔ تو میں اب حاضر ہُوں سب کچھ چھوڑ کر ساھڈوؤں کی طرح رہنے کو ✣ کالج میں کام بھی کرتا رہوں گا۔ جو کچھ وہاں سے ملے جس طرح آپ کا چِت چاہے برت لیا کرنا۔ ہمارے گھر بھی جو مناسب سمجھیں دے دیا کرنا۔ عاجز غلام تو صرف کام کرنے اور

پرماتما کو دل میں قائم رکھنے میں وُہ سکھ پاتا ہے جو کسی بیرونی سکھ یا جاہ و جلال کی ذرا احتیاج نہیں رکھتا۔ مجھے تو جو پرمیشور کی خاطر کام کرنے میں سکھ ہوتا ہے۔ وہی کافی تنخواہ ہے۔ میری تنخواہ جائے اور آپ جانیں ٭ میرا آتما تو ان چیزوں سے نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے۔ سدا آنند رُوپ ہے یہ سب آپکی کرپا کا پھل ہے" ٭ ...."

کرشن بھگتی

اِس قلبی تیاگ کے زمانہ میں گوسائیں جی کا ازحد عشق (پریم) بھگوان کرشن چندر سے ہو گیا۔ کرشن گیتا کا مطالعہ تو روز بروز ترقی پر تھا ہی۔ اور کئی بھوگ بھی گیتا کے پالئے تھے۔ (یعنی کئی دفعہ مکمل پڑھ ڈالا) مگر اب کرشن بھگوان کے عشق کی یہ نوبت پہنچی کہ دن رات اپنے پیارے کی یاد کے سوائے اور کچھ نہ سوجھتا تھا۔ ہر وقت اُس کے دیدار کی تمنا دل کو پاگل بنائے رکھتی تھی۔ جہاں بھی کہیں کرشن کا نام سُنا جھٹ وہیں غشی طاری ہوئی۔ اگر کہیں بانسری کی سی آواز سُنائی دے جاتی تو وہیں دل بے شدھ ہو جاتا ٭ چنانچہ لاہور میں آپ صبح کئی گھنٹے دریائے راوی کے کنارے پر اپنے دل رُبا کی یاد میں محو رہتے تھے۔ اپنے دوستوں و دیگر رفیقوں سے فضول بات چیت اور تمسخر نہیں کیا کرتے تھے۔ اِس بھگتی کی کیفیت کا مفصل حال گوسائیں جی کے اُس وقت کے کسی دوست یا واقف کار نے رسالہ گل بھا سکر میں یوں تحریر فرمایا ہے کہ:۔ "ایک روز شام کو راوی دریا

سے پرے جنگل میں گوسائیں جی ٹہلتے تھے۔ آسمان پر گھنگور گھٹا چھا رہی تھی۔ کالے کالے بادلوں کو دیکھکر کچھ دیر تو آپ حالتِ محویت میں رہے اور پھر زار و قطار رو رو کر کہنے لگے۔ اَے کرشن! اَے گھنشام! یہ شیام رنگ کے بادل آپ کا رنگ ہیں۔ یہ مجھے بیاکل کر رہے ہیں + پیارے! اتنا کیوں ترساتے ہو۔ بتاؤ تو سہی۔ کون سے کُنج میں تم چھپے ہوئے ہو؟ ارے بادل! تُو اونچائی سے بہت کچھ دیکھ سکتا ہے۔ پھر بتاؤ۔ میرا کرشن کہاں ہے۔ اچھا میں سمجھ گیا۔ تُو نے بھی اُس کی جدائی کے غم میں اپنا کالا (کرشن) رنگ بنا رکھا ہے۔ کیا مجھ کو اُس پیارے کرشن کا دیدار حاصل نہ ہوگا؟ ہا! یہ دُنیا بغیر اُس کرشن کے درشن کے کاٹ کھائیگی۔ یہ جدائی کے دُکھڑے کس کے آگے رُوؤں؟ اَے کرشن! تمہاری خاطر دوست واقارب سے مُنہ موڑا۔ دُنیاوی شرم و حیا چھوڑی۔ لیکن نازو نخرے کا ٹھکانا نہ ہی نہیں۔ میرا آپ کے سواء کون ہے + بادلوں کو غائب ہوتے دیکھکر کہنے لگے۔ "او بھائی بادل! جاتے ہو تو جاؤ۔ مگر میرا پیغام کرشن کے پاس لیتے جاؤ۔ تم دیکھتے ہو کہ میری آنکھوں سے آنسو برس رہے ہیں۔ اُس بے وفا کو میری طرف سے کہنا ؎

مزا برسات کا چاہو مری آنکھوں میں آبیٹھو
سیاہی ہے سفیدی ہے۔ شفق ہے۔ ابرِ باراں ہے

جانِ من! کب تک ترسا کریں۔ اب صبر نہیں آتا + یا تم ملک الموت

کو بھیجکر خاتمہ کر دو۔ یا شربتِ دیدار سے اس تشنہ لب کی پیاس بجھاؤ۔ یہ کس قسم کا دستور ہے کہ محبت کی آگ سے میرا جگر کباب بنا دو۔ اور آپ دور ہی دور سے تماشہ دیکھو۔ سورج کو بغیر مانگے آپ نے جلال بخشا۔ چاند کو شانتی اور خوبصورتی عطا فرمائی۔ پھولوں کو بغیر ہاتھ پھیلائے گونا گوں کے رنگوں سے مالامال کر دیا۔ کیا مجھکو گیان بخشنے سے آپ کا خزانہ خالی ہو جائیگا اَے کرشن! اگر درشن نہیں دوگے تو یہ طائرِ روح قفسِ تن سے پرواز کر جائے گی۔ اور آپکی یاد میں آنکھیں کھلی رہ جائیں گی۔ ع

بلبم رسید جانم تو بیا کہ زندہ مانم

پیارے بادل! بس یہی الفاظ دوہرا دینا" یہ کہکر اَے کرشن! اَے کرشن!! بولتے ہوئے بیہوش ہو کر گر پڑے۔

آپ رات کے دو بجے تک اس پریم میں مگن رہتے تھے۔ آپ کے اس دلی عشق کی کیفیت سے بہت تھوڑے لوگ واقف تھے۔ مگر تھوڑے ہی دنوں بعد آپ کی انتہائی بھکتی کی حالت عام طور پر مشہور ہو گئی۔ لالہ اجودھیا پرشاد وکیل ہوشیارپور کا بیان ہے کہ گوسائیں تیرتھ رام ایک دفعہ لاہور میں بھائی نند گوپال کے مندر میں رامائن کی کتھا سن رہے تھے۔ چند منٹ کے بعد دورانِ کتھا میں بچوں کی طرح ہونٹ بسار کر رونے لگے۔ یہانتک کہ ڈھاڑیں مارنے لگے۔ بہت منع کیا۔ پنڈت جی (کتھا کہنے والے) نے دلاسا

دیا۔ مگر بے سُود۔ آخر مجبوراً کتھا بند کرنی پڑی + رفتہ رفتہ بے صبری بڑھتی گئی گویا۔ ع مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دوا کی +

کتھاؤں کے سُننے کے بعد رو رو کر آپ یہی کہتے سُنائی دیتے تھے۔ اَے کرشن! مجھ پر رحم کیجئے۔ درشن دیجئے۔ کیا مَیں کشکندھا کے بندروں سے بھی گیا گزرا ہُوں۔ کیا مَیں بھیلنی سے بھی گیا گزرا ہُوں؟ اگر آپ نہ ملے تو چُولہے میں جائے یہ علم۔ خاک میں جائے یہ عزّت۔ اور بھاڑ میں جائے یہ جسم +

ایک دفعہ کالج میں گرمی کی چھُٹّیوں کے بعد آپ نے یہ ارادہ کیا کہ بہت پڑھایا۔ شب و روز محنت کی۔ اب یہ چھُٹیّاں تو ایشور کے بھجن میں ہی گزاریں گے۔ صبح اُٹھکر راوی پہنچے۔ اپنے پیارے کے دھیان میں مُستغرق ہوئے۔ اتنے میں کوئل کی آواز سُن کر چونک پڑے۔ کہنے لگے۔ اری کوئل! تیری آواز میں یہ دِل آویزی کہاں سے آئی؟ کیا تُو نے اُس بانسری والے کو دیکھ لیا ہے؟ معلوم ہوتا ہے۔ اُس سے تُو آواز اُدھار لائی ہے۔ تُو نے اُس کرشن پیارے کو دیکھ لیا ہے۔ سچ بتا۔ وہ ہم سے کس ترکیب سے اور کب ملے گا؟ اری آنکھوں! اگر شیام کو نہیں دیکھ سکتی ہو تو ابھی پھُوٹ جاؤ۔ ارے ہاتھو! اگر پیارے کرشن کے چرن نہیں چھُو سکتے ہو تو مَیں تُم کو رکھ کر کیا کرُوں گا۔ گل جاؤ۔ سڑ جاؤ ...."۔ اسی مہینے میں کسی دوسرے

بن گھبرا کر بولنے لگے۔ "اُے بھگون! ایک دن اور گزر گیا۔ آپ کا دیدار نصیب نہیں ہُوا۔ کیا اسی طرح میری زندگی ضائع ہو جائے گی؟ اس جنم میں تو مَیں نے کوئی گناہ بھی نہیں کیا۔ پھر آپ کی جدائی کے صدمہ کیوں برداشت کرتا ہُوں؟

اچھّا میَں پاپی گنہگار ہی سہی۔ اب تو مَیں آپ کی شرن آیا ہُوں۔ بخش دیجیئے جھلک دکھلایئے + اُے ناتھ! اگر جان دینے سے بھی آپ ملتے ہیں تو لے لیجئے۔ یہ پران بھی آج آپ کی بھینٹ کیئے دیتا ہُوں۔ مجھے آپ کے درشن کی چاہ ہے۔ ...." + یہ کہتے کہتے زار زار رونے لگے۔ آنسوؤں سے کپڑے تر ہو گئے۔ رونا بند ہی نہیں ہوتا تھا۔ بیہوش ہو گئے جب آنکھیں کھُلیں۔ تو ایک کالا سانپ پھُنکارے مارتا ہُوا آپ کے سامنے آ کھڑا دکھائی دیا۔ آپ اُس کو دیکھتے ہی اُٹھ بیٹھے۔ اور کرشن کرشن کہتے ہُوئے لپکے۔ کہ "مہاراج! آپ نے اِس رُوپ میں درشن دیا" یہ کہتے ہُوئے پھر گر پڑے اور بیہوش ہو گئے + ہوش میں آئے تو سانپ چلا گیا تھا بولنے لگے "ناتھ! ملے تو سہی مگر دِل کی دِل میں ہی رہی + مَیں تو آپ کے شیام سُندر مُورتی کے درشن کرنا چاہتا ہُوں۔ مَیں تو تُم کو اُسی خوبصورت جسم میں دیکھُوں گا جس پر گوپیاں قُربان ہوتی تھیں۔ اُے من موہن ......" یہ کہتے پھر بیہوش ہو گئے + اُس وقت آپ کے ایک دوست نے دروازے

کے اندر قدم رکھا جو آپ کی یہ تمام حالت دیکھ رہا تھا۔ وہ کہنے لگا کہ "گوسائیں جی! مبارک ہے وہ ماں جس نے آپ جیسے پتر کو پیدا کیا"۔ اتنے میں آپ ہوش میں آئے۔ اور نہایت بلند آواز سے کہنے لگے۔ "ارے! وہ ہمارا دل رُبا کہاں گیا؟ ابھی تو میرے سامنے کھڑا تھا۔ ہائے! اب زندگی بیکار رہے"۔ دوست بولا: "گوسائیں جی! جس کی آپ کو تلاش ہے وہ آپ کے دل میں موجود ہے"۔ یہ سنکر آپ نے اپنے کپڑے پھاڑے اور سینہ نوچنا شروع کر دیا۔ خون نکل آیا۔ کہنے لگے۔ "ارے من موہن! اگر تم دل ہی میں ہو۔ تو بچکر کہاں جاؤ گے۔ ابھی کھوج ڈالتا ہوں"۔ دوست گھبرایا۔ گوسائیں جی کے دونوں ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا۔ "مہاراج! صبر کیجئے۔ بھگوان آپ کو ملیں گے"۔ گوسائیں جی: "کیوں ناتھ! کیا باہر آ گئے؟ اگر کچھ دیر اور نہ آتے تو دیکھتے کہ مَیں آپ کو کہاں سے نکالتا"۔ یہ کہکر پھر بیہوش ہو گئے۔ شام کو اُٹھے۔ اُس وقت طبیعت بالکل شانت تھی۔ اور چھٹیاں بھی بالکل ختم ہو چکی تھیں۔

گویا اس دفعہ چھٹیاں پریم کے ولولوں اور عشق کی اُمنگوں وجوشوں میں گذریں۔ جب اگست ۱۸۹۶ء میں کالج کی چھٹیاں آئیں تو اسی طرح کرشن بھگتی سے گھایل رام کو متھرا برندابن جانے کی سوجھی۔ پنڈت دیندیال جی آپ کے دوست و واقف کار تھے اور وہ متھرا برندابن اکثر جایا کرتے تھے۔ اِسلئے اُن کے ہمراہ برج بھومی کی یاترا کو آپ چلے۔ اور پنڈت جی کا کُل خرچ اپنی

حبیب سے ادا کیا۔ متھرا میں پہنچکر آپ گورو جی کو اپنے ۹ر اگست ۱۸۹۶ء کے خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ "۔آج ہم برج کی یاترا کو چلے ہیں۔ تین چار دن لگیں گے گوبردھن۔ برسانا۔ نندگام۔ گوکل۔ بلداؤ۔ یہ سب مقامات دیکھیں گے۔ امید ہے کہ ستمبر میں حاضر خدمت ہو جاؤں گا۔ آپ نے خط پہلے ہی پتہ پر لکھنا۔ تین مہاتماؤں کے درشن ہوئے + پتہ :۔ شری پرندابن دھام۔ کیسٹی گھاٹ۔ نارائن سوامی جی مہاراج کی معرفت تیرتھ رام کو ملے" + اپنے اور خطوں میں اس برج بھومی کی آپ بہت تعریف لکھتے ہیں۔ اور یاترا کرتے وقت قدم قدم پر اپنے پیارے کو یاد فرماتے جاتے ہیں۔ اور جگہ جگہ پیارے کرشن کی رہائش وغیرہ کے مقامات دیکھکر دل بلیوں اچھلتا تھا۔ اُس کے نام سُننے سے گھڑی گھڑی سمادھی طاری ہو جاتی تھی + اپنے پیارے کے پریم میں مگن ہوئے آپ نے ایک لیکچر بھی انگریزی میں متھرا میں دیا۔ شہر کے کُل رُوساء و امیر سُننے آئے تھے۔ ہر ایک نے مضمون سنکر عش عش کی +

کرشن مہاراج کے درشن

اس لا انتہا بھکتی کا یہ ثمرہ ملا۔ کہ گسائیں جی کی بار بار سمادھی محض کرشن کے نام سے لگ جاتی تھی + زمانۂ خانہ داری میں گوسائیں جی نے اپنی زبانِ مبارک سے راقم سے یوں فرمایا کہ "آج ہمارے گوپیار (کرشن مہاراج) نے اشنان کرتے سمے (وقتِ غسل) خوب درشن دیئے۔ اور باہم مٹ بھیر خوب ہوئی یعنی

گلے لگ کر خوب گھٹ کر ملے۔ مگر ملنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ماتھے پر ہاتھ مار کر گم ہو گئے۔ اور مجھے ویسے ہی اپنے عشق میں بلبلاتا اور روتا چھوڑ گئے۔ اس طرح کی سمادھی اور دیدار کی حالت گوسائیں جی پر گھڑی گھڑی طاری ہو جاتی تھی۔ اور سورداس و میراں بھائی کی طرح بھگوان کرشن کے عشق میں بہت دیر تک پاگل سے بنے رہے۔

نارائن کے دل پر اثر

اس کرشن بھگتی کے زمانہ میں گوسائیں جی کے لیکچر دربارہ عشق الٰہی سناتن دھرم سبھا لاہور میں ہوا کرتے تھے۔ لیکچر کیا ہوتے تھے گویا پریم آنسوؤں کا طوفان اُمڈ آتا تھا۔ اُپدیش کرتے وقت آپ کے آنسوؤں سے کپڑے بھیگ جاتے۔ بعض اوقات گھگھی بندھ جاتی تھی۔ سُننے والے بھی عشق سے گھایل ہو کر دم بخود رہ جاتے تھے۔ اور مدت تک سکتے کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ ایک دفعہ دوران تقریر میں "ہائے میرے کرشن کو لوگ کالا کہتے ہیں۔ اَے کرشن! تُو بھی کالا میرا دل بھی کالا۔ پھر تُو مجھے کیوں نہیں ملتا" کہتے ہوئے رو پڑے۔ اور اتنا روئے کہ لیکچر بند کرنا پڑا۔ انہی دنوں میں آپ کے کئی لیکچر پریم اور بھگتی کے مضامین پر اجمیر، شملہ، امرتسر، سیالکوٹ اور پشاور میں ہوئے۔ پشاور میں آپ اپنے ایک لیکچر (تقریر) میں اتنے روئے کہ آپ کی آواز تک نہیں نکل سکتی تھی۔ اس بارے میں نارائن (راقم) کا ذاتی تجربہ ہے کہ امرتسر میں سناتن دھرم

سبھا کے سالانہ جلسہ پر جو اثر آپ کے ویاکھیانوں سے لوگوں کے دل پر ہُوا وُہ کسی دُوسرے اُپدیشک کے لیکچر سے ہرگز نہ ہُوا تھا + خاصکر کرشن گیتا اور کرشن لیلا کے ویاکھانوں نے جو اثر راقم کے دل پر کیا وُہ بیان سے باہر ہے + اُن دِنوں راقم اگرچہ آریہ سماج کے خیال والا ہونے سے کرشن مہاراج کو محض ایک مہاتما پُرش مانتا تھا - اوروں کی طرح ایشور کا اوتار نہیں قبول کرتا تھا - اور کرشن لیلا کو ایک فحش طریقۂ زندگی محسوس کیا کرتا تھا لہذا اس راس لیلا سے مُطلقاً نفرت تھی اور نہ بھگوت گیتا ہی کی طرف کچھ رغبت تھی - تاہم گوسائیں جی کے اُن بھگتی بھرے ویاکھانوں سے کچھ ایسا جادُو بھرا اثر دِل پر پڑا کہ نارائن جیسا مُشرک و ناستک چت والا پُرش بھی گوسائیں جی کی عِشقیہ لہر سے متاثر ہُوا بھگوت گیتا و کرشن لیلا کے مخفی معنوں کے سمجھنے کی طرف جُھک گیا - اور لگاتار اِس گیتا کو مُفصّل و مُسلسل پڑھنے پر آمادہ ہو گیا اور یہ سب اُس ہی اثر کی بدولت ہے کہ نارائن اُس وقت سے مذہبی تحقیقات کے درپے ہو گیا - اور عِشقِ الہٰی دِل میں جاگزیں ہُوا جس نے آخر میں جا کر اِنہی گوسائیں جی کی شرن میں لا ڈالا +

جگت گورو شنکر آچاریہ کے درشن

اِنہی دِنوں میں دوارکا مٹھ کے اودھی پتی شری ۱۰۸ جگت گورُو شری شنکر آچاریہ جی مہاراج لاہور میں پدھارے + آپ اُپنشدوں و ویدانت شاستر فلسفہ

میں کافی دسترس رکھتے تھے - اور دیگر شاستروں و زبانِ سنسکرت کے بھی ایسے عالم تھے کہ اپنی مثال نہ رکھتے تھے + صبح و شام آپ کے سنگھاسن کے ارد گرد مشعلیں رگیان کے دیپک جو کُل علم کی فتح کا نشان تصور کیا جاتا ہے) جلا کرتی تھیں - سنسکرت زُبان میں نہایت ہی عالمانہ و مؤثر لیکچر دیا کرتے تھے - بھارت ورش کے تقریباً تمام اطراف میں آپ کی شُہرت کا جھنڈا بلند تھا - جب اِن کا دورہ ہندوستان میں ہو رہا تھا اُس وقت گوسائیں جی جو عشقِ الہی کے پُتلے یعنی پریم مورتی مشہور تھے سناتن دھرم سبھا لاہور کے بہت سے پبلک کاموں میں حصّہ لیا کرتے تھے + جب جگت گورو جی کی آمد کی خبر لاہور پہنچی کہ وہ ایک دو دن میں آنے والے ہیں تو گوسائیں جی کے اندر اشتیاقِ دیدار کی آگ بھڑک اُٹھی - اور جب تک اُن کے درشن نہ کر لئے دِل کا اضطراب نہ گیا + چونکہ سناتن دھرم سبھا کا بہت سا کام گوسائیں جی کے ذِمّہ ہی رہتا تھا لہذا جگت گورو جی کی خدمت بجالانے کا بہت سا فرض گوسائیں جی کے حصّہ میں آگیا جس کی وجہ سے اِن کو جگت گورو شنکر آچاریہ جی کی خاطر خواہ صحبت (سنگت) کا موقعہ مِل گیا + جگت گورو جی کی گاہے گاہے اُپنشدوں کی کتھا گاہے گاہے ویدانت پر اُپدیش اور اُن کی سنگت نے گوسائیں جی کے پاک دِل پر ایسا جادو بھرا اثر کیا کہ پریم کی زردی کی جگہ وہاں اب گیان کی لالی شعلے مارنے لگی + جس قدر اشتیاق پیارے کرشن کے دیدار کا دِل میں جوش

مارتا تھا - اب وُہی جوش انکشافِ ذات (آتم ساکھشات کار) کے اشتیاق میں اُمڈنے لگا - اب گوسائیں جی کا رُجحانِ طبع اُپنشدوں - برہم سوتروں اور ویدانت کے پرکرن گرنتھوں کے مطالع کی طرف اُلٹ پڑا - اب بجائے برنداون یا متھرا کی یاترا کا خیال کرنے کے ہر سال گرمی کی رُخصتوں پر اُتراکھنڈ (یعنی ہردوار - رشی کیش) جانے اور خلوت نشینی کا اشتیاق بھڑکنے لگا - دِن بھر میں جب بھی ذرا موقعہ ملتا جھٹ ویدانت وچار اور آتم دھیان میں مشغول ہو جاتے تھے ۔ اپنے ۲۲ فروری ۱۸۹۶ء کے خط میں گورو جی کو لکھتے ہیں کہ :"جب فرصت ملتی ہے - ویدانت کے گرنتھ انگریزی میں دیکھتا ہوں - اور چھٹی کے دن چِت اکاگر کرنے کا بھی زیادہ وقت ملتا ہے - آنند صرف اپنے سروپ میں ستھت ہونے میں ہے - اور اختیار بھی کُل جگت پر اپنا ہی ہے - خواہ مخواہ ہم اپنے تئیں اوروں کے (افسر وغیرہ کے) اختیار میں خیال کر لیتے ہیں - ...." ۔ گوسائیں جی کے آئندہ کے کئی خطوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بھگت دھنا رام جی بھی (گوسائیں جی کے زمانۂ خانہ داری کے گورو) شاید کرشن بھگتی کے چنداں شائق نہیں تھے صرف ویدانت کی تعلیم کے ہی مدّاح تھے اس لئے ویدانت کو عمل میں لانے کے لئے یعنی عالم باعمل بننے کی پے در پے تاکیدیں گوسائیں جی کو لکھا کرتے تھے - اسی بارہ میں وہ شاید بہت سخت تاکید گوسائیں جی کو اس دفعہ کر بیٹھے ہوں گے جس پر

جواب میں گوسائیں جی ۱۸ اپریل ۱۸۹۷ء کو بھگت جی کو یوں لکھتے ہیں کہ "۔
مَیں آپ کی کرپا سے اپنا وقت ویرتھ (بے سُود) کاموں میں خرچ نہیں کرتا
اور زیادہ تر ویدانت چرچا ہی ہوتی ہے۔ آئندہ آپ کے حکم کے مطابق دیگر
قسم کی گفتگو بالکل تیاگ دینے کی کوشش کروں گا.............."

ہر چرن کی پوڑیوں میں نواس

گوسائیں جی نے واٹرورکس کے متصل مکان لیا ہُوا تھا۔ بہت عرصہ سے وہاں ہی رہتے تھے۔ مگر جب ویدانت کے مطالع و عمل کا اشتیاق بڑھا اور ایکانت ابھیاس کی طرف زیادہ رغبت ہُوئی تو اپنے مکان کو ایکانت نہ سمجھ کر ایک نہایت عمدہ مکان ہر چرن کی پوڑیوں میں کرایہ پر لے لیا۔ آپ یکم اگست ۱۸۹۷ء میں اس عُمدہ اور صاف مکان میں داخل ہوتے ہی بھگت جی کو لکھتے ہیں کہ: "ہم اس نئے مکان میں آ گئے ہیں۔ یہ ہر چرن کی پوڑیوں میں ہے۔ ہر چرنوں میں (تیرتھ) شری گنگا جی کا نواس ہے۔ اور تیرتھ (رام) کو بھی ہر چرنوں میں ہی رہنا واجب ہے۔ یہاں جب کا آیا ہُوں ہری چرنوں میں ہی دھیان ہے۔ اور اپنے شری کے شری گنگا جل میں آپ کی دَیا سے سنان کر رہا ہُوں"۔ اس مکان میں آکر گوسائیں جی ایکانت سیون و آتم وچار میں حتےّ الوسع اپنا سارا وقت دینے لگے۔ اور جوں جوں ایکانت ابھیاس سے لُطف ملنا شروع ہُوا اس کا اظہار کئے بنا قلم نہیں رُکی۔ ۵ اگست ۱۸۹۷ء کے خط میں آپ بھگت جی کو لکھتے

ہیں۔ کہ "...... آج کل تو ویدانت بچار اور بھجن۔ ایکانت سیون ہی کو کُل وقت دیتا ہُوں۔ اس میں وہ آنند ہے کہ چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا...." آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "اگر وِیوہار کال (کام کرتے وقت) میں چلتے پھرتے اور سب کام کرتے ہماری بِرتی برہماکار رہے اور دِل عرشِ اعلےٰ سے کبھی نیچے نہ اترے تو دھنّ ہے ہمارا جیون۔ ورنہ مُشتّا وِیہ نِشپھل کھودیا"۔ اس طرح روزمرّہ کے ابھیاس سے جب ویدانت کا عملی ثمرہ ملنے لگا۔ تو قلم ویدانت کی صداقت کا اظہار کئے بنا نہ رہی۔ آپ لکھتے ہیں :۔ حقیقت میں ذرا عمل کرنے سے شاستروں کے بالکل افوسار نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔ دُنیا میں اگر کوئی چیز سچ ہے تو ویدانت شاستر ہے ۔ ...." اسی مکان میں آکر گوسائیں جی کی مستی دِن دُگنی اور رات چوگنی ترقّی پکڑنے لگی۔ اسی جگہ میں آپ کے پاس ویدانت کے شائقین کے گروہ کے گروہ آنے لگے اور اسی مکان میں سوامی وویکانند جی کو معہ اپنے ہمراہیوں کے دعوت دیئے جانے کا اتفاق ہُوا۔ اور اُسی وقت سے ویدانت کا عملی جھنڈا (رسالۂ الف) یہاں سے ہی لہرانا شروع ہُوا۔ اور اسی مکان میں جب ایکانت ابھیاس سے مستی جوبن پر آئی تو رام کو معہ اپنے بیوی بچّوں کے کے باہر بنوں میں لے گئی۔ یعنی اسی مکان سے رام جنگلوں میں بان پرست کی زندگی بسر کرنے کے لئے پدھارے۔ گویا اپنی اُس قلم کو جو اس مکان میں داخل ہوتے ہی لکھی تھی اپنے عمل سے لفظ بلفظ دُرست کر دکھایا۔ اور رام کا

تو اُس ہمیشہ کے لئے ہری کے چرنوں میں (یعنی اپنے سُروپ کے قدمِ اقدس میں ہی) ہو گیا۔

رام سمرن اِس مکان میں رہتے رہتے جب روزمرّہ کے ابھیاس سے مستی بڑھنے لگی اور دُنیا سے دِن بدن مُنہ مڑنے لگا۔ یعنی ویراگ ازحد اُمنڈنے لگا۔ تو اپنا تن من ہمیشہ کے لیئے آبِ حیات یارِ حقیقی کے دھیان میں ارپن کر دیا۔ اور بالکل لاتعلق ہو کر اپنے جسمانی والدین کو ۲۵ اکتوبر ۱۸۹۷ء کو یُوں خط لکھدیا:۔ "میرے پیارے والدِ بزرگوار من دام ظلکم۔ چرن بندنا۔ نوازشنامہ سامی شرف صدور لایا، ازحد آنند ہُؤا۔ آپ کے لڑکے تیرتھ رام کا شریر تو اب بِک گیا۔ بِک گیا رام کے آگے۔ اُس کا اپنا نہیں رہا۔ آج دیوالی کو اپنا جسم ہار دیا۔ اور مہاراج کو جیت لیا۔ آپ کو مُبارک ہو۔ اب جس چیز کی ضرورت ہو میرے مالک سے مانگو۔ فوراً خود دیدینگے۔ یا مجھ سے بھجوا دیں گے مگر ایک دفعہ نشچے کے ساتھ آپ اُن سے مانگو تو سہی۔

اُنیس ۱۹ بیس ۲۰ دن کے میرے کُل کام بڑی ہوشیاری سے اب وہ خود کرنے لگ پڑے ہیں۔ آپ کے کیوں نہ کریں گے۔ گھبرانا ٹھیک نہیں ہے جیسی اُس کی آگیا ہو گی۔ عمل ہوتا جائے گا۔ مہاراج ہی ہم گوسائیوں کا دھن ہیں۔ اپنے نج کے سچّے اور قیمتی دھن کو تیاگ کر سنسار کی جھوٹی کوڑیوں کے پیچھے پڑنا ہم کو مُناسب نہیں۔ اور اُن کوڑیوں کے نہ ملنے پر افسوس کرنا تو بہت ہی بُرا ہے۔ اپنے اصلی مال و دولت کا مزا ایک دفعہ لے تو دیکھو"

سنیاس آشرم کی اُمنگیں

اِس آتم سمرپن کے بعد رام کے قلب کی کچھ عجب حالت ہوگئی اب دن رات اپنے سُروپ میں نشست رکھنے کے سوائے اور کچھ کرنا نہیں سوجھتا تھا۔ بلکہ لوگوں کو خط لکھنے بھی بند ہوگئے۔ اور تو کیا بھگت جی کو بھی روزمرہ خط لکھنا بند ہوگیا۔ بھگت جی کی بہت تاکیدوں کے آنے پر آپ ۹ نومبر ۱۸۹۷ء کو لکھتے ہیں کہ:۔ مہاراج جی! ......
...... گو میں نے اتنے دن خط نہیں لکھا۔ مگر سوائے آپ کے سُروپ میں رہنے کے اور کوئی کام بھی نہیں کیا۔ جب اپنا آپ ہوگئے تو خط کس کو لکھیں؟ جب اِس طرح گوسائیں جی کی قلبی حالت آزادگی و تیاگ سے بھرپور پائی۔ یعنی آزادگی و تیاگ کی مجسم حالت بذریعۂ خطوط مترشح ہوئی تو بھگت جی شاید بہت سی مثالیں دیکر اندرونی تیاگ سے اُن کی برتی کو نیچے لانے کی کوشش کرنے لگے۔ رام جانے کیا اُپدیش بھگت جی نے لکھ بھیجا ہوگا۔ مگر گوسائیں جی ۹ دسمبر ۱۸۹۷ء کو اُس کا جواب یُوں تحریر فرماتے ہیں:۔

آپ کا نوازشنامہ شرف صدور لایا۔ ازحد آنند ہُوا۔ آپ کی نہایت دیا ہے بہت آنند ہے۔ میں تو خود کچھ نہیں کرتا۔ مناسب موقعہ سب کارروائی اپنے آپ ہو رہی ہے۔ کسی دن مستی اور دُنیا کی جانب سے بیہوشی بنا بلائے آجائے تو میرا کیا قصور ہے؟ بنا کئے کام ہو رہے ہیں۔ سورج اور شیش ناگ تو ہمارے غلام ہیں۔ ہمارا کام تو شیش ناگ کی سیج پر آرام کرنا ہے۔ سورج کو پرکاش ہم کرنے

ہیں اور حکم کا بندہ بن کر وُہ گردش کرتا ہے ؛ سروپ تو سب کا ایک ہی ہے۔ مگر سروپ میں ستھتی درکار ہے اور نرپا او ستھا و سمادھی کال کی کہاں مہما نہیں آئی؟ شری رامچندر جی و شری کرشن پرماتمہ خود ایسے مہاتماؤں کے چرنوں پر سر رکھتے رہتے ہیں۔ اور یاگیہ ولک اور اشٹاوکر جی کا مرتبہ راجہ جنک سے بڑھ کر ہے۔ راجہ جنک و کرشن پرماتما تو بی۔ اے کلاس کے ہیں۔ اور یاگیہ ولک اشٹاوکر وغیرہ ایم۔ اے کلاس کے ؛ قدر بی۔ اے اور ایم۔ اے کا یکساں ہوتا ہے۔ مگر سچائی کو چھپانا ٹھیک نہیں۔ جو بڑا ہے اُس کو بڑا کہنا ہی مناسب ہے ؛

غلام کی بابت ابھی کچھ عرصہ تک کوئی اندیشہ و خطرہ نہیں کرنا چاہیئے ؛

ملائی والا دُودھ اور مصری ملے ہُوئے تو ایک طرف پینے کو ملتے ہیں۔ اور باجرہ و جوار کی روٹی دُوسری طرف ؛ مَیں یہ نہیں کہتا کہ باجرہ و جوار خراب ہیں (کیونکہ وُہ بھی تو مَیں ہی ہُوں) مگر میرے معدے کے موافق نہیں ؛ میرے معدے کو تو دُودھ مصری ہی ہضم ہوتے ہیں ؛

جب بادشاہ کے کام بغیر ہاتھ پیر چلائے ہو رہے ہیں۔ تو وہ مزدوروں کے ساتھ ملکر ٹوکری کیوں ڈھوئے ؛

ولٹوہی (دیگچی یا بٹنا) میں گرم جلانے والے پانی میں اُبلنے سے بچنے کے لیئے دیگچی سے باہر جا پڑنا ہی واجب ہے۔ دیگچی کے ساتھ لگے رہنا مناسب نہیں شری شنکر آچاریہ جی نے گیتا بھاشیہ میں نہایت صاف طور پر ثابت کر دیا

ہے کہ آخیر میں بالکل کرم کا تیاگ ہو جانا چاہیئے۔ گو خود اُن دنوں وہ تھوڑا بہت کرم کرتے ہی تھے۔ غلام کے لیئے ابھی ایسے دِن آنے میں دیر ہے۔

کاش آنانکہ عیب من جُستند ۞ رویت اے دلستاں بدیدندے

ایں خرقہ کہ من دارم در رہنِ شرابِ اولٰی ۞ وایں دفتر بے معنی غرقِ مے ناب اولٰی

اخیر مصرعہ کا مطلب:- یہ کتابیں پُستکیں۔ دفتر وغیرہ بالکل بے معنی اور لاحاصِل ونکمے ہیں اگر اُن کے پڑھنے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ہم اُن کو خالص شراب میں ایسا ڈال دیں کہ وہاں بالکل گل کر خراب خستہ ہو جائیں۔ اور اُن کا نام ونشان باقی نہ رہے۔ بلکہ شراب رُوپ ہی ہو جائیں۔ شراب سے مُراد نشۂ توحید و مستیٔ وحدانیت ہے؛؛

یہ کپڑے (یعنی گرہست) مُردے کا کفن ہیں۔ اگر اخیر میں اِن کو بیچکر شراب کے رنگ میں ہم رنگتے نہیں جلتے۔ فقط۔

اودویت امرت ورشنی سبھا

اب ویدانت کی تعلیم گوسائیں جی کے دِل کو بہت محظوظ کر رہی تھی۔ اِسی آنند کی ترنگ میں خوب غوطے لگاتے رہنے کے خیال سے فروری ۱۸۹۹ء کو ایک "اودویت امرت ورشنی سبھا" اپنے گھر پر قائم کی۔ اور اُس کی خوش خبری وہ اپنے گوروجی کو یوں دیتے ہیں۔۔۔۔۔۔ "یہاں ایک اودویت امرت ورشنی سبھا قائم کی ہے۔ جس میں زیادہ تر سادھو مہاتما ہی شریک ہیں۔

اِس کے اِکٹھ کا ستھان میرا ہی گھر ہے۔ اور رہرو برہ دار کو اِکٹھ ہوتا ہے۔ جس میں اُپدیش وغیرہ بھی ہوتے ہیں مگر کیول ویدانت پر" چونکہ یہ سبھا اور سبھاؤں کی طرح لوگوں میں شور وغل کے پھیلانے کی غرض سے یا دوسروں کو راہ راست پر لانے کی خاطر نہیں تھی بلکہ اپنے دل و دماغ کو ہردم ویدانت وچار میں مصروف رکھنے اور اُس کے شروَن منن وندھیاسن سے نجانند کا حظ اُٹھانے کے خیال سے تھی اس لئے ہفتہ بھر میں ایک دن بھی جو مہاتماؤں کے ست سنگ سے سبھا میں شروَن کرتے باقی تمام دن ایکانت میں اُس کا منن و ندھیاسن کرتے رہتے۔ اور جو آنند اس طرح کے ویدانت وچار اور ایکانت سیون میں اُن کو ملتا اُس سے گوروجی کو مطلع فرماتے ہیں۔ ۱۵ فروری ۱۸۹۸ء کے خط میں گوسائیں جی گوروجی کو لکھتے ہیں:۔ "اس میں کچھ شک نہیں جو آنند ایکانت سیون اور انترمکھ ہونے میں ہے اور کہیں نہیں۔ اور کروڑوں اشومیدھ یگیہ کئے ہوئے ہوں تو ہردم سروپ میں نِشٹھا رہتی ہے"۔

باہر ہولی اور اندر سمادھی۔

اس ویدانت وچار و ایکانت ابھیاس سے گوسائیں جی کا دل یہاں تک رنگا گیا کہ اب گرد و نواح کے اثر اُسکو اپنے سروپ سے ذرا نہیں ہلا سکتے تھے۔ بلکہ اُنکے اردگرد خواہ کچھ ہی پڑا ہو۔ دل اپنے نجانند میں آروڑھ ہو محفوظ رہتا تھا۔

۸ مارچ ۱۸۹۸ء کے خط میں گوسائیں جی اپنے گورو مہاراج کو یوں

لکھتے ہیں کہ "تملل کا نتیجہ کل نکل گیا۔ میرے مکان کے قریب اس وقت بڑا رولا پڑ رہا ہے بباعث ہولی کے۔ مگر آپ کی کرپا سے دل کے مکان میں کوئی کسی قسم کا شور وغل نہیں آنند ہے۔ جس طرح شوجی کے ارد گرد بھوت پریت رولا اور واویلا مچاتے رہتے ہیں پر وہ آنند کی سمادھی میں نرگن مگن رہتے ہیں۔ اسی طرح سنسار کے جیو اگیان کی سیاہی اور گلال چہروں پر ملے اپنے نج سروپ کو چھپا کر ہر وقت شور مچاتے رہتے ہیں۔ باوجود اسکے شوسروپ اپنے آپ میں کسی قدر نواس ہونے کی بدولت کھیر سمندر میں رہنے کا سکھ ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔"

مزاج پرسی کا جواب

اتفاق سے ان دنوں گوروجی اُن کی مزاج پرسی بذریعہ خط کر بیٹھے اُس کے جواب میں گسائیں جی اپنے ۱۹ مارچ ۱۸۹۸ء کے خط میں یوں تحریر فرماتے ہیں کہ "آپکے نوازش نامجات شرف صدور لائے۔ نہایت آنند کا باعث ہوئے۔ ایک راجہ نے ایک مہاتما سے پوچھا کہ آپکی طبیعت کیسی ہے؟ انہوں نے جواب دیا جس کی مرضی بنا ایک پتہ نہ ہل سکے۔ جس کا حکم سورج اور چندرماں مانیں ندیاں اور ہوا جس کی آگیا (اجازت) کو ایک دم بھر کے لیئے بھی نہ توڑ سکیں۔ جہاں چاہے خوشی بھیجدے اور جہاں چاہے ماتم روانہ کرد ے اور اے راجن! جس کے فرمان کی بنا تیرے مُنہ کے دانت نہیں ہل سکتے۔ اور جس کی اچھا کے انوسار بادشاہوں کی رگوں میں خون تک گردش کرتا ہے۔ ایسے قادر مطلق کے آنند کا کیا ٹھکانا ہے۔ ہے راجن تو خود ہی اندازہ لگالے"۔

راجا بولا۔ "وھنیہ ہو ایسا ہی ہے جس کا الپگیہ بھاؤ اُٹھ گیا ہے۔ اور جس کی جیو بُدھی نشٹھ ہوگئی ہے۔ اور برہم مئے ہوگیا ہے۔ وہ پرجاپتی (برہما) سُروپ بنا ہُوا دہی جگت کے کُل کام کر رہا ہے۔ اور اُس کی کُل خواہشیں ہر وقت پُوری ہو رہی ہیں۔ اور شادی کا سمندر ہے۔

بھگوان شنکر کہتے ہیں۔ "واہ! کیسا سُندر اور آشچریہ ہے میرا اپنا آپ۔ جس میرے اپنے آپ کا جتنا یہ جگت ہے (جو کچھ دیکھیں اور سُنیں اور خیال میں آسکتا ہے) یہ سب کچھ جس میرے اپنے آپ کا ہے۔ پرنتو ایسا ہونے ہوئے بھی میرے اپنے آپ کا کچھ نہیں ہے۔ ایسا جو میں ہُوں اُس کے تئیں میرا بہت بہت پرنام اور نمسکار ہے"۔

آج کل کام بہت زیادہ رہا۔ امتحانوں کے نزدیک ہونے کی وجہ سے کالج کے امتحانوں کے لیے پرچے بھی بنانے تھے۔ نیز طالب علموں کی دِقتیں بھی رفع کرنی پڑتی ہیں۔ مگر دل ایکانت ہیں رہا۔

کٹاس راج تیرتھ کی یاترا

اپریل ۱۸۹۸ء میں گسائیں جی نے کٹاس راج تیرتھ کی یاترا کی ان دنوں اس تیرتھ پر بڑا بھاری میلہ ہوتا ہے۔ اِس میلہ میں بہت سے مہاتما وِدوان لوگ اکٹھے ہوتے ہیں اور کئی طالبانِ حق تو محض مہاتماؤں کے درشن ارتھ اور اُنکے منوہر اُپدیش سُننے کی غرض سے اِس میلہ پر

ہر سال بلا ناغہ جاتے ہیں۔ گوسائیں جی کے بچپن کے گورو بھگت دھنّا رام جی اپنے وطن (گوجرانوالہ) کو چھوڑ اسی کٹاس راج کے میلہ پر آئے تھے کہ وہاں کی آب و ہوا سے اور مہاتماؤں کے درشن سے محظوظ ہو کر اور اپنے پیشہ کو بافراط دیکھ کر کٹاس راج کے نزدیک قصبۂ پنڈ دادن خاں میں مقیم ہو گئے۔ اور کئی سال وہاں گزارنے کے بعد واپس گوجرانوالہ گئے۔ بھگت جی کے کٹاس راج سے واپس آنے کے بعد گوسائیں جی کو اُن کے نزدیک رہنے اور اُن سے کتھا وغیرہ سُننے کا موقعہ ملا۔ جس صحبت و کتھا کے اثر سے بالک تیرتھ رام جی کا دل اُن پر نوچھاور ہو گیا تھا ممکن ہے کہ بھگت جی سے کٹاس راج کی مہما (تعریف) سُن کر گوسائیں جی نے اِس تیرتھ کی یاترا کا عزم کیا ہو۔ مگر وہاں پہنچکر گوسائیں جی کی طبیعت پر جو اثر ہُوا وہ اُن کے مفصلۂ ذیل خط سے مترشح ہو رہا ہے "۷ اپریل ۱۸۹۸ء کٹاس راج کے رستے نے جو اُپدیش کیا وُہ نہایت درست ہے۔ جو سُکھ ایکانت سیون اور رنج دھام میں ہے وُہ کہیں بھی نہیں:۔ ۵

ہے مرگ تیری سُگندھ سوں بھیو یہ بن بھرپور ۔ کستوری تو نکٹ ہے کیوں دھاوت ہے دُور

اپنا ہی آنند جگت کے پدارتھوں میں آنند بھاؤنا دکھلاتا ہے سب وید کتب بھی ہمارے اندر ہی ہیں"

گوسائیں جی کے خطوں سے واضح ہوتا ہے کہ اس یاترا سے لوٹنے کے بعد اُنکو پہلے

کی نسبت ایکانت سیون کی لگن اور آتم ابھیاس کی چٹک بہت لگ گئی اور اس چٹک لگنے کے بعد دل کی حالت دن بدن بہت شانت ستھر اور اچل ہوتی گئی۔ آپ اپنے ۲۵ مئی ۱۸۹۸ء کے خط میں لکھتے ہیں۔

"آپکا کرپا پتر ملا۔ آنند ہوا۔ آپ کی دیا سے چت نو دن بدن اچل ہوتا جاتا ہے۔ اس میں ذرا فرق نہیں آتا۔ میرے شریر کے بیوہار سے چت ترقی کا اندازہ لگانا درست نہیں۔ پچھلے دنوں کام ذرا بہت رہا۔

ریاضی پر گوسائیں جی کی تقریر و تصنیف

انہیں دنوں گوسائیں جی نے طلبا کے فائدے کے لیے ریاضی پر ایک انگریزی لیکچر دیا۔ جو بعد ازاں بعنوان "ریاضی میں کیسے ترقی پا سکتا ہے" (How to excel in mathematics) کے ایک کتاب کی شکل میں چھاپا گیا۔ جہانتک دریافت سے معلوم ہوا ہے یہ تقریر و تصنیف بزبان انگریزی گوسائیں جی کی پہلی تھی اس سے پہلے کوئی تصنیف کسی طرح کی گوسائیں جی کی قلم سے نہیں نکلی بلکہ اس تصنیف کے بعد پھر وہ ہر زبان میں لکھنے لگے۔ تصنیف ہذا نے گوسائیں جی کی خوب شہرت پھیلا دی۔

یکم جون ۱۸۹۸ء کے خط میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ "... کتاب پر مع اشتہاروں کے ایکسو پچیس روپیہ خرچ آیا ہے ایکسو جلد کتاب کی میں نے مفت تقسیم کر دی ہیں۔ ہندوستان کے انگریزی ریاضی دانوں نے نہایت عمدہ رائیں اسکی تعریف میں لکھی ہیں۔

اس مفید لیکچر کے شائع ہونے کے دو سال بعد گوسائیں جی خانہ داری کا تعلق

نوٹر جنگلوں میں پڑھا رہے تھے۔ لہذا اس کے دوبارہ شائع ہونے کا اتفاق نہ ہُوا۔ ب انگریزی کُلیاتِ رام کی جلد چہارم کے آخر میں اسے درج کر دیا گیا ہے تاکہ رام بھگت اور خاصکر طلبا گُسائیں جی کی سب سے پہلی تصنیف کے مطالعہ سے بھی محرُوم نہ رہیں:

اُترا کھنڈ کی یاترا

کرشن بھگتی کے زمانہ میں گوسائیں جی جب فرصت پاتے جھٹ متھرا بندرابن کی طرف چل دیتے تھے اور اپنی تعطیلات کا سارا وقت وہاں ہی راس لیلا وغیرہ کے دیکھنے میں صرف کیا کرتے تھے۔ مگر جب سے ایکانت سیون اور برنجانند کی چاٹ لگی تب سے فرصت پاتے ہی ہردوار رشی کیش وغیرہ مقاموں کی سیر کا خیال دل کو گھیر لیتا تھا۔ ۱۸۹۵ء کی گرمی کی چھٹیوں میں ایکانت سیون کا زیادہ آنند لینے کے خیال سے آپ ہردوار رشی کیش اور تپوبن گئے ۔

اپنے ۱۴ اگست ۱۸۹۵ء کے خط میں ہردوار کی سیر اور ایکانت ابھیاس کی لٹک کا یُوں تذکرہ کرتے ہیں "وہ آج ٹھاکر داس لاہور کو بھیج دیا ہے۔ اتنے دنوں میں یہاں کے قابلِ دید مقامات دیکھے ہیں سنتوں کے درشن کیے ہیں۔ اب آج (سیر یعنی تریپت ہوکر) اپنے گھر کے دروازے بند کر کے اپنے گھٹ میں گھٹ جانے کو جی چاہتا ہے۔ مہاراجہ جمّوں کی حویلی میں ٹھیر رہا ہُوں۔ میرے رہنے کا کمرہ ہردوار میں سب سے اُتّم ہے"۔

اُترا کھنڈ میں ایکانت نواس و آتم ساکھشات کار

ہردوار سے چل کر گُسائیں جی رشی کیش پہنچے اور جسقدر خرچ پاس تھا اُسے تمام مہاتماؤں کی سیوا

میں صرف کر دیا۔ آپ برہنہ تن دیوانہ وار تنِ تنہا صرف چند اُپنشدیں ساتھ لیئے وہاں سے تپوبن برائے ایکانت ابھیاس پدھارے۔ یہ تپوبن رشی کیش سے صرف چند میل کے فاصلہ پر ہی شروع ہو جاتا ہے اور اس میں ایک برہم پوری مندر ہے جو رشی کیش سے قریب آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے اس مندر کے نزدیک گنگا کنارے گسائیں جی نے اپنا آسن جمایا اور اپنے کھانے پینے کا ذرا فکر نہ رکھا بلکہ اس امر کو سچے نشچہ سے محض ایشور پر چھوڑ کر دل کے مصمم ارادے سے گنگا کنارے جم کر ایکانت ابھیاس کرنے لگے

بیٹھے ہیں تیرے در پہ تو کچھ کر کے اٹھیں گے	یا وصل ہی ہو جائے گی یا مر کے اٹھیں گے

اس مقام کا حال اور اپنی قلبی حالت اور آتم ساکھشات کار کا مفصل ذکر گسائیں جی نے اپنی تصنیف (جلوۂ کہسار) کے اندر خود درج فرمایا ہے۔ برائے ملاحظۂ ناظرین اس کا اقتباس نیچے دیا جاتا ہے:-

"گنگا! کیا وہ تیری چھاتی ہے۔ جس کے دودھ سے یہ برہم ودیا پرورش پاتی ہے؟ اے ہمالیہ! کیا وہ تیری ہی گود ہے جس میں برہم ودیا (گرجا) کھیلا کرتی ہے؟ کیا تمہیں بھی وہ دن یاد ہے جب پہلے پہل رام "رنگِ زرد و آہِ سرد و چشمِ تر" کے ساتھ تمہاری پناہ میں آیا تھا؟ تنِ تنہا ان پتھروں پر پڑے پڑے راتیں کٹتی تھیں۔ آنسوؤں سے یہ شِلا تر بتر ہوتے تھے۔ ہچکیوں کا تار بندھا تھا۔ ہائے! وہ پرم آنند کہاں ہے۔ جس کی ہستی میں کوئی فردا ہے نہ امروز ہے؟ وائے! وہ بحرِ سرور کب ملے گا۔ جو لذتِ دنیوی کو خس و خاشاک کی طرح بہا کے لے جاتا ہے؟ آفتابِ معرفت کا طوفان نور (گیان کا مارتنڈ پرچنڈ) کب عین سمت الراس پر آئے گا! اغراضِ جسمانی اور

جذبات نفسانی دُھند اور اندھیرے کی مانند کب صاف اُڑ جائیں گے! گنگا کا جل بیچگاہ گرم نہیں ہوتا۔ کاش! وہ وقت کب آئے گا کہ نشۂ حقیقت کی بدولت رام کے دِل پر خواب میں بھی بیم و رجا (Favours and Frowns) دخل پانے کے ناقابل ہو جائیں گے! گُناہ اور غم (sin and sorrow) زمانۂ ماضی کی طرح کب گئے گزرے ہونگے! ثریا کیا گرنھتوں ہی میں مذکور ہونے کو ہے ورنہ وُہ ثریا کہاں ہے؟ ننگے سر ننگے پیر، برہنہ بدن اُپنشدیں ہاتھ میں لئے دیوانہ وار رام پہاڑی جنگلوں میں پھر رہا ہے ؎

خونِ جگر شراب ترشح ہے چشمِ تر ✤ ساغر مرا اگر وہ نہیں ابرِ بہار کا

نالہائے کلبۂ احزاں تسلی بخش نیست ✤ در بیاباں ہمنواں فریاد خاطر خواہ کرد

برگِ حنا پہ جا کے لکھوں دردِ دل کی بات ✤ شاید کہ رفتہ رفتہ لگے دل رُبا کی ہات

پہاڑکی کھوہ کا پربت کی کندرا کا نالہائے زار کو ہمدردی بھرا جواب (گونج) دینا کبھی نہیں بھولیگا ؎

عِشق کا منصب لکھا جس دن مری تقدیر میں ✤ آہ کی نقدی ملی صحرا ملا جاگیر میں

بس۔ تختہ یا تختہ۔ والدین! تمہارا لڑکا اب واپس نہیں جائے گا۔ ودیارتھی لوگو! تمہارا وِدیا گرو اب واپس نہیں جائے گا۔ اہلِ خانہ! تمہارا رشتہ کب تک نبھے گا بچے کی ماں کب تک خیر منائیگی؟ یا تو سب تعلقات سے برتر ہوگا یا تمہاری سب اُمیدوں کے سر یک قلم پانی پھر جائے گا۔ یا تو رام کی آنند گی ترنگوں میں

کون و مکاں غرقاب ہوگا (تُریا اتیت) اور یا رام کا جسم گنگا کی لہروں کے حوالے ہوگا۔ تن بدن کا خاتمہ ہوگا۔ مر کر تو ہر ایک کی ہڈیاں گنگا میں پڑتی ہیں۔ اگر جلوۂ عُریانی (اپروکش) نہ ہُوا اور اگر جسمانیت کی بُو باقی رہ گئی تو رام کی ہڈیاں اور ماس جیتے جی مچھلیوں کی بھینٹ ہونگی ٭

تن کے پروانہ ترا آیا ہُوں میں لے شمع طور ٭ بات وہ پھر چھڑ نجائے یہ تقاضا اور ہے

(راگ اساوری تال یکتہ)

نین مرے سُکھ کیوں نہیں سوندے | کڈھ پاندھا پتری دیکھ دن میرے
کاگ مرے گھر نت اُٹھ لوندے | نین مرے سُکھ کیوں نہیں سوندے

گر رام کے چرنوں میں گنگا نہ بہی कबे रथांग शयने भुजंग
याने विहंग चरणे मुगांग। تو رام کا جسم گنگا میں ضرور بہے گا۔

آنکھیں جل برسا رہی ہیں۔ ٹھنڈے اور لمبے سانس گویا تیز ہوا کی طرح مینہ کا ساتھ دے رہے ہیں۔ اندر جھڑی لگ رہی ہے۔ باہر بھی برسات زور پر ہے۔ الحاح و زاری کے ساتھ رام کے تہِ دِل سے یہ نالہ نکل رہا ہے۔

راگ جنگلہ۔ تال تین

گنگا! تیتھوں صدبلہار ے جاؤں

(۱) ہاڈ چام سب وار کے پھینکوں ۔ یہی پھول پتاشے لاؤں

گنگا! تیتھوں صدبلہارے جاؤں

(۲)	من تیرے بندرن کو دے دوں	بدھ دھارا میں بہا دوں
	گنگا تیتھوں صد بلہارے جاؤں	
(۳)	چت تیری مچھلی چپ جاویں	اہنگ گرگھا میں دباؤں
	گنگا تیتھوں صد بلہارے جاؤں	
(۴)	پاپ پن سبھی سلگا کر	یہ تیری جوت جگاؤں
	گنگا تیتھوں صد بلہارے جاؤں	
(۵)	تجھ میں پڑوں تو تو بن جاؤں	ایسی ڈبکی لگاؤں
	گنگا تیتھوں صد بلہارے جاؤں	
(۶)	پنڈے جل تھل پوں وشوں دک	اپنے روپ بناؤں
	گنگا تیتھوں صد بلہارے جاؤں	
(۷)	رمن کروں ست دھارا ماہیں	نہیں تو نام نہ رام دھراؤں
	گنگا تیتھوں صد بلہارے جاؤں	

اُونچے لمبے درخت گنگا کنارے کھڑے گویا سندھیا کر رہے ہیں ٭

منوہر لتا پتا میں رنگا رنگ کے پھول کھلے ہوئے ننھے بچوں کی طرح تبسم کر رہے ہیں۔ ہوا آن کر انہیں جھولے جھلا رہی ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی پون مند سپند سے دل لبھا رہی ہے ٭

بادِ صبا کے جھونکوں سے شاخوں کا جھومنا —— اور جھوم جھوم کر وہ رُخِ گل کو چومنا

چاروں طرف یہ کیفیت ہے کہ رام شش و پنج میں ہے کہ بیٹھو کس طرف کرکے بیٹھوں۔
ایک سے ایک بڑھکر سُہانا ہے۔ پربتوں کے ڈھلوان پر ہرے ہرے باس متی
کے کھیت لہلہا رہے ہیں۔ ان کھیتوں میں پہاڑوں سے اُترتا ہوا نرمل جل بہ رہا
ہے یہ جل کمت پُرشوں کی مانند برہم سُروپ شری بھاگیرتھی میں مل کر اُس سے ابھید
ہو رہا ہے۔ شری بھاگیرتھی کی شوبھا کون ورنن کرے۔ کیا براٹ بھگوان کا ہردے
استھان یہی ہے؟ اُس کا گمبھیر (عمیق) اور شیتل سبھاؤ۔ اور اُس کی اونگ کار انہد
روپی چپت کی چلبلاہٹ اور کدورت کو صاف کر رہے ہیں۔ بعض بعض مقامات پر گنگا
جل کے عجب شانتی بھرے کُنڈ بن رہے ہیں۔ چاندنی میں تو چمکتی و مکتی گنگا ہے کہ
کوٹھاں کوٹ ہیرے موتی کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں۔ میری جان یہ مرجان والا سرمہ
آنکھوں میں کیا ٹھنڈک دیتا ہے۔ دیدۂ دِل کو بھی روشن کرتا ہے۔ گنگا اپنی مہا شیلتا
اور نرملتا سے وشنو پن دکھاتی۔ اور مہا شکتی اور زور و شور سے شیر کی طرح گرجنے اور سنیوں
کو چبانے (ہضم کر جانے) سے شاکت پن ظاہر کرتی۔ وشنو اور شیو دونوں کی جھلک مارتی
ہوئی بابا پوری (جگت) کو کرتارتھ کرنے جا رہی ہے۔ گنگا کے ترنگ اس جگہ نہنگ
کی مانند نعرے مارتے اور زور سے چھلانگیں بھرتے چلے جا رہے ہیں۔ یہاں تہ پر
بہت بڑے بڑے پتھر ہونگے۔ لہریں جھاگ جھاگ ہوئی جاتی ہیں۔ موجیں کس بلا
کے پیچ کھاتی ہیں۔ وہ دیکھو گنگا کی دھارا غضب کا آبشار بن رہی ہے۔ پانی
سب کا سب ایک دم گرا۔ پھر اُچھلا۔ گنگا کے جوش و مستی کو جتلانے والی پھین

کف ناچ رہی ہے کہ شیرِ غرّاں کے ایال (mane) لہرا رہے ہیں۔ اِس جوش و خروش کے ساتھ گنگا گویا یہ کہہ رہی ہے کہ اَے اہنکار (ہرن)! آ میں تیرا اشکار کروں۔ اَے جہل (گیدڑ)! تیری جسمانیت و انانیت کی ہڈیاں چبا جاؤنگی۔ پسلیاں الگ الگ کر دونگی۔ اَے موہ رُوپی پتھر! آ میں تجھے چیر ڈالوں۔ پہاڑ کو کاٹ کر آئی ہُوں اب تیری باری ہے۔

پر اس وقت کُل اگیان کی سینا نہ معلوم کہاں معدُوم ہوگئی ہے نہ اندھیرے کا کہیں پتہ لگتا ہے۔ نہ اودیا نِمر کا۔ اِن ہرے بھرے پہاڑوں کا نُور و سُرور سے یُوں بھرپُور ہونا کس بات پر دال ہے۔ یہ ٹھنڈک اور آنند کیا مُژدہ سُنا رہے ہیں؟ رام کی مُرادیہاں بر آئے گی خواہشیں سب سرگباش ہو جائینگی۔ ؎

مژدہ اے دِل کہ مسیحا نفسے می آید ٭ کہ ز انفاسِ خوشش بُوئے کسے می آید

کس لُطف کے ساتھ رام سنان کرتا ہے۔ جل اُچھالتا ہے اور خوشی کے نعرے بلند کرتا ہے ٭

راگ سندھرہ۔ تال تین

ندیاں دی سردار۔ گنگا رانی! ٭ چھینٹے جل دے دیں بہار۔ گنگا رانی!

سانوں رکھ جِندڑی دے نال گنگا رانی! ٭ کدے وار کدے پار۔ گنگا رانی!

سو سو غوطے گِن گِن مار۔ گنگا رانی! ٭ تیریاں لہراں رام سوار۔ گنگا رانی!

Adored by saint and sage
The much beloved peerless Gunga
Famous from age to age.

Unconscious roll the surges down,
But not unconscious thou,
Dread spirit of the roaring flood,
For ages worshipp'd as a God,
And worshipp'd even now!
Worshipp'd & not by serf or clown;
For sages of the mightiest fame
Have paid their homage to thy name.
(Dutt)

Sacred Gunga, ample-bosomed,
sweeps along in regal pride,
Rolling down her limpid waters through
high banks on either side.

شام پڑنے کو ہے۔ ایک چھوٹی سی پہاڑی پر رام بیٹھا ہے۔ عجب حالت ہے

نہ تو اُسے اُداسی نام دے سکتے ہیں - نہ رنج وغم ہی ہے - دُنیا داروں والی خوشی بھی یہ نہیں - اُسے جاگتا نہیں کہہ سکتے سویا بھی نہیں - کیا معلوم مخمور ہو پر یہ کوئی دُنیا کا نشہ نہیں - کیا رس ٹپک رہا ہے! + دُور اشجار میں سے گھڑیال اور سنکھ کی آواز آنے لگی - شاید کوئی مندر ہے - آرتی ہو رہی ہے - اَے لو! سامنے بلند پہاڑ کی چوٹی سے دو تین فیٹ کی بلندی پر تر و دشی کا چندرماں بھی اپنا چاند سا مکھڑا لئے ہے - کیا یہ آرتی میں شریک ہونے آیا ہے؟ شریک کیوں یہ تو اپنے تئیں لگتے ہوئے نُورانی بدن کی جوت بنا کر اپنے تئیں سدا شِو پر وار رہا ہے - آرتی روپ بن رہا ہے + آہا! سارا نیچر آرتی میں شریک ہو گیا - چاروں طرف سے کیسی آواز گونج، آنے لگی + اَے چاند! تُو سبقت لے جانے والا کون ہے؟ پیارے! اکیلا مت رہ - اپنی ہڈیوں کو اور تن بدن کو آگ کی طرح سُلگا کر تیری طرح رام اپنے تئیں اس آرتی میں کیوں نہ وار ڈالے گا؟ اُن دنوں رام کی تلاش کرتا کرتا ایک خط پہاڑوں میں آ ملا - اُس کا جواب :- ؎

"سر بسیر نامہ را پیدا کنم + عاشقاں را در جہاں شیدا کنم"

ایک خط ملا جس میں (۱) گھر آنے کی بابت ترغیب تھی - یہ خط فوراً پرم دھام کو

؎ اِس خط کا جواب جو بھگت دھنا رام جی کے پاس پہنچا - اُس کی اصل نقل نیچے دی گئی ہے اور اسکی ترمیم رام نے پیچھے کی ہے +

روانہ کر دیا گیا۔یعنی شری گنگا جی میں پرواہ دیا گیا +

(راگ اساوڑی)

ر	رنگ نہیں میرا کتنے دا		جورین بتہ کے بھورے نہنت مائے
	پیڑاں پیڑ کے جان نہیڑ لیتی		ماسا ماس ناہیں رتی رت مائے
	چرخہ ویکھ کے رنگ گرنگ ہویا		سیاں وچ باہاں کیڑے وٹ مائے
	متیں عشق حسین نہ مت سمجھے		تیں دیندیاں ندی ہاری مت مائے

گھر آنے کی درخواست پر جواب

نزد رشی کیش

۲۳ راگست ۱۸۹۸ء

اوم شری

القاب مذکورۂ بالا

ایک نوازشنامہ صادر ہوا۔جس میں گھر آنے کی بابت ترغیب تھی۔اس خط کو لے کر ہمیں نے فوراً پرم دھام کو روانہ کر دیا۔یعنی شری گنگا جی میں پرواہ دیا۔اگر کسی خانگی معاملہ کے افسوس کی بابت پوچھو تو آپ کی تسکین کر چکا ہے۔

अव्यक्तादीनि भूतानि व्यक्त मध्यानि भारत ।
अव्यक्त निधनान्येव तत्र का परिदेवना ॥

رہا لوگوں کے گلے الاہنے۔اُن کی بابت یہ عرض ہے۔

(۲) لوگوں کے گلے الاہنوں کا ڈر دکھایا تھا۔ سو بھگوان! اب تو ہم ہیں اور گنگا سے کفن باندھے ہوئے سر پر کنارے تیرے آبیٹھے + ہزاروں طعنے اب ہم پر لگاوے جس کا جی چاہے
تیروں نیسے الزام یہاں کچھ نہیں اثر کر سکتے + ہ

گر نماند در دلم پیکاں گناہِ تیر نیست	+	آتش سوزان من آہن گداز افتادہ است	
تا نخواہد سوخت از ما بر نخواہد داشت دست	+	عشق بس مارا چو آتش در قفا افتادہ است	

کفن باندھے ہوئے سر پر ترے کوچے میں آبیٹھے + ہزاروں طعنے اب ہم پر لگائے جس کا جی چاہے

ہے بھگوان! آپ ہی کی اگیا پالن کر رہا ہوں۔ اپنے گھر (نج دھام) کو جا رہا ہوں۔ آپکے اصل سُروپ سے مل رہا ہوں + پنجاب۔ جو پانچ ندیوں۔ (رکت۔ وِریہ۔ مُوتر۔ سویدرال) سے ملکر بنا ہوا ہمارا شریر ہے اس کے ادھیاس کو تیاگ کر ہی اپنے اصل دھام ہری دوار کی پراپتی ہوتی ہے +

اس وقت رات کے دس بج چکے ہیں۔ نہ آدمی ہے نہ آدمی کی ذات ہے۔ اندر سے انہد کی گھنگور ہے۔ اور باہر سے شری گنگا جی نے انہد کی گرج لگا رکھی ہے۔ اندر سے ٹھنڈ ہے۔ اور باہر سے آنند ہے۔ یا رسے ملنے والی شبِ ظلمات (اندھیری رات) نے رُخِ عالم پر سیاہی پھیر رکھی ہے۔ ارتھات جگت کو اندر سے اور باہر سے دونو طرح نیست کر دیا ہوا ہے اس شبِ یلدا میں کیا اندر اور کیا باہر (سامنے) ڈلکتے ہوئے آبِ حیات (امرت) کے دریا بہہ رہے ہیں۔ ایسے موقعہ پر دُنیا کی یاد دلانا۔ ہائے!

تمہارا ۔ (رام) تو اب پُورا ہو گیا پُورا ۔ نہ گھر کا نہ گھاٹ کا ۔ (گویا مالک ملکہ لاٹ کا) (۳) کسی خانگی معاملے کے افسوس کی بابت پُوچھو تو سخت حیرت ہے کہ تمہیں اصلی گھر سے غافل رہنے کا کچھ افسوس نہیں آتا ۔ (۴) آپ نے سب لوگوں کے دُنیوی کام کاج میں ہمہ تن مصروف ہونے کا اشارہ کر کے بلایا جاتا ہے + اچھا اگر لوگوں کی کثرت رائے پر ہی حقیقت کا فیصلہ کرنا منظور ہو تو بتائیے آدم سے

---

۵ اے سکندر نہ رہی تیری بھی عالمگیری + کتنے دن آپ جیا جس لئے دارا مارا

ایسے موقع پر سکندر کو حیاتِ ابدی ایک طرف تھی ۔ اور جوانا مرگ دوسری طرف ۔

ع ۔ چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک ۔

گھر والوں کو کہہ دو کہ ملنا مرکز ہی پر مناسب ہے ۔ جہاں پہ ملنے سے پھر جُدائی نہ ہو +



स्फुरत्स्फारज्योत्स्नाधवलितलेक्वापि पुलिने
सुखासीनाः शान्तध्वनिषु द्युसरितः ॥

ترجمہ :۔ جہاں پر روشن اور پھیلی ہوئی چاندنی کی مثال جل ہے ۔ ایسے گنگا کے کنارے پر آرام سے بیٹھا رہوں ۔ جب تمام آوازیں بند ہوں تب رات میں شِو شِو شِو (یہ نوٹ پ) پرسوز آواز سے کہتے ہوئے دُنیوی رنج و غم سے آزاد ہو کر آنند کے آنسوؤں سے آنکھوں کا ہونا سپھل کروں ۔

ہے کر ابں دم تک کثرت (majority) اُن لوگوں کی ہے جو موجودہ زندگی کے کاروبار کو زُبانِ اعمال سے ہیچ کہنے والے ہیں یا اُن کی جو رُوئے زمین کی خاک کے تقریباً ہر ذرّے میں زُبانِ حال سے بول رہے ہیں کہ دُنیا معدومی المعلوم ہے +

अव्यक्तादीनि भूतानि व्यक्त मध्यानि भारत ।
अव्यक्त निधनान्येव तत्र का परिदेवना ॥

ایسے میرے دن کب آئیں گے + (از بھرتری ہری)

راجا لوگ ۔ راج پاٹ کا تیاگ کر ایسے آنند کی اِچھّا کرتے تھے ۔ دیوتا لوگ سُرگ بیکنٹھ کا خیال چھوڑ اِس گنگا تیر کی کامنا رکھتے تھے تو میری ہی کیا قسمت پھُوٹ گئی کہ اِس پراپت ہُوئے آنند کو چھوڑ کر جھُوٹے پدارتھوں کے پیچھے دَوڑوں۔

لوگ تیرتھوں پر آیا کرتے ہیں ۔ تیرتھ کبھی لوگوں کے پاس چلکر نہیں جاتے۔ گھر والوں کو کہدو کہ تیرتھوں میں رمن کرنے والا جو تیرتھ رام پرماتما ہے اُس کے چرنوں میں چلیں تب تیرتھ رام گوسائیں کا ملاپ ہو سکتا ہے ۔ ورنہ نہیں ۔ جب تک ہمارے گھر میں ست سنگ رُوپی گنگا نہ بہے گی ۔ میرا وہاں جی نہیں لگے گا ۔ ایک منٹ نہیں ٹھیر سکوں گا +

مرے ہُوؤں کو ملنے کے لئے لوگ اُن کو پیغام بھیجکر اپنے پاس نہیں بُلا سکتے ۔ البتہ آپ مر کر اُن سے مِل سکتے ہیں ۔ ہم تو مر چُکے ۔ جیتے جی ہی مر چُکے ۔ گھر والے ہم کو

(۵) بھگوان آپ ہی کی آگیا پالن ہو رہی ہے۔ یعنے آپ سے بہت جلدی ملنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ + از روئے جسم تو جُدائی ہرگز دُور نہیں ہو سکتی۔ خواہ کتنے نزدیک ہو جائیں پھر بھی جہاں ایک بدن ہے۔ وہاں دوسرا بدن نہیں آ سکتا۔ ورنہ تداخلِ اجسام لازم آتا + فی الواقع جدائی کو دُور کرنے کے رام رات دن در پے ہے غیریت کا نام نشان نہیں رہنے دے گا + آپ کا انتر آتما۔

بلانے کی کوشش نہ کریں۔ ہم جیسے ہو جائیں گے۔ تب تو میل بہت آسانی سے ہو سکتا ہے +

مُرلی والہ۔ اگر مُرلی والہ ہو کر تیرتھ بن جائے تب تو تیرتھوں کو رمنیک بنانیوالا تیرتھ رام وہاں آ سکتا ہے۔ ستوگُن کی گنگا جہاں نہ ہو ہمارا وہاں ہونا کٹھن ہے۔

جب سب ہی نے آخر کار شو کے پھول (ہڈیاں) بن کر گنگا میں آنا ہے۔ تو کیوں نہیں اپنے ہرے پھول کی نیائیں شریر کو گیان گنگا میں شوق سے پرواہ دیتے اتھوا اپنے ہڈوں کو ایندھن (لکڑی) بنا کر مجھتا روپی لکھی ڈال کر پران رُوپی بایو (پَوَن) سے گیان اگنی میں سواہا کر دیتے اور اس پر کار نرمیدھ کا پُن لیتے +

یہاں آٹھ پہر میں صرف رات کو سنتوں کے درشن کے لئے کبھی باہر نکلنا ہوتا ہے ورنہ کوئی آنا جانا نہیں۔ اور آٹھ دن میں صرف اتوار کو برہمنوں اور سنیاسیوں کی سبھا میں وکھیان دینے کے لئے جانا پڑتا ہے۔ اور کہیں نہیں۔

آپ کے سینے میں آپ کی آنکھوں میں بلکہ سب کے دل جگر میں رام اپنا گھر (قیام) دیکھے بنا چین نہیں لیگا + آؤ - آپ بھی پانچ ندیوں (خون - بول - پسینہ - ویریہ رال) کے کیچڑ یعنی جسم سے اپنے نج دھام (اصل سروپ) کی طرف مراجعت کرو - اِس پنجاب سے اُٹھ کر حقیقی دھام کی پہاڑیوں پر کشاں کشاں تشریف لائے گا + ملنا اب مرکز ہی پر مناسب ہے - جہاں پر ملے پھر جدائی نہیں ہو سکتی - محیط پر hide and seek (چھپن لکن) کھیلتے کھیلتے کہاں تک نبھے گی + رام نے تو اگر خود گنگا کو اپنے چرنوں سے نکلتی ہوئی نہ دیکھا تو لوگ اس کا جسم گنگا کے اوپر رواں ضرور دیکھیں گے ؎

؎ میں کشتگانِ عشق میں سردار ہی رہا + سر بھی جدا کیا تو سر دار ہی رہا

سیپ سے موتی نکلا ہوا پھر سیپ میں واپس نہیں آتا + ؎

پھر زلیخا نہ نیند بھر سوئی — جب سے یوسف کو خواب میں دیکھا

گنگا میں پڑی ہوئی ہڈیاں وارثوں کو واپس کیسے مل سکتی ہیں؟ البتہ ملنے کے خواہشمند اپنی ہڈیاں بھی حوالۂ گنگ کر دیں تو شاید میل ہو جائے + کچھ مشکل

پانچ چھ دن ہوئے کوئی سَو کے قریب مہاتماؤں کا بھوجن کرایا تھا - از حد آنند ہوا - یہاں ستو گُن کا پر بھاؤ تھا - ان دنوں بال مُکند - اور ٹھاکر داس دونوں کو روانہ کر دیا ہوا ہے +

آپ کا اپنا آپ - تیرتھ رام

تو نہیں نت پر اپت کی پراپتی ہے نت ترپت کی ترپتی +

؎ عشق کا منصب لکھا جس دن میری تقدیر میں + آہ کی نقدی ملی صحرا ملا جاگیر میں + +

؎ کب سبکدوش رہے قیدئے زندانِ وطن + بوئے گُل پھاندتی ہے باغکی دیواروں کو

؎ خونِ عاشق چہ کارے آید + نشود گر حنائے پائے دوست +

؎ شُد فدائے پائے جانان جانِ من | مُصحفِ رُویش بود ایمانِ من + +
در سرم ہردم سرِ آزادگی ست | قیدِ تن باشد کنون زندانِ من + +
سجدۂ مستانہ ام باشد نماز | وردِ دل با او بود قرآنِ من +

؎ ذکرِ خُدا و فکرِ نان میشود ایں نمیشود + عشقِ صنم و بیمِ جاں میشود ایں نمیشود

؎ میرسی در کعبہ زاہد زود از راہِ تری + زُہدِ خشک و صومِ تو بے دیدۂ گریاں عبث

در دبستانِ محبت ابجد از خود رفتگی ست | معنئ بسم اللہ آں فہمد کسے کو بسمل است
رہ نوردانِ محبت را پیام از ما رسان | کاندریں رہ یک قدم از خود گزشتن منزل است

؎ نہیں کچھ غرض دُنیا کی نہ مطلب لاج سے میرا + جو چاہو سو کہو کوئی بسا اب تو وُہی من میں

ایک کالے سانپ کا پاؤں تلے آنا - وہاں بھوشن رام پیار کرنے کو ہاتھ بڑھاتا ہے ؎

میرے پیارے کا یہ بھی پیارا ہے + میری آنکھوں کا یہ بھی تارا ہے

سانپ کا دوڑ جانا

ایروکش

گھنا جنگل - جل کا کنارا - جنگلی گلزار شگفتہ - تحلیہ جہد امنیشد ین ختم +
اے نُطق! تجھ میں ہے طاقت اس سُرور کو بیان کرنے کی؟ دھنیہ

ہوں میں! مبارک ہوں میں!

جس پیارے کا گھونگٹ میں سے کبھی پیر کبھی ہاتھ کبھی آنکھ کبھی کان مشکل کے ساتھ نظر پڑتا تھا۔ دِل کھول کر اُس دُلارے کا وصال نصیب ہوا۔ ہم ننگے وہ ننگا۔ چھاتی چھاتی پر ہے ✤ اے ہاڑ چام کے جِگر کلیجے! تم بیچ میں سے اُٹھ جاؤ۔ تفاوت! ہٹ فاصلے! بھاگ. دُوری ادُور۔ ہم یار۔ یار ہم۔ یہ شادی ہے کہ شادیِ مرگ۔ آنسو کیوں چھما چھم برس رہے ہیں۔ کیا یہ ساہا (بیاہ) کے موقع پر کی جھڑی ہے کہ من کے مرجانے کا ماتم ہے۔ سنسکاروں کا آخری سنسکار ہو گیا۔ خواہشوں پر مری پڑی۔ دُکھ دارِدر اُجالا آتے ہی اندھیرے کی طرح اُڑ گئے۔ بھلے بُرے کرموں کا بیڑا ڈوب گیا۔

؎ بڑا شور سُنتے تھے پہلو میں دِل کا ✤ جو چیرا تو اِک قطرۂ خون نہ نکلا
؎ شُکر ہے آئی خبر یار کے آجانیکی ✤ اب کوئی راہ نہیں ہی مرے ترسانیکی
؎ آپ ہی یار ہوں میں خط وکتابت کیسا ✤ مستئے مُل ہوں میں حاجت نہیں مینا کی

وُہ ثریا جو عنقا کی طرح معدوم تھی ہم خود ہی نکلے جس کو صیغۂ غائب (Third
person) سے یاد کرتے تھے۔ وُہ متکلم ہی نکلا صیغۂ غائب۔ اب غائب ✤ اوم (ॐ)
ہم۔ ہم (ॐ) اوم ✤ ہم نہ تُم دفتر گُم۔ اوم! اوم!! اوم!!!

آنسوؤں کی جھڑی ہے کہ وصل کا مزا دلانے والی برسات! اُے سرا! تیرا ہونا بھی آج سپھل ہے ✤ آنکھوں! تم بھی مُبارک ہو گئیں۔ کانوں! تمہارا پُرشارتھ بھی پُورا ہوا۔ یہ شادی مبارک ہو۔ مبارک ہو۔ مبارک ہو ✤ مبارک کا لفظ

بھی آج مبارک (کرتارتھ) ہوگیا +

	شادباش! اے عشق خوش سودائے ما		اے دوائے جملہ علتہائے ما	
	اے دوائے نخوت و ناموس ما		اے تو افلاطون و جالینوس ما	

اہنکار کا گڈا اور بدھی گڑیا جل گئے۔ اری آنکھوں! تمہارا یہ کالا بادل برسنا مبارک ہو + یہ مستی بھرے نینوں کا ساون سعید ہے

	یارا ساڈے نے انگیا سُلایا		اساں کھول تنی گل لا لیا	

اساں گھٹ جانی گل لا لیا +

مست دہاڑے ساون دے آئے ـــ ساون یار ملاون دے آئے

بھاگ لے او یار! بھاگ + کہاں بھاگے گا۔ آسمان پہ چھپے گا؟ میں وہاں موجود + کیلاس پربت جا۔ میں وہاں حاضر + سمندر میں جا لیٹ۔ تجھ سے پہلے پہنچا ہوں۔ اگنی میں گھس جا۔ میرا ہی مکھ ہے + تمام ابدان میں کل اجسام میں میں۔ جملہ اسماء و اشکال میں میں ـــ ابدان و اجسام اسماء و اشکال یہ خود میں + کون بولے کون کہے۔ گونگے کا گڑ۔ آہا ہا ہا ہا ہا میں کیسا خوبصورت ہوں میری سوہنی صورت میری موہنی مورت میری جھلک میری ڈلک میرا حسن۔ میرا جمال اس کو میری آنکھ کے سوا کوئی آنکھ دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتی۔

میں اپنی مہماں (جلال) میں مست پڑا ہوں + پر ہائے میرے حسن کا خریدار کوئی نہیں۔ میرے جوبن کا گاہک کوئی نہیں۔ اس بے بہا ہیرے کو کون

خریدے ہ؟ ع

۵ مل گھت سی آن کے کون کیہڑا + نہیں دسدا دوسرا ہور کوئی + + +

میں خود ہی عاشق ہوں خود معشوق۔ عاشق ہوں کہ معشوق ہوں؟ میں تو عشق ہوں۔ باہر جب نگاہ جاتی ہے ہر برگ و گل "تو ہی" "تو ہی" کے نغمہ سے استقبال کرتا ہے۔ اندر سے آنند کے بادل اپنی گرج میں سب کچھ غرق کر رہے ہیں + رفتہ رفتہ اعضاء بے حس۔ دیش کال کہاں چلے گئے؟ فاصلہ دوری اور اندر باہر کیسے؟ اب آگے بیان کون کرے؟ کئی روز اسی حالت میں بیت گئے لیکن رات دن دن رات کس کے؟ جت ول دیکھاں توں ہی توں۔ تانا بیٹیا روں + سہ پہر کا وقت ہوگا۔ ایک کاٹھ کے جھولے پر عین وسط میں رام مگن بیٹھا ہے۔ نیز میگھ کے سروپ میں میگھ ناد کی طرح اوپر سے کڑک رہا ہے۔ بجلی بن کر اپنے تیج کی چمک سے آب و سنگ پر دمک رہا ہے۔ پانی بن کر اپنی بوچھاڑ سے کل جانداروں کو اپنے اپنے گھونسلوں میں گھسیڑ دیا ہے آکاش اور زمین، اور پہاڑ کوئی نظر نہیں آتا۔ جل ہی جل ہے۔ گویا گنگا بھی زمین سے اٹھ کر آسمان تک جا چڑھی ہے تاکہ اپنے گھر رام میں آرام کرے + ان سب کو تو گھر مل گئے اب لامکان رام کہاں بسرام کرے؟ ع

نہ نشیمنے کہ کنم مکان نہ پرے کہ پر پرم از میاں

رام جل شاین نارائن اس جل میں بیاپ رہا ہے + بادلوں پر چل رہا ہے

سمندر کو رہنبہ بنا رہا ہے۔ کبھی بارش آتی ہے کبھی دھوپ لیکن رام کے ہاں کچھ چڑھتا ہے نہ اُترتا ع

حد پایا بھید قلندر دا	راہ کھوجیا اپنے اندر دا +
سُکھ باسی ہوائس مندر دا	چھٹے کدے نہ چڑھدی لہندی ہے

مُنہ آئی بات نہ رہندی ہے

دُنیا نہیں پار بتی ہے۔ بھنگ بوٹی ہر وقت گھوٹ رہی ہے۔ شو کی آنکھ کھُلی پیالہ جھٹ حاضر۔ ذرا ہوش آیا۔ نشہ میں بہایا +

آ میرے بھنگڑ آ تو آ بھنگ پی جا	آ میرے بھنگڑا نشنگ بھنگ پی جا
بھر بھر دنیاں میں بھنگ دے پیالے	نشنگ بھنگ پی جا نہنگ بھنگ پی جا

بھنگ گھوٹنے والی پرکرتی نہیں یہ تو خود بھنگ اور شراب ہے + بھنگ اور شراب نہیں یہ تو بھنگ شراب کا نشہ اور مستی ہے یہ تو خود میں ہوں + ۵

نہ ہے کچھ تمنا نہ کچھ جستجو ہے	کہ وحدت میں ساقی نہ ساغر نہ بو ہے
ملیں دل کو آنکھیں جبھی معرفت کی	جدھر دیکھتا ہے صنم رُوبرُو ہے
گلستاں میں جا کر ہر اِک گُل کو دیکھا	تو میری ہی رنگت ہے میری ہی بو ہے
مرا تیرا اُٹھا ہوئے ایک ہی ہم	رہی کچھ نہ حسرت نہ کچھ آرزو ہے

بھر دے نی کٹورا بھنگدا تیرا کہیڑی گلوں جیا سنگدا

ایک انوکھا خواب

(گول چند جس کو عام لوگ کرشن پرماتما کہتے ہیں)

رام سے چھپن لکن (hide and seek) کھیلتا ہے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے دِق ہو کر رام:۔ ارے کہاں چھپ رہا؟ نہ باہر ہے نہ اندر ہے۔ غائب کہاں ہو گیا۔ بڑا اندھیر ہے ✤ ہائے! ہائے! ...... ہاں اہاں!! اب لگا پتہ۔ کواڑ کی آڑ میں گھسے کھڑے تھے آپ۔ باہر نکل گُوکوا! اب جاتا کہاں ہے۔ کان کھینچکر چپت جڑا کے مونہہ پھیر دوں گا۔ .... اتنے میں جھٹ آنکھ کھُل گئی ✤ اپنا کان درد کر رہا تھا اور اپنے ہی گال پر تھپیڑ مارتا ہوا ہاتھ تھا ✤ اس خواب کی تعبیر جو بتائے وُہی یوسف ✤ ایک رُقعہ چند سوالات اُٹھائے ہوئے اس آنند گنگا میں سنان کرنے آ گیا۔ سوالوں کے جوابات:۔

نوٹ اس جواب کی اصل نقل جو رام نے اپنے گوروجی کو ارسال فرمایا۔ نیچے درج کی جاتی ہے۔

کیا ہم اکیلے ہیں؟

برہم پوری تپوبن
نزد لچھمن جھولا۔
۳۰ اگست ۱۸۹۸ء

اوم

पूर्णमदः पूर्णमिदं पूर्णात् पूर्णमुदच्यते ।

کیا رام اکیلا ہے؟

(لا) کوئی وِدیارتھی ساتھ نہیں۔ نوکر پاس نہیں۔ آبادی بہت دُور ہے۔ آدمی کا نام کافُور ہے + تاروں بھری رات آدھی اِدھر آدھی اُدھر ہے بالکل سُنسان ہے۔ بیابان ہے سنّاٹے کا عالم ہے + پر کیا ہم اکیلے ہیں؟ اکیلی ہماری بَلا! ابھی برشا باندی سنان کرا کر گئی ہے۔ ہوا لونڈی چاروں طرف

पूर्णस्य पूर्णमादाय पूर्णमेवा वशिष्यते ॥

کیا ہم اکیلے ہیں؟

تنہا نیستم تنہا نستم در بحر و بر یکتا ستم + جز من نباشد ہیچ شے من جا ستم من پانستم

کوئی وِدیارتھی ساتھ نہیں۔ نوکر پاس نہیں۔ گانو بہت دُور ہے۔ آدمی کا نام کافُور ہے۔ بیابان ہے سُنسان ہے۔ تاروں بھری رات۔ آدھی اِدھر آدھی اُدھر ہے۔ پر کیا ہم اکیلے ہیں؟

اکیلی ہماری بَلا! ابھی برشا لونڈی سنان کرا کر گئی ہے۔ ہوا باندی چاروں طرف دَوڑ رہی ہے۔ وہ کسی رفیق نے درختوں میں آواز دی "حاضر جناب" (معلوم ہوتا ہے شیر کا نعرہ ہے یا ہاتھی کی چنگھاڑ ہے) سینکڑوں خادم ہمارے جھاڑیوں میں دبے بیٹھے ہیں۔ بلوں میں آرام کر رہے ہیں +

ہم اکیلے کیوں؟

دوڑ رہی ہے۔ سامنے گنگا اپنی گنگ گنگ کی راگنی الاپ رہی ہے۔ سینکڑوں خادم اِردگرد جھاڑیوں میں آرام کر رہے ہیں۔ لو یہ نعرہ کدھر سے آیا؟ کوئی جنگلی جانور درختوں میں سے بول اُٹھا ہے "حاضر" + ...

ہم اکیلے کیوں؟ پر، ہاں! ہم اکیلے ہی ہیں + یہ خادم وادم اور نہیں ہم ہی ہیں۔ گھنے درخت نہیں ہم ہی ہیں۔ ہوا نہیں ہم ہیں۔ گنگا کہاں؟ ہم ہیں۔ تارے وارے اور چاند نہیں۔ ہم ہیں۔ خدا نہیں ہم۔ معشوق اور وصل کیسا؟ ہم ہی ہم + ارے

پر، ہاں ہم اکیلے ہیں۔ یہ خادم وادم کوئی نہیں ہیں۔ ہم ہی ہیں۔ یہ درخت نہیں ہیں۔ ہم ہی ہیں۔ ہوا نہیں۔ ہم ہی ہیں۔ گنگا کہاں؟ ہم ہیں۔ یہ چاند نہیں۔ ہم ہیں خدا نہیں۔ ہم ہیں۔ معشوق کون؟ ہم ہیں۔ وصل کیا؟ ہم ہیں۔ ارے "اکیلے" کا لفظ بھی ہم سے بھاگ گیا ہے۔ ۵

ایں نعرہ وایں نعرہ زن ونیز ایں صحرا	اشجار وگلستان وشب و روز نگار را
ایں مار و معشوق۔ وصال ودم ہجراں	باد۔ انجم وگنگا جل وابر ومہ تاباں
کانغذ قلم چشمت ومضمون وتوخود جاں +	ایں جھلکی رام ست مراواں مراداں

ہمارا پتہ پوچھو تو یہ ہے

نشانم بے نشاں میداں	مکانم در قلب مے خواہاں
جہاں در دیدہ ام پنہاں	مرا جویند گستاخاں +

تنہائی کا خیال بھی ہم سے بھاگ گیا۔ "اکیلے" کا لفظ بھی اکیلا چھوڑ گیا ۵

تنہا ستم تنہا ستم چہ بو العجب تنہا ستم + جز من نباشد ہیچ شئے یکتا ستم تنہا ستم

ایں نعرہ وایں نعرہ زن و نیز ایں صحرا + اشجار و گلستان و شب و روز نیکا را +

باد انجم و گنگا جل و ابرو مہِ تاباں + معشوق و خدا خاص۔ یہ ہماں و دوم ہجراں

کاغذ قلم حشمت و مضمون و تو خود جان راہم است ہمہ نیست دِگر اوست ہمہ آں

کیا ہم بیکار رہیں؟

من کا مانسرور امرت سے لبالب ہو رہا ہے۔ اور آنند کی ندی ہردے میں سے بہ رہی ہے۔ ہر ایک روم کرت کرت ہے وشنو کے اندر ستوگن اتنا بھرپور ہوا کہ سما نہ سکا۔ اُس حشمۂ ستوگن سے پیروں کی راہ گنگا جل بن کر ستوگن بہ نکلا + ٹھیک اُسی طور پر اس وقت

نارا (جل یا ستوگن) میں شین کرنے والا } .... نارائن

تیرتھ (جل روپ ستوگنی) میں رمن کرنے والا
تیرتھوں کو رمنیک (شوبھا والا) بنانے والا } .... تیرتھ رام نارائن

ستوگن یا آنند سے بھرپور ہو رہا ہے اُس کا برہمانند سیدھے سے سمٹتا نہیں۔ پرم آنند کا منبع یا سوتا بن کر یہ تیرتھ رام ساکھشات وِشنو۔ پورن آنند کی دھارا (ندی) جگت کو کرتارتھ کرنے کے لئے بھیج رہا ہے۔ خوش حالی اور فارغ البالی کی بادِ نسیم سنسار کو روانہ کر رہا ہے۔ کون کہتا ہے وہ بیکار بیٹھا ہے؟ میں سچ کہتا ہوں اس تیرتھ رام کے درشنوں

کیا رام بیکار ہے؟

(۳) من کا مانسروور امرت سے لبالب ہو رہا ہے۔ آنند کی ندی ہردے میں سے بہ رہی ہے۔ انتہ کرن کرت کرت اور گدگد ہے + وشنو کے اندر ستوگن اتنا بھرا کہ سما نہ سکا۔ اس چشمہ ستوگن سے پیروں کی راہ ستوگن کی گنگا جاری ہو گئی ٹھیک اس طور پہ پرم آنند سے بھرپور رام بھگوان جس کا برہم آنند سمیٹے سے سمٹتا

سے کلیان ہوتا ہے۔ وہ گنگا ہے۔ وہ تریا رام ہے۔ وہ ٹھیک رام ہے +

دھن بھومی دھن کال دیش وہ | دھن ماتا۔ دھن کل۔ دھن ہمدھی
دھن دھن سو جن کرہیں ورس جو | رام ہتارو۔ سرنگب سم دھی

میری

بانکی ادائیں دیکھو اچند کا سا مکھڑا دیکھو!

وایو میں بہتے جل میں۔ بادل میں میری مٹکیں + تاروں میں۔ نازنین میں۔ موروں میں میری مٹکیں

بانکی ادائیں دیکھو اچند کا سا مکھڑا سیکھو!

چلنا ٹھمک ٹھمک کر۔ بالک کا روپ دھر کر + گھونگھٹ ابر الٹ کر۔ ہنسنا یہ بجلی بن کر

بانکی ادائیں دیکھو اچند کا سا مکھڑا سیکھو

شبنم۔ گل اور سورج چاکر ہیں تیرے یہ کے + یہ آن بان سج دھج اے رام تیرے صدقے

نہیں پُورن آنند کا چشمہ بن کر آنند آنند کی ندی سنسار کو بھیج رہا ہے۔ خوشحالی اور فارغ البالی کی بادِ نسیم روانہ کر رہا ہے + کون کہتا ہے وہ بیکار بیٹھا ہے +

(راگ بروا۔ تال دادرا)

الا یا ایہا السّاقی مۓ باقی بجُش از ما	کہ روزا فزوں شود عشقت کُند آساں نشت مُشکلہا
بہ حُسنِ موج خیزِ من کہ شد ظاہر نہ نقابِ من	بموجِ خُوبیٔ بحرم چہ شور اُفتاد در دلہا
بہ صدقِ دل انا الحق گوے چنیں گفت رام فرماید	کہ در یا بے دم زدن گردد وصال و قطعِ منزلہا
شبِ مہتاب و بادِ خوش لبِ دریا صنم در بر	چساں دانند حالِ غریقاں متوجہ ما
مُرادِ در منزلِ جاناں ہمہ عیش و ہمہ شادی	جرس بیہودہ مینالد۔ کجا بندیم محملہا
ہمہ کارم ز بیکامی بہ خوش کامی کشید آخر	نہاں چوں ماند آں رازے کہ بُودہ شمعِ محفلہا
حضوری چہ ہمیخواہی؟ ازو غائب نہ ایجاں	تُوئی عُقبیٰ۔ تُوئی مولا۔ تُوئی دُنیا و ما فیہا

بانکی ادائیں دیکھو! چند کا سا مکھڑا دیکھو!



جگت سارا وار ڈاروں رام تیرے نام پر + اِندر برہما وار ڈاروں رام تیرے دھام پر

مَیں کیسا خوبصورت ہُوں! میری سوہنی صُورت۔ میری موہنی مُورت۔ میری جھلک۔ میری ڈھلک۔ میرا حُسن۔ میرا جمال! اسکو میری آنکھ کے سوا کسی کی آنکھ دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتی +

راقم رام

No sin no grief no pain
Safe in my happy Self
My fears are fled, my doubts are slain
My day of triumph come.
O Grave, where is thy victory
O Death, where is thy sting
My Self to me my kingdom is
Such perfect joy therein I find.
No worldly wave my mind can toss
To me no gain, to me no lo... .
I fear no foe, I scorn no friend
I dread no death, I fear no end

آجکل لچھمن جھولے سے پرے گنگا تیر پر پہاڑوں میں نواس ہے۔
گنگا کیا ہے ویراٹ بھگوان (پرماتما) کا ہردا۔ پرماتما کے ہردیہ یا چھاتی پر
پرماتما کا آتمت (روح) بن کر بسرام کرتا ہوں۔

میں نے کہا کہ رنج و غم اُٹھتے ہیں کسطرح کہو + سینہ لگا کے سینے سے مہ نے بتا دیا کہ یُوں
رام بیکار کبھی نہیں۔ دُنیا بھر میں سبھی کام رام ہی کرتا ہے + ۵

مہر گشتہ کآفتاب کُجا ست +
خواب دو چشم ز دیدہ می پُرسید
مست پُرساں کہ مست را دیدی
بادہ در میکدہ ہمیگردد +
یار خود بے نقاب میگردد
چوں کار مردم میکنند از دست و پا حرکت کنند
از خود جہا بیروں جہم +

آب ہر سُو دواں کہ آب کُجا ست +
کاے جہاں بیں بگو کہ خواب کُجا ست
یا رب آں بیخود و خراب کُجا ست +
گردِ مجلس کہ گوئے شراب کُجا ست
کہ مرا آں یا رب بے نقاب کجا ست
بیکار ماندم جائے حرکت ہم منم ہر جا ستم
گوئے من کُجا حرکت کُنم

از بہر چہ کارے کُنم من رُوحِ مطلبہا ستم

کیا یہ انانیت ہے؟

مغرور اور متکبر کون ہے؟ جو جہل مرکب میں مُبتلا ہو۔ ع
آن کس کہ نداند و نداند کہ نداند +

اہنکاری وہ ہے جو عُہدہ سے خاندان سے روپیہ سے۔ علم سے یا چمڑے کی رنگت سے یا درجہ سے پھٹی پرانی بڑائی کی خلعت اُدھار مانگ کر پہن رہا ہو۔ اور اُس پر نازاں ہو + یعنی ہو تو دراصل غیر سے بھیک مانگنے والا پر اِس اپنے حقیقی

افلاس کو باعثِ عزّت خیال کر بیٹھا ہو + فرعون اور نمرود نے خدائی دعوے کیا تھا۔ کفر اور بھول کے باوجود وہ مبارک تھے کہ ایک دفعہ کلامِ عظیم "انا لحق" تو بول اُٹھے + اُن کا کفر اور بھول فقط یہ تھا کہ اُنہوں نے اپنی ذاتِ پاک کو الزام لگایا۔ اپنے تئیں محدود بنایا۔ اپنے آپ کو "وحدہ لاشریک" نہ جانا۔ حقیقی منزلت کو نہ پہچانا۔ اپنا شریک ایک دوسرا خدا فرض کر کے اُس کی نقل اُتارنا یا ہمسری کرنا چاہا۔ حقیقی کبریائی کو چھوڑ کر بناوٹی تکبّر اختیار کیا۔ جسمانیت میں پھنسے۔ پاؤں کے جوتے کو سر پر چڑھایا۔ اپنے پیروں آپ کلہاڑا مارا۔ اور خود بخود مُشرک و مُلحد بنے + لیکن رام جو خود گلوں کا تنفّس نسیم گلزخوں میں بیران کا دم پھونکنے والا اور منصور کو سردار اور نا صر بنانے والا ہے۔ اس رام کو کیا ضرورت ہے کہ اپنی ذاتی شان کبریائی اور جلال کو چھوڑ کر گداگری یعنی تکبّر اور انانیت اختیار کرے؟ + ۵

نمرود شد مردود چوں بُود شِ نگہ محدود جو　+　ما را نکبّر کے سزد چوں کبریا مولا ستم

یہ دیوانگی نہ ہو

مِن جانب اکثر اہلِ عقل یہ شکایت سُننے میں آئی کہ رام کو مرضِ مالیخولیا ہو گیا۔ مخبوط الحواس ہو چلا ہے + زمانۂ حال کے منطقیوں کا سالار جے۔ ایس۔ مِل لکھتا ہے کہ دو امور میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کا صرف

اُس شخص کو حق ہوتا ہے جو ہر دو واقعات سے بخوبی آگاہ ہو۔ صرف ایک ہی پہلو سے باخبر دونوں کا مقابلہ کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا + اے مقلدانِ مِل و ڈیوڈ ہیوم (David Hume, Mill) یعنی اہلِ عقل و منطق! کیا تُم نے کبھی اِس دیوانگی کا مزا چکھا؟ اِس پاگل پن کا تجربہ کیا؟ اِس سودا کا سواد لیا؟ کبھی نہیں + ؎

دل کے جانے کی خبر عاقل کی کیا جانے بلا + کس طرح جاتا ہے دِل بیدل سی پُوچھا چاہیے

پس تُمہیں کوئی اختیار نہیں اِس مبارک دیوانگی پر حرف رکھنے کا +

اَے آنند (ecstasy بیخودی) پرشیدا لوگوں اِجاؤ شراب تُمہیں یاد کر رہا ہے۔ سرود و سماع بُلا رہا ہے۔ لذیذ کھانے تیار پڑے ہیں۔ حسین عورتیں مُنتظر کھڑی ہیں۔ جاؤ + پر سُنو تو سہی حسینوں میں سرود و سماع میں شراب و کباب میں یا دیگر وشیوں میں وہ کیا ہے جو تُمہیں رات دِن اپنا غلام بنائے رکھتی ہے؟ عزیزو! وہ رام کے دیوانہ پن کی ذرا سی جھلک ہے۔ اور بس + تُمہیں شرم نہیں آتی کیکر کے بھُوت (شراب) سے مصنوعی مستی (دیوانہ پن) اُدھار مانگتے ہو۔ لمحہ بھر کی لذّتِ بیخودی (دیوانہ پن) کی خاطر لہو ہاڑ چام کے وارے نیارے جاتے ہو۔ زبونِ زن ہوتے ہو۔ طرح طرح کے وِشیوں میں گرفتار ہوتے ہو + آؤ۔ شاہنشاہِ زماں کو جو مستی (دیوانہ پن) نصیب نہیں ہے رام مرحمت فرماتا ہے۔ رام ؏ دیوانہ ہے ولیکن بات کہتا ہے ٹھکانے کی

جام شراب وحدت والا	پی پی ہر دم رہ متوالا +
پی بِن واری لا کے ڈیک	اللہ شاہ رگ تھیں نزدیک
سُن سُن سُن لے رام دوہائی	بے انتا کیوں آپ چھپائی
ذات پاک نوں لاء نہ لیک	اللہ شاہ رگ تھیں نزدیک

رو رو کر روپیہ فراہم کرنا اور اُس سے جُدا ہوتے سمے پھر رونا۔ یہ روپیہ کے پیچھے پاگل بننا مناسب ہے۔ اپنی دولتِ ذات کو سنبھالو + بات بات میں لوگ کیا کہیں گے "ہائے فلاں صاحب کیا کہے گا" اِس سہم سے سُوکھتے جانا۔ اوروں کی آنکھوں سے ہر بات کا اندازہ لگانا صرف پبلک کی عقل (رائے) سے سوچنا۔ ذاتی آنکھ اور ذاتی ادراک کو کھوء کر سراسیمہ اور پاگل بننا روا ہے۔ مٹاؤ غیریّت کا نام ونشان اور اپنے تئیں........ بحال کرو + کلاک کے پنڈولم........ ...... کی مانند رنج وراحت کے مابین متزلزل ومتذبذب رہنا ہراساں کر دینے والا پاگل پن ہے۔ اسے جانے دو۔ اپنے اکال سروپ میں قیام (استھتی) ہونے دو۔ ہاں! رام دیوانہ ہے یعنی عقل سے پرے اس کا مقام ہے + بیفائدہ جگت پڑا رہتا اور اُس میں خود گم ہو جانا ایسی حرکات دیوانوں کا کام نہیں تو اور کس کا ہے؟ ؎

دیوانہ ام دیوانہ ام با عقل وہش بیگانہ ام + بیہودہ عالم میکنم ایں کردم ومن خاستم

سودائی نہیں۔ سَو دائی (سَو داؤ جاننے والا) ہے۔ پاگل نہیں۔

پا-گل (رمز دان) ہے ع

میراں رام کی دوائی ـــ دُنیا باوری کہے ؎

ہوش و خرد سے ہمکو سروکار کچھ نہیں + ان دونو صاحبوں کو ہمارا سلام ہے
گر طبیبے را رسد زیں ساں جنوں + دفتر طب را فرو شوید بہ خوں
جنونے کو کہ از قید خرد بیروں کشتم پا را + کنم زنجیر پائے خویشتن دامان صحرا را

راگ جوگ - تال تین

آ وے مقام اُتے آ میرے پیارریا (ٹیک)

پا گل اصلی پاگل ہوجا +
ظاہر صورت دولا مولا +
پستک پوتھی ست گنگا وچ +
سیلی ٹوپی لاہ دے سرتوں
عزت پھوک کی پھوک دُنی دی
جھگڑے جھیڑے فیصل تیرے
پروے پھاڑ دُوئی دے سارے
آپے بھُل بھلاویں آپے +
اُلگل وچ تیرا ایپارا لیٹے

مست الست صفا میرے پیارریا
باطن خاص خدا میرے پیارریا
دم دم الکھ جگا میرے پیارریا
رُنڈ مُنڈ ہوجا میرے پیارریا +
اک دھتورا کھا میرے پیارریا
لیکھا پاک چُکا میرے پیارریا
ایکو ایک لکھا میرے پیارریا
آپے نہیں خدا میرے پیارریا
کھول تنی گل لا میرے پیارریا

سہ دل بہ استدلال بستم ماندم از مقصود دُور + نردبان کردم تصور راہِ ناہموار را +

ٹیک:-	عقل نقل نہیں چاہئے ہمکو ہمیں اک پاگل پن درکار غوطہ وحدت اندر مار لاکھ اُپاؤ کرے پیارے کبھی نہ ملسی یار محو ہو جا دیکھ تماشہ آپے خود دلدار	پاگل پن درکار ✢ ✢ ✢ چھوڑ پواڑے جھگڑے سارے ہمیں اک پاگل پن درکار ہمیں اک پاگل پن درکار ہمیں اک پاگل پن درکار ✢	

رام میدانوں میں

جب ایکانت ابھیاس سے مست و مسرور رام لاہور واپس آئے تو ان کے رنگے ہوئے و محفوظ دل نے اب ان کی زندگی کا رخ پلٹ دیا۔ جیسے پہلے دن رات ریاضی وغیرہ کے پڑھانے اور دنیوی علم کے مطالعہ وغیرہ میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے اب ویدانت چرچا اور مستی کی لہروں میں محو و مستغرق رہنے لگے۔ اور یہ مستی اب انہیں دنیوی کاروبار یا بیوہار میں زیادہ مصروف ہونے نہیں دیتی تھی۔ جس طرح گذشتہ زندگی میں اپنی تنخواہ کا زیادہ حصہ وہ طلبا کی مدد میں خرچ کرتے تھے۔ اب ادارتا اس حد تک پہنچی کہ ہر ماہ تنخواہ ملتے ہی گوسائیں جی کالج کے چپڑاسیوں اور طلبا کے آگے روپے رکھکر کہدیتے کہ "بھگون! اگر آپ کو کوئی ضرورت درپیش ہو تو آپ اس رقم میں سے کر سکتے ہیں"۔ جو کچھ رقم وہاں سے گھر پر لاتے قریباً تمام غریبوں اور سادھوؤں کی سیوا کرنے میں خرچ

ہوجاتی اور زیادہ تر اپنے پاس آنے والوں کو دُودھ پلانے میں صرف ہوتی تھی ٭ گوسائیں جی کے والد شریف گوسائیں ہیرانند جی اپنے بیٹے کی عادات سے مجبور ہوکر ہر ماہ عین تنخواہ ملنے کے موقعہ پر لاہور پہنچ جانے لگے ٭ اب تھوڑی سی رقم گوسائیں جی کے ہاتھ آتی اور باقی کُل والد شریف اپنے ساتھ گاؤں میں لیجاتے تھے۔ خیر اس طرح سے بھی جو قلیل رقم گوسائیں جی کے ہاتھ لگتی وہ زیادہ تر مختلف فنڈوں کے چندوں اور سادھو مہاتماؤں کی سیوا میں صرف ہوتی تھی ٭ رام کے چند واقف کاروں کا بیان ہے۔ کہ ہر ماہ کے آخیر دنوں میں رام کی جیب خالی رہتی تھی۔ اور بسا اوقات اُن دنوں میں فاقہ مستی بھی رہتی تھی ٭

علاوہ ماہواری تنخواہ کے بہت سی رقم آپ کو انٹرنس و مڈل کے سالانہ امتحانوں کے پرچے دیکھنے میں بھی ملتی تھی۔ مگر وہ سب کی سب تین طرح سے صرف ہوتی تھی۔ یا کتابوں کے خریدنے میں یا کپڑوں کے سلوانے میں اور یا دُودھ کے پینے اور پلانے میں ٭ اولاً تو خود صبح و شام دُودھ پیا کرتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات مہینوں محض دُودھ پر ہی زندگی بسر کرتے تھے۔ اور دوم جو کوئی بھی رام کے گھر میں قدم رکھتا تھا۔ اُس کی بھی دُودھ سے خاطر تواضع ہوتی تھی۔ اسلئے کم از کم ۳۲ روپیہ ماہوار کا بل ہر دفعہ صرف حلوائی کا بن جاتا تھا۔ اور کپڑوں کے بل کی یہ حالت تھی کہ ایک درزی اِس کام کے لیے مقرر تھا۔ اور گھر میں یہ کھُلا حکم تھا کہ جس کی مرضی ہو جتنا اور جیسا کپڑا پہننے کا بنوانا چاہے وہ براہ راست

سیدھا مقرّرہ درزی کے پاس چلا جاوے اور اُس سے سِلوا لے۔ اور جب سادھو مہاتما بھی اس غرض سے اُن کے پاس آتا تھا وہ بھی اس مقرّرہ درزی کے پاس بھیجا جاتا تھا۔ اس طرح سے ہر ماہ درزی کا بِل قریب للعہ ۲۴ روپیہ کے ادا ہوتا تھا۔ اور کتابوں کے لئے میسرز رام کرشن اینڈ سنز بُک سیلرز انارکلی لاہور کا فرم مقرّر تھا۔ جو بھی نئی کتاب فلاسفی یا ریاضی پر نکلتی وہ جھٹ اُس فرم کی معرفت منگوائی جاتی اور پڑھنے کے بعد لائبریری میں جمع کی جاتی تھی۔ اُس فرم کا بِل بھی ہر ماہ درزی کے بِل کے برابر ہوتا تھا۔ اس طرح کُل ماہواری آمدنی ہر ماہ خرچ ہو جاتی اور اُس میں سے ایک کوڑی بھی آئندہ کے لئے جمع نہ کی جاتی تھی۔ بلکہ دُوسرے دِن کے آٹے دال کا ذرا بھی فکر نہ کیا جاتا تھا۔ ایسی بے زری کی حالت میں بھی جو مستی و بیفکری رام کے قلب میں موجزن رہتی تھی وہ اُن کے اُن خطوں سے واضح ہوتی ہے۔ جو انہیں ایام میں اُنہوں نے بھگت جی کو لکھے۔ چند خطوں کی نقل نیچے دی جاتی ہے +

از لاہور۔

۲۸ ستمبر ۱۸۹۵ء

آ میرے بھنگیا تُو آ بھنگ پی جا +	آ میرے بھنگیا نشنگ بھنگ پی جا
بھر بھر دنیاں میں بھنگ کے پیالے	نشنگ بھنگ پی جا۔ نہنگ بھنگ پی جا

دُنیا نہیں یا روتی ہے۔ بھنگ ہر وقت گھُٹ رہی ہے۔ شِو کی آنکھ کھُلی

پیالہ جھٹ حاضر ہُوا۔ بلکہ اِس کو بھنگ یا شراب کہنا بھی دُرست نہیں۔ یہ تو شراب کا نشہ ہے۔ یہ تو بھنگ کی مستی ہے۔ آپ کو میری قسم سچ کہو۔ اِس مستی اور آنند کے بِنا جگت تین کال میں کبھی کچھ اَور بھی ہُوا ہے؟ ہرگز نہیں۔

میں یہ نشہ یہ مستی۔ شنتو۔ بھلا کیا سوچوں۔ کیا سمجھوں؟ رام کیا سوچے سمجھے؟

(۱) سوچنا نامعلوم اشیاء کے واسطے ہوتا ہے۔ اُسے سب معلوم ہے۔

(۲) سوچنا غائب چیزوں کے لئے ہوتا ہے۔ اُس کے لئے سب حاضر ہے۔

(۳) سوچنا کسی مُراد کے حصول کی خاطر ہوتا ہے۔ اُس کی کُل مُرادیں ہر وقت حاصل ہیں۔ جس کو دُنیا میں سوچ سمجھ اور عقل کہتے ہیں یہی کمال درجے کی بیوقوفی ہے

۵

جت دیکھوں تت بھریا جام
نِتّیہ ترپت سُکھ ساگر نام
دیکھا سُنا کھایا نا کام
کیا سوچے کیا سمجھے رام

پی پی مستی آٹھوں یام +
گرے بنے ہم تو آرام +
تین لوک میں ہے بِسرام
تین کال جس کا نِج دھام

مہا باک (کلام عظیم)

(۱) گھُنڈ کدھ کے کیوں چَن مُونہہ اُتّے او ہلے رہیوں کھلوئے۔ فقیرا آپے اللہ ہو

(۲) تیرے گھٹ وِچ رام وسیندا۔ کیوں پیا بھرنائیں توہ۔ فقیرا آپے اللہ ہو

(۳) رام رحیم سب بندے تیرے۔ تینوں کسدا بھؤ۔ فقیرا آپے اللہ ہو

(۴) تُو مُولا۔ نہیں بندا چندا۔ جھُوٹ دی چھنڈ دے خوہ۔ فقیرا آپے اللہ ہو

(۵) چھنڈ موہرا۔ سُن رام دوہائی۔ اپنا آپ نہ کوہ۔ فقیرا آپے اللہ ہو

نچھ کرنا   رام

رام کا ناچ

یکم اکتوبر ۱۸۹۸ء

راقم شنری دھنا رام۔ از لامکان

ع   ما را نکنید یاد ہرگز + ما خود ہستیم یاد بے ما

رو کے جو التماس کی دل سے نہ بھولیو کبھی + دُوئی مِٹا۔ اَحد بنا۔ اُسنے بھلا دیا کہ یوں

—— ؛ ——

آج تو ناچنے کو جی چاہتا ہے۔

ناچُوں میں نٹ راج رے۔ ناچُوں میں مہاراج

(۱) سُورج ناچُوں۔ تارے ناچُوں (بالکرشن)۔ ناچُوں مَیں مہتاب رے۔ ناچُوں مَیں نٹ راج

(۲) ذرّہ ناچُوں۔ سمُدر ناچُوں۔ ناچُوں موگھر کاج رے۔ ناچُوں مَیں نٹ راج

(۳) تن بتیرے میں دم ہو ناچُوں۔ ناچُوں ناڑی ناڑ رے۔ ناچُوں مَیں نٹ راج

(۴) بادر ناچُوں۔ بایُو ناچُوں۔ ناچُوں ندّی اور آب رے۔ ناچُوں مَیں نٹ راج

(۵) گیت راگ سب ہووت ہر دم۔ ناچُوں پُورا ساج رے۔ ناچُوں مَیں نٹ راج

(۶) گھر لاگو رنگ۔ رنگ گھر لاگو۔ ناچُوں بابا راج رے۔ ناچُوں مَیں نٹ راج

(۷) مدھوا۔ لب۔ بدمستی والا۔ ناچوں پی پی آج رے۔ ناچوں میں نٹ راج
(۸) رامؔ ہی ناچیت۔ رامؔ ہی باجت۔ ناچوں ہو نِرلاج رے۔ ناچوں میں نٹ راج

نوٹ:۔ یہ خط گوسائیں جی نے بھگت دھنا رام جی کو ایسی محویت کے عالم میں لکھا ہے کہ بجائے اپنے آپکو راقم کہنے کے بھگت دھنا رام جی کو ہی راقم تحریر فرمایا ہے +

امراض رُوپی بھانڈوں کا مجرا

ازلاہور
۶ر نومبر ۱۸۹۶ء

اوم شری

ستیم گیان مننتم برہم۔ آنند امرت۔ شانتی نکیتن۔
منگل منئے شوروپم۔ شُدھم۔ اپاپ ودھم۔

ہمارے شریر رُوپی محل میں تندرستی رُوپی کنجری کو اپنا راگ رنگ سُناتے اور تماشا دکھاتے بہت دیر ہو گئی تھی۔ اب بخار۔ درد معدہ۔ سانس کی نہایت سُرعت۔ اور کھانسی رُوپی بھانڈوں کے مجرے کی باری تھی۔ سو انہوں نے ایک پورا ہفتہ اپنی شور و غل والی نقلوں سے دھوم مچائے رکھی۔ کالج کا جانا بند رہا۔ آج بھائی گورو داس اور باغ بوٹا مل بھی یہ تماشا دیکھکر مُرار یوالہ کو رخصت ہوئے ہیں۔ امرتسر جانا ہے تو دیر دوارے سے پہلے چلے جانا

از رامؔ

بناگوڑی رام بادشاہ

۱۱ر دسمبر ۱۸۹۸ء

اوم

القاب مذکورہ بالا

کرپا پتر ملا۔ جس میں لکھا تھا۔ کہ "پتہ نہیں آپ کیا خیال کرتے رہتے ہیں"۔ یقین جانو کہ جس طرح آپ کے گوجرانوالہ والے شریر کو پتہ نہیں کہ تیرتھ رام کیا خیال کرتا رہتا ہے۔ ٹھیک اُسی طرح آپ کے لاہور والے شریر کو بھی کچھ پتہ نہیں کہ رام کیا خیال کرتا رہتا ہے۔ رام میں کوئی خیال نظر نہیں آتا۔ کوئی خیال ہو تو دکھائی دے۔ لاریب ذات اور نرمل چدآکاش میں خیال رُوپی دُھول کہاں؟

رام:۔ چدآکاش نرمل گھن مانہ + پھر نا دھول کداچت نانہ

خط لکھنے میں دیر کی ایک یہ وجہ ہے کہ کوئی کارڈ لفافہ پاس نہیں تھا۔ اور کوئی پیسہ وغیرہ بھی پلّے نہ تھا۔ آج ایک کتاب میں سے تین ٹکٹ مل گئے۔ اور آپ کا جواب طلب کارڈ بھی سامنے موجود پایا۔ خط لکھا گیا ہے۔

یہی حال کھانے پینے کے متعلق کی اشیاء (مثل آٹا۔ گھی۔ وغیرہ) کے بارے میں رہتا ہے۔ آج لیمپ میں تیل نہیں ہے۔ اس لئے آج رات گھر نہیں ٹھیرینگے۔ شہر کے ارد گرد سیر کی جاویگی۔ دونوں ہاتھوں میں لڈّو ہیں۔

اُوپر کے حالات سے یہ نتیجہ نکال لینا کہ ہائے ہائے رام بڑا تنگدست اور دُکھی رہتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اس بیرونی تنگدستی اور غریبی ہی کی وجہ سے

لا انتہا درجے کی امیری اور بادشاہی کر رہا ہے۔ یہ سبق پک گیا ہے کہ جب کسی حاجت کو رفع کرنے کے سامان موجود ہوں تو وہ حاجت ہی محسوس نہیں ہوتی (اور واقع میں جب ساماں موجود نہ ہوں تو حاجت کا محسوس ہونا کاذب محض ہوتا ہے) پہلے تو بڑے فکر کے ساتھ ضروریات کے پورا کرنے کی کوشش ہوا کرتی تھی۔ اب ضروریات بیچاری خود بخود پوری ہو کر سامنے آ جائیں تو اُن پر آنکھ پڑ جاتی ہے ورنہ اُن کے نصیب ہیں رام کی توجہ کہاں؟ پرار بدھ کرم اور کال رُوپی خادموں کو سو دفعہ ضرورت ہو تو آن کر رام بادشاہ کی قدم بوسی کریں۔ ورنہ اس شاہنشاہ کو کیا پرواہ ہے اِس بات کی کہ فلاں غلام مجرا کر گیا ہے کہ نہیں۔

رام۔ سو بار غرض ہوئے تو دھو دھوئیں قدم
کیوں چرخ و مہر و ماہ پہ مائل ہُوا ہے تو
خنجر کی کیا مجال جو اِک زخم کر سکے
تیرا ہی ہے خیال کہ گھائل ہُوا ہے تو

اوم۔ اوم۔ اوم

۱۹ ر دسمبر ۱۸۹۸ء　　　　القاب مذکورۂ بالا

آنند۔ آنند۔ آنند۔ بہت آنند ہے

رات اور دن صرف زمین ہی کے واسطے ہیں۔ سورج میں نہ رات ہے نہ دن ہے وہاں تو پرکاش ہی پرکاش ہے۔ سکھ دکھ۔ ترشنا۔ اور سنشے زمین کے لوگوں کے لئے ہیں۔ آپ تو پرمانند گھن ہو۔ پرکاش ہی پرکاش ہو۔

رام:- ایہ لس کا سورج میں ناسن + اہم پرکاش پرکاش پرکاش

اگنی کو ٹھنڈک لگے جل کو لگے پیاس   آنند گھن مم رام سے کیا آشا کو آس

اکائی ذات میں میری اسنگھوں رنگ دیکھیں ہیں
مزے کرتا ہوں میں کیا کیا۔ اہا ہاہا۔ اہا ہا ہا ٭

رام

مشن کالج سے علیحدگی اور اورنٹیل کالج میں ملازمت

جب سے رام اکھنڈ سے واپس آئے مستی نے زندگی کا رُخ تو پلٹ ہی دیا تھا مگر اب دل کی یہ حالت ہو گئی کہ جیسا وہ اِن مستی کے بیوہاروں دھرم اُپدیشوں میں رجوع کرتا ویسا دنیوی کاروبار میں مائل نہ ہوتا تھا۔ اِس لئے مشن کالج کی چھ گھنٹہ کی ملازمت اب کچھ دوبھر معلوم دینے لگی۔ ادھر تو دِل اس زیادہ وقت لینے والی ملازمت سے اُچاٹ ہو گیا اُدھر قدرت نے ایسا اتفاق بنا دیا کہ ان کو مجبوراً ملازمت چھوڑنی پڑی۔

مشن کالج میں دیگر پروفیسروں کے مقابلہ میں علمی لیاقت کے علاوہ رام کو ایک خاص فضیلت یہ بھی حاصل تھی کہ جہاں مشنری لوگ طلباء کو بائبل کے اُصول سکھانے اور حضرت عیسیٰ کے گیت سُناتے تھے۔ وہاں رام بورڈ پر ریاضی کے سوال سمجھاتے وقت ریاضی سے ویدانت کے اُصول بھی ثابت کرتے تھے۔ اور موقع پاتے پر تصوف سے عقیدوں کو اپنی انگریزی و اُردو نظم میں۔ یا پنجابی بُلھے شاہ و فارسی مولانا رُوم کے اشعار کو پڑھ

پڑھ کر وجد میں آتے اور طلباء کو اپنا والہ و شیدا بناتے رہتے تھے اور یہ صاف ظاہر ہے کہ جو عالم و فاضل ہو اور ساتھ عشقِ الٰہی میں رنگا ہُوا بھی ہو اُس کے کلام کا اثر طالب علموں پر کیسا نتیجہ خیز ہوتا ہے۔ کالج کے طلباء گوسائیں جی کی علمی لیاقت اور عملی زندگی سے ایسے خوش رہتے تھے کہ دوسرے کالجوں کے لڑکے بھی اُن کی ہستی کا حساب کر کے جوق در جوق مشن کالج میں داخل ہونے کو آتے اور کہتے کہ جس سیکشن (فریق) میں گوسائیں تیرتھ رام جی پڑھاتے ہیں ہم اُس سیکشن میں داخل ہونے آئے ہیں۔ ایشور جانے دُوسرے پروفیسروں یا مشنریوں کو اس پر حسد کیوں آیا۔ اُنہوں نے گسائیں جی کو مشورہ کے طور پر یوں صلاح دی کہ ”جن کی جگہ پر آپ قائم مقام تھے وہ پروفیسر صاحب اب ولایت سے آنے والے ہیں۔ اِس لئے آپ کو چاہئے کہ جہاں کہیں کسی کالج میں جگہ خالی ہو اُسکو حاصل کرنے کی کوشش کریں ورنہ چند ہفتے کے بعد خالی بیٹھنا ہوگا وغیرہ“ اتنا سننا تھا کہ گوسائیں جی کا دل بہت خوش ہُوا۔ کیونکہ پہلے ہی سے وہ اس ملازمت کو چھوڑنا چاہتے تھے اور اُس وقت اورینٹل کالج میں اتفاق سے ریڈری کی جگہ خالی تھی اور وہ محض دو گھنٹے کی ملازمت تھی جو گوسائیں جی کے حسبِ منشاء تھی اُن کو وہ مل گئی اب محض دو گھنٹے وہاں کام کر کے باقی کل وقت ویدانت چرچا اور آتم وچار میں صرف ہونے لگا۔ کچھ عرصہ بعد آپ کو ویدانت و ریاضی پڑھانے

کا کام اُسی کالج میں سپرد ہوا۔ اس کام سے دِل پر اور بھی خوب اثر پڑا گویا سونے پر سوہاگہ چڑھ گیا اور اس کام یعنی ڈیوٹی نے گوسائیں جی کے دِل کو پہلے سے بھی زیادہ اُدار اور وسیع کر دیا +

سمندر میں ایک اور ندی آن پڑی۔

اِس مسنی کے زمانے میں گوسائیں جی کے گھر لڑکا تولّد ہوا۔ جس کا نام بعد ازاں برہمانند رکھا گیا۔ چونکہ یہ لڑکا اُنکے گانوں مُراری والہ میں پیدا ہوا تھا۔ وہاں سے بھگت دھنّا رام جی نے اس خوش خبری کی اطلاع دی۔ جس کا جواب گوسائیں جی ۲۵ فروری ۱۸۹۹ء میں یُوں دیتے ہیں۔

آپ کے ایک خط سے جو غالباً سردار صاحب سنگھ جی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا معلوم ہوا کہ لڑکا تولّد ہوا ہے۔ سمندر میں ایک ندی آن پڑے تو کچھ زیادتی نہیں ہو جاتی اور ندی کوئی نہ گرے تو کچھ کمی واقع نہیں ہوتی۔ سورج کا جہاں پرکاش ہو وہاں ایک دیپک رکھا گیا تو کیا اور نہ رکھا گیا تو کیا؟ جو علیٰ مناسب ہے وہ خود بخود پڑا ہو گا۔ کسی قسم کا فکر سوچ ہم کیوں کریں؟ یہ سوچ یا فکر کرنا ہی نامناسب ہے۔ ہم گیانی نہیں گیان ہیں۔ دیہ سے واسطہ ہی کچھ نہیں۔ دیہ اور اُسکے سمبندھی جانیں اور اُنکی پراربدھ جانے ہمیں کیا؟

मनो बुद्ध्यहंकार चित्तानि नाहं न च श्रोत्र जिह्वे न च घ्राण नेत्रे।
न च व्योम भूमिर्न तेजो न वायुश्चिदानन्दरूपः शिवोऽहं शिवोऽहम्॥

نہ من ہوں نہ بُدھی نہ ہوں چِت ہنکار	نہیں کرن جیہا نہ چکشو نہ آکار
نہ ہوں پرتھوی آپ تیج ناکاش اور ہوں	چدآنند ہوں روپ شنکر ہوں شِو ہوں

نوٹ - رڑکے سے مُراد یہاں گوسائیں تیرتھ رام جی کے نورچشم گُسائیں برہمانند سے ہے جو آجکل تعلیم پا رہا ہے -

کشمیر کی سیر اور امرناتھ کی یاترا

اس سال موسم گرما کی رُخصتوں میں گوسائیں جی کشمیر کی سیر کو گئے - اور سِری نگر پہنچکر امرناتھ کی یاترا کی اِس کُل سیر و یاترا کا مختصر و دلچسپ حال گُسائیں جی نے اپنی قلم سے خود تحریر فرمایا ہے - اِس لئے وہی نقل بجنسہ یہاں دیجاتی ہے تاکہ رام پیارے اس قلم کے لُطف سے بھی فائدہ اُٹھائیں +

سیر کشمیر

ہوائے خوش، فضائے خوش صدائے آبشارے خوش

بہارے خوش، نگارے خوش، چنار سایہ دارے خوش

اے رام! یہ سب بے رحمی ٹھیک نہیں، نیچر نے تیری خاطر رنگارنگ کے ڈوپٹے رنگوائے ہیں - نئی نئی پوشاکیں پہنی ہیں - اور تو اُس کی طرف نیم نگاہ بھی نہیں ڈالتا - یہ ظلم مت کر چل درشن دے +

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ برکف	بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد
عزیزاں وقت و ساعت می شمارند	رفیقاں چشم و دل در انتظار اند

سرو فدا جہاں جہاں برلب جو رواں رواں ٭٭ فرش رہ تو قمریاں طالع شان پا گُشا

نظارۂ اوّل

پہاڑی کھیت کھیتر کے بنچوں کے ڈھنگ پر آراستہ ہیں۔ ایک کے پیچھے دوسرا زیادہ بلندی پر بچھا ہوا ہے۔ پانی اُوپر سے گرتا ہوا سارے کے سارے ایک بنچ پر کیاں بھر جاتا ہے۔ وہاں کے سبز دھانوں کو سیراب کرنے کے بعد دوسرے بنچ پر اُترتا ہے۔ علیٰ ہذا تیسرے پر۔ صبح کے وقت سبز کھیت میں جا بجا پانی کی سفید جھلک یُوں معلوم ہوتی ہے جیسے کسی معشوق کے گورے بدن کا سبز پوشاک میں سے نظر پڑنا۔ لیکن دوپہر کو دُور سے دیکھ جائیے تو سبز پانی ہی پانی نظر آتا ہے اور پہاڑ چاندی کا سا بن جاتا ہے۔

ایک تختۂ سبز پر سے رام گذر رہا ہے۔ لق و دق سبز میدان ہے فرحت افزا ہوا بے روک ہر وقت چلتی رہتی ہے۔ کُشادہ میدان اُفق ( ) کے متوازی نہیں ہے بلکہ مثل اُس نازنین کی پیشانی کے سلامی وار ہے جو نشۂ حُسن میں مست ہو کر چاند کو آنکھیں دکھا رہی ہو۔ گھاس کیا ہے نہایت مُکلّف صاف چادریں بچھی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے پریاں اسی جگہ ناچ کر راجہ اندر کی خوشنُودیٔ مزاج کے پروانے حاصل کیا کرتی ہیں۔

راگ بھیروی۔ تال سُول۔

(۱) بھلا ہُوا ہر بیسُر وسر سے بڑی بلا (ٹیک) جیسے تھے ویسے بھئے اب کچھ کہا نہ جا

(۲) مُکھ سے جپُوں نہ کر جپوں اُر سے جپوں نہ رام
(۳) رام مرے تو ہم مرے ہمری مرے بلا
(۴) حد پڑھے سو اولیا - بیحد پڑھے سو پیر
(۵) حد حد کرتے سب گئے بیحد گیا نہ کوئے
(۶) من انسو نرمل بھیو جیسے گنگا نیر

رام سدا ہمکو بھجے ہم پاویں بسرام
ست پرش لبو جان جب مرے نہ مارا جائے
حد بیحد دونوں پٹے تاکا نام فقیر
حد بیحد میدان میں رہیو کبیرا سوئے
پیچھے پیچھے ہر پھرے کہت کبیر کبیر

نظارۂ دوم

شراب کے پیالہ (بادیہ) کی صورت میں پہاڑوں کی ہیئت عین وسط میں آبِ زلال پانی نہایت شیریں ذائقہ امرت کا چشمہ ہو درخت نہایت بلند۔ گھن کے سایہ والی بیلیں قدرتی ہنڈولوں کی بہار دے رہی ہیں - مزیدار جھولے لٹک رہے ہیں۔ رام جھولتا ہے اور گاتا ہے -

راگ پیلو - تال دھمار

(۱) دریا سے حباب کی ہے یہ صدا تم اور نہیں ہم اور نہیں
مجھ کو نہ سمجھ اپنے سے جُدا تم اور نہیں ہم اور نہیں
(۲) جب غنچہ چمن میں صبح کھِلا تب کان میں گل کے یہ کہنے لگا
ہاں آج یہ عقدہ ہے ہم پہ کھلا - تم اور نہیں ہم اور نہیں
(۳) آئینہ مُقابل رُخ جو رکھا - جھٹ بول اُٹھا یوں عکس اُسکا
کیوں دیکھ کے حیراں یار ہوئے تم اور نہیں ہم اور نہیں

(۴) ناسوت میں آکے یہی دیکھا ہے میری ہی ذات سے نشوونما
جیسے پنبہ کا تار سے ہو رشتہ - تُم اور نہیں ہم اور نہیں

(۵) تو کیوں سمجھا مجھے غیر بنا اپنا رُخ زیبا نہ ہم سے چھُپا
چک پردہ اُٹھا ٹک سامنے آ تُم اور نہیں ہم اور نہیں

(۶) دانے نے بھلا خرمن سے کہا چُپ رہ اِس جا نہیں چُون و چرا
وحدت کی جھلک کثرت میں دکھا تُم اور نہیں ہم اور نہیں

اِدھر اُدھر رام کی سینا کلول کر رہی ہے - چھوٹے چھوٹے ممولوں ایسے رنگارنگ کے پرندے بیل بُوٹوں پر پھُدک رہے ہیں اور آواز خوش آیند پر چہچہا رہے ہیں - سفید سفید جھاگ کے اندر سے نیلا پانی اِس طرح جھلک رہا ہے جیسے گورے رنگ بدن پر نیلی نیلی رگیں - بعض جگہ پانی کے نیچے پتھروں کی یہ چمک ہے کہ اگر دسب جگہ اپنا گھر نہ سمجھنے والا" کوئی آدمی یہاں ہو تو فی الفور اُس کے جی میں یہی آئے کہ جیسے بنے اِن سنگریزوں کو چُرا کر گھر ضرور لیجاؤں - لیکن گھر کیسا؟ یہ وہ مقام ہے کہ جب ایک دفعہ دیکھا تو یہی گھر کر بیٹھنے کی خواہش ہوتی ہے - چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا -

ہائے رے دُنیا کی ہوا و ہوس! تیرے رسّے کیسے مضبوط ہیں ایسے آنند کے آغوش سے بھی لوگوں کو کھینچ لے جاتی ہے - پھر گرمی میں رولاتی اور مٹی میں ملاتی ہے -

سوال - یہاں دُنیا و مافیہا گم ہے - آنند ہی آنند ہے - سورگ یا بہشت کہیں اسی کا نام نہ ہو؟

رام - ہاں خوب سمجھے۔ شبھ کرموں والا - اقبال مند جگت جنجال سے چھٹی پاکر کہیں ادھر آتا ہے کچھ دیر آرام کرتا ہے - پھر پورب بلے سنسکاروں سے کھچا ہوا گر جاتا ہے - یہی سُورگ ہے۔

اگر فردوس بر رُوئے زمین ست ❊ ہمین ست و ہمیں ست و ہمین ست

لیکن میرا مقام (پرم دھام) یہ نہیں - کیونکہ میرے آنند کی وہ کشش ہے کہ دُنیا کی کوئی خواہش اس پر غالب نہیں آسکتی - اور اس سے نہیں ہٹا سکتی - وہاں سے واپس آنا چہ معنی؟

رُخصت دے باغباں کہ ذرا دیکھ لیں چمن ❊ جاتے ہیں واں جہاں سے پھر آیا نہ جائیگا

راگ سورٹھ - تال تین

مان ماں مان کیا مان سے مِرا
جانے بنا سروپ غم نہ جائے گا کبھی
نینن کے نین جو ہیں سو بینن کے بین ہے
اے پیاری جان! جان تو پھولوں کا بھوب ہے

جان جان جان روپ جان لے مِرا
کہتے ہیں بید بار بار بات یہ سبھی
جسکے بغیر شریر میں نہ پلک چین ہے
اناجت ہے پر کرتی سدا جُز ہو رہے

نظارۂ سوم

کوکرناگ کے پاس ایک پہاڑ کی چوٹی پر رام آسن جمائے بیٹھا ہے - چاروں

طرف پہاڑوں پر کیاریوں کے اوپر کیاریاں ہیں کہ کرسیاں بچھی ہیں ان کرسیوں پر پون۔ ورن۔ آوبیتہ۔ کوبیر۔ وغیرہ دیوتاگن متمکن ہیں۔ شہنشاہ رام کا اجلاس لگا ہے۔ نیچے میدان میں دھانی۔ سبز۔ سرخ۔ زرد رنگوں کے قالین اور غالیچے (گھاس) آراستہ پیراستہ ہیں۔ اس تماشا گاہ میں کنچنیاں (ندیاں) عجب بانکپن سے ناچ رہی ہیں۔ اور شنکر ربیز نغمے لگاتی ہوئیں من کبھا رہی ہیں۔ واہ رے دلربائی۔ جس نے پاس جا کر آنکھ لڑائی۔ اسی سے یہ مدارات کہ ہاں میرے دل وجگر میں تیری جا ہے (شفاف پن) بیلوں کے ہار ڈالے۔ سرخ۔ زرد نیلگوں۔ پھول کانوں میں پہنے جھوم جھوم کر یہ بانداز بالا اشجار کیا کر رہے ہیں۔ ندیوں کے حسن کی داد دیر ہے ہیں۔ ؎

دلبر دلربائے من میکند از برائے من ٭ نقش ونگار رنگ وبو تازہ بتازہ نو بنو

غلط گفتم۔ جن کو (ندیاں) ہم لولیانِ شوخ سمجھتے تھے وہ ناگ اور ناگنیاں ہیں کاٹے کھانے والے (نہایت سرد) سانپ ہیں۔ کہ لہراتے لہراتے بل کھاتے ساں ساں مچاتے چلے جارہے ہیں۔ شنکر (امرناتھ) نے اپنے سانپ بھیجے ہیں کہ رام کے آگے مجرا دکھائیں۔

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

ہوتا ہے نہاں خاک میں صحرا مرے آگے
گھستا ہے جبیں خاک پہ دریا مرے آگے

جز نام نہیں صورتِ عالم مرے نزدیک
جز وہم نہیں ہستیِ اشیا مرے آگے

نظارۂ چہارم

سڑک کے دونوں کناروں پر آمنے سامنے قطاروں میں شمشاد آسمان سے باتیں کرتے ہوئے کھڑے ہیں۔ گویا کشیدہ قامت معشوق ہیں کہ لباسِ سبز دربر کئے بدن سے بدن ملائے رام کے انتظار میں صف آرا ہیں عجب نظارہ ہے۔ بعض بعض مقامات پر تو شمشاد ایسے تنگ ایستادہ ہیں کہ بیچاروں کا کندھے سے کندھا چھلتا ہے۔ اور یوں سر بفلک ہیں کہ اگر مطلع صاف ہو اور سڑک پر ٹھہر کر آسمان کی طرف نظر اٹھائی جائے۔ نور روز روشن میں دن دوپہر کے وقت تاروں کا نظر آنا کچھ بڑی بات نہیں۔

ایک دن ایسی سڑک پر اننت ناگ کے قریب گھوڑے پر سوار رام جا رہا تھا بادل گھر رہے تھے۔ ہوا شمشادوں کی زلفوں سے اٹکھیلیاں کر رہی تھی۔ یکایک گھٹا تمام آسمان پر پھر گئی۔

وہ آئی وہ آئی وہ آئی گھٹا ❊ گلستانِ عالم پہ چھائی گھٹا
گھٹا کالی کالی دھنش لال لال ❊ کنہیا کے اوپر ہے جیسے گلال

پیچھے سے ایک نغمہ کی آواز نکلی۔ ہوا پر سوار ہو کر پھیلنے لگی۔ بادلوں تک گونج سے تمام عالم بھر گیا۔ یہ ایک پہاڑی لڑکا بانسری بجا رہا تھا۔ کیسا سماں بندھ گیا آہا ہا ہا۔ بادل کے ساتویں پردے تک وہ سُریں دھس گئیں اب کس میں تاب تھی کہ گھوڑا بڑھا کر آگے نکل جائے۔ نغمہ تال کے ساتھ گھوڑے کا قدم اٹھنے لگا میل ایک

گذر گئے اور خیال تک نہیں آیا۔

اب ذرا غور کیجئے۔ اُس بانسری سے گول چند کا گوپیوں کو سانپ کی طرح بلوں سے کھینچ لانا اور نقش بر دیوار بنائے رکھنا کیا مشکل تھا؟

ایک دل تھا سو وہ بھی کھو بیٹھے
اچھے خاصے فقیر ہو بیٹھے
اب سٹھائیں گے آپ کو کس جا
ایک مدت کے دل کو رو بیٹھے
آں شعلہ رُو بہ غمزہ دلم راکباب کرد
مارا چہ کرد؟ خانۂ خود را خراب کرد

نظارۂ پنجم

دونوں طرف سبز سبز پہاڑ۔ گھن کا سایہ۔ بیچ میں برلب جوئبار رام جا رہا ہے۔ ہری ہری کونپلوں۔ پیاری پیاری پتیوں۔ دلفریب سنبل اور نرم نرم گھاس سے آنکھیں نہال ہو رہی ہیں اور جی باغ باغ۔ قدم قدم پر آبشاروں کی بہار۔ اور ٹیڑھے ترچھے قدرتی گلزار۔ نشاءِ ذات میں سرشار کر رہے ہیں۔ ہرے بھرے درختوں کے جھرمٹ کانوں میں پھول گلے میں بیلوں کے ہار ڈال کر چڑھتی جوانی کے خمار میں براتیوں کا سنگار کر رہے ہیں۔

برلب جوئے جہاں باساز و برگ تازہ ⁂ ہر زماں آید خراماں باز جوشِ زنار من

خوبانِ گلزار فطرت رام کی ایک نگاہِ ناز پر اپنا جوبن بیچنے کو مینا بازار لگائے پرے کے پرے جمائے جمع ہیں۔

یونانی میتھالوجی سے سُنا ہے کہ حسن کی پری بچپن میں سے پیدا ہوئی تھی۔

لیکن ع شنیدہ کے بُود مانند دیدہ ٭ یہاں اِن آبشاروں کے پھین پر تکشش ناچ (نرت) کرتی دیکھو ٭ پانی ازنا گوگھر لیکن شفاف ایسا کہ پیاری گنگی (گنگاجی) یاد آتی ہے۔ گوپیاں اگر یہاں نہائیں۔ تو گول چند کو کبھی ضرورت نہ پڑتی کہ ان کو برہنہ تن دیکھنے کے لئے پانی سے باہر نکلنے کی تکلیف دیتا۔ یہ جھلکتے جھلکتے اونچے آبشار چاندی کے کمند اور رستے معلوم دیتے ہیں کہ جن کو پکڑ کر عالم عُلوی کو چڑھ جائیں یا یہ ہیرے کی گات والی کنجنیاں (چادریں) ہیں جو سر کے بل رقص کناں زمین خدمت چوم رہی ہیں اور نہایت سُریلی آواز سے رام کی مہماں کے گیت گاتی جاتی ہیں ؎

آب از برائے دیدنم می آید از فرسنگہا
بیخود شدہ از خرمی غلطاں شود بر سنگہا

آج ورزش نہیں کی آؤ کچھ دیر اس آبشار کے نیچے چھاتی رکھتے ہیں کافی ورزش ہو جائیگی۔ اپنی چھاتی کے رقبہ ۱ در سرعت آب کے مجذور وغیرہ پر عمل ریاضیہ کرنے سے متحرک پانی کا دباؤ معلوم کرینگے لیکن اُف یہ زور کا پانی۔ یہ تو کُل ریاضی و ریاضی بہائے لے جا رہا ہے۔ انیٹوں سے بھی بڑھ چڑھ کے ہے اسکے آگے چھاتی رکھنے سے تو یہی بہتر ہو گا کہ چار پانچ پتھر مار کر کلیجہ شق کیا جائے۔ اے پانی تیری نرمی جو ضرب المثل ہے آج کیا ہوئی، تمہاری بلبلانا کہاں بہ گئی کہ اس گرمجوشی کے ساتھ دوڑے جا رہے ہو یہ جوش و خروش یہ تندی تیزی۔ یہ گرمی کیوں؟

جواب آب۔ (الف) ہیں تو سدا شیتل ہوں سپرش کر کے دیکھ لو۔ بدن ٹھٹھر نہ

جائے تو سہی۔ یہ گرمی و رمی تماشا گن کے ذہن میں ہے (ب) میں تو ہر وقت نرم ہی ہوں آپ کی سینہ زوری ہے کہ اُلٹا مجھ میں سختی مفروض ہوئی ہے۔

پیارے ناظرین ذرا غور کرنا۔ سنسار سمندر کی تُرشی و تلخی کہاں؟ تمہاری مہربانی ہے کہ جگت تند و تاریک نظر آتا ہے۔ ؎

خنجر کی کیا مجال جو اک زخم کر سکے ۔۔۔ تیرا ہی ہے خیال کہ گھائل ہوا ہے تو

بادہ از ما مست شد نے ما ز مے ۔۔۔ ہم ز ما داں بوئے گل آوازِ نے

تُم ہی جگت میں رہے ہو۔

سوال۔ اگر فی الواقع یہی ماجرا ہے تو کیا وجہ حقیقت نہیں کھلتی ہیں ہی جگت کی اصل اور پھر میں ہی ڈروں سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ کی ان شانتی آمیز باتوں سے ہمارے دل کی تپت نہیں بجھتی۔ مایا بڑی غالب ہے کیا کریں۔

ز حرفِ سرد ناصح گرمیٔ عشقم نہ گردد کم ؛ نیندازد ز جوشِ خویشتن سیلاب دریا را

رام سچ ہے۔ جتبک خود اپنے تئیں لکیر نہ دوگے دل کی تپت کیوں بجھنے کی ہے ؎ تو خود حجابِ خودی اے دلِ ازمیاں برخیز ؎ ہم بغل تجھ سے رہتا ہے ہر آن رام تو ؛ بن پردہ اپنے وصل میں جائل ہوا ہی تو اپنے ہاتھوں سے اپنا منہ کبتک ڈھانپو گے ؎ برچہرۂ تو نقاب تا کے ؛ برچشمۂ خور سحاب تا کے ؛ ہمت سے کام لو۔ مایا کچھ چیز ہی نہیں۔ ذرا سے پتے کی اوٹ میں پہاڑ کو چھپا رہے ہو جب محیط ہمت طغیانی پہ آتا ہے تو کونسا ہمالیہ ہے جسکو خس و خاشاک کی طرح بہا کر آگے نہیں لے جا سکتا۔ وہ کونسا سمندر ہے جسے تم نہیں سوکھا سکتے

وہ کونسا سورج ہے جسے ذرّہ نہیں بنا سکتے ؎ س

وہ کونسا عقدہ ہے جو وا ہو نہیں سکتا ٭ ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا

سوال - حجاب اور نقاب کا کام ہی کیا - نرا دیوا اور نرا کار میں ہاتھ پاؤں کا ذکر جو معنی ایک ہی ذات پاک میں یہ کہاں سے آ گئے - وہ کون طاقت تھی جس نے قادر مطلق پر استیلا (غلبہ) حاصل کیا؟ اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میرا ہی چہرہ اپنے تئیں ڈھانپ لے

رام ؎ حجاب جلوہ ہم یکسر ہجوم جلوہ ہست اینجا
نقاب ہستیت دریا را اگر طوفان عریانی

جب وہ جمال دلفروز صورت مہر نیم روز
آپ ہی ہو نظارہ سوز پردے میں منہ چھپائے کیوں

چہرہ نورانی پر سے ظلمت کا کل دور کرو
اور دیدۂ دل میں سرمہ دو

ہمسے کھل جاؤ بوقت مے پرستی ایک دن
ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھکر عذر مستی ایکدن

حجاب نو عروسانی زشوہر خود کمی ماند
اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمے ماند

مقراض موج دامن دریا کتر گئی
وحدت کا برقع پھٹ گیا ساری نتھر گئی

گلا پھاڑ پھاڑ کر آپ کو پکار رہا ہے -

منم خدا و بہ بانگ بلند میگویم
ہر آنکہ نور دہد مہر و ماہ را اویم

سوال

پر تم تماشا دیکھنے آئے ہو - کہ سب چیزوں کو کھا جانے والے رب کی رونق

گُل گئی آب وتاب تم ہی ہو؟ اس شعر کے مصداق ہو لیا؟

چاندنی دیکھے اگر وہ مہ جبیں تاب پر ✣ عکسِ رُخ کی تاب پانی پھیر دے مہتاب پر

رام- کیا آج اس شعر کا مصداق ہُوا ہُوں ✣ میری شان میں وید کہتا چلا آتا ہے ✣

راگ پہاڑی تال چلپت

پہاڑوں کا یُوں لمبی تانے یہ سونا
وہ دامن میں سبزہ کی مخمل بچھونا
یہ راحت مجسّم یہ آرام بَس ہُوں

وُہ گنجان درختوں کا دوشالہ ہونا
ندی کا بچھونے کی جھالر پرونا
کہاں کوہ و دریا یہاں بس ہی میں ہُوں

(**نوٹ**) جھالردار مخمل کے بچھونے پر دوشالہ اوڑھے کمبھ کرن کی طرح لمبے سلسلۂ کوہ کا دراز ہونا ستی (گھن سشپتی- آنند مئے کوش) کی تصویر مجسّم ہے- اِس سشپتی یا آنند مئے کوش میں ظہور (پرکاش) یا آنند (کوٹستھ) بس ہُوں مُجھے جاننے پر یہ سشپتی رُوپ پہاڑ دریا وغیرہ کہاں رہنے پاتے ہیں- حقیقت کا پتہ لگتے ہی وہم غائب ہو جاتا ہے ✣

اے زروئیت گلستاں شرمسار ✣ در گل و گلزار چونت یافتم

سفید سفید بادل کبھی گھوڑے کی شکل میں کبھی ریل کی صورت میں کبھی انسان کی ہیئت میں پہاڑوں پر ہاتھی کی مست چال سے چلتے ہوئے عالم خواب کی تلون مزاجیاں دکھا رہے ہیں پر کرتی اس حالت میں بھی عورتوں والے ناز نخرے نہیں چھوڑتی اپنے خاوند رام کے لطفِ نگاہ حاصل کرنے کے لئے کبھی روتی ہے کبھی ہنستی ہے-

(۲) یہ پربت کی چھاتی پہ بادل کا پھرنا | وہ دم بھر میں ابروں سے پربت کا گھرنا
گرجنا چمکنا کڑکنا بکھرنا | چھما چھم چھما چھم یہ بوندوں کا گرنا
عروسِ فلک کا وہ ہنسنا یہ رونا ✣ مرے ہی لئے ہے فقط جان کھونا
کوسوں تک قدرتی گلزار کا چلے جانا۔ رنگا رنگ کے پھول ہر چہار سو شگفتہ
یہ وادی کا رنگین گلوں سے لہکنا | فضا کا یہ خوشبو سے سراپا مہکنا
یہ بلبل ساں خنداں لبوں کا چہکنا | وہ آوازے کا ہر سو لپکنا ؛
گلوں کی یہ کثرت ارم روبرو ہے + یہ میری ہی رنگت ہے میری ہی بو ہے

(۴) ایک اور دلکش مقام

جو جوئے اور چشمہ ہے نغمہ سرا ہے | کس انداز سے آب بل کھا رہا ہے
یہ ٹکیوں پہ تکیے ہیں ریشم بچھا ہے | سہانا سماں من لبھانا سماں ہے
جدھر دیکھتا ہوں جہاں دیکھتا ہوں + میں اپنی ہی تاب اور شان دیکھتا ہوں

(۵) آبشاروں کی بہار

نہیں چادریں ناچتے سیمتن ہیں | یہ آواز پازیب ہیں نعرہ زن ہیں
پہاڑوں کے والے زمرد فگن ہیں | صفائی آبشار روئے مہ پر شکن ہیں
صبا ہوں میں گل چومتا بوسہ لیتا + میں شمشاد ہوں جھوم کر داد دیتا

(۶) بڑے بڑے اونچے پہاڑوں کو کشمیر میں "پیر" کہتے ہیں (جیسے پیر پنجال۔ پیر بھنجال۔ رتن پیر وغیرہ) اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ جیسے "پیر" (بڈھا)

سفید سر والا ہوتا ہے۔ ان پہاڑوں کی چوٹیاں بھی بباعث برف عموماً سفید رہتی ہیں ؎

لیکن لطف یہ ہے۔ کیا جانے ان پیروں نے دھوپ میں بال سفید کئے ہیں۔ سر تو بڈھے ہو گئے لیکن جوانی کی سب اُمنگیں جی میں ہیں۔ انکے دل سبز ہیں۔ یعنی چوٹیوں کو چھوڑ کر نیچے سے نہایت خوب ہرے بھرے ہیں۔ باہر کا مقولہ ان پر صادق آتا ہے ؎ ؎

پیری میں نہ کس طرح کروں عیش بھانگی ؎ دن ڈھلتے ہی ہوتا ہے تماشا گزری کا

دیوار کے اونچے درخت شراب کی صراحیوں کی صورت رکھتے ہیں۔ ان میں جا بجا کلکلاتے ہوئے چشمے بہ رہے ہیں۔ گویا بوتلوں میں سے قُلقُل کے ساتھ شراب نکل رہا ہے۔ یہ مجسّم مستی رام ہی کی ایک موج ہے +

(۶) مرے سامنے ایک محفل سجی ہے ؎　　ہیں سب سیم سر پیر۔ پُر سبز جی ہے۔
شجر کیا ہیں؟ مینا پہ مینا دھری ہے　　نہ جھرنوں کا جھرنا ہے قُلقُل لگی ہے
لنڈھا رہے یہ شیشے کہ بہ نکلیں نہریں　　+ ہے مستیٔ مجسّم یہ یا اپنی لہریں؟

(۷) سری نگر سے اننت ناگ کو کشتی میں جانا

(۷)　رواں آب دریا پہ کشتی رواں ہے　　صبا نُزہت آگیں صبحدم وزاں ہے
یہ لہروں پہ سورج کا جلوہ عیاں ہے　　بلندی پہ برف اِک تجلّی فشاں ہے
ظہور اپنے ہی نور کا طور پر ہے　　+ یہ دید اپنی ہی دیدِ گُل بحر و بر ہے

(۸) جھیل ڈل میں ارد گرد کے سر بفلک پہاڑوں کا عکس پڑ رہا ہے۔ اور پانی کو ہوا ہلا رہی ہے (بدیں صورت) ہلکی ہوا کے جھونکوں سے اتنے بڑے پہاڑ ہلتے نظر آتے ہیں۔ کیا لطف ہے۔ تعجب ہے۔

(۸) ڈلکتا ہے ڈل دیدۂ مہ لقا سا | دھڑکتا ہے دل آئینۂ پُر صفا کا
ہلاتا ہے کوہوں کو صدمہ ہوا کا | کھلے ہیں کنول پھول ہی اک بلا کا

یہ سورج کی کرنوں کے چپّے لگے ہیں ✦ عجب ان کو بھی ہم ہیں خود کھے رہے ہیں

سورج کشتی کی طرح ڈل میں لرزاں نظر آتا ہے۔ اور اسی سورج کی کرنیں چپّوں کی طرح کشتی چلانے والی ہیں۔ میں ہی وہ سورج ہوں۔ جو کشتی بنا ہے۔ میں ہی کھینے کے اوزار ہوں ✦

(۹) امرناتھ کی چڑھائی۔ پورنماسی کی رات۔

چڑھائی مصیبت اترنا یہ مشکل | پھسلنی برف تس پہ آفت یہ بادل
قیامت یہ سردی کہ بچنا ہی باطل | یہ بوٗ بوٹیوں کی کہ گھبرا گیا دل

یہ دل لینا جاں لینا کس کی ادا ہے؟ (شوخی جو میرا ہی انتہا ہی
مری جان کی جاں جس پہ شوخی فدا ہے۔

(۱۰) پورنماسی کی رات۔　　اننا۔ پارو تی

(۱۰) عجب لطف ہر کوہ پہ چاندنی کا | یہ نیچر نے اوڑھا ہے جالی دوپٹا
دکھاتا ہے آدھا چھپاتا ہے آدھا | دوپٹے نے جوبن کیا ہے دوبالا

نشے میں جوانی کے معشوق نیچر ٭ ہے لپٹی ہوئی رآم سے مست ہو کر

(۱۱) امرناتھ کا از حد وسیع خدائی حال (جسے لوگ گپھا کہتے ہیں)

(۱۱) برف جسمیں سستی ہے جڑتا ہے لاشئے | امرلنگ استادہ چینن کی جا ہے
ملے یار۔ ہو وصل۔ سب فاصلہ طے | یہی رُوپ دائم امرناتھ کا ہے
وہ آئے گیا سک تعین ہٹا سب ٭ | رہا رآم ہی رآم میں تو مٹا جب

ہے رام!

راگ جنگلا۔ تال دھمار

ہر سو کہ دویدیم ہمہ سُوئے تو دیدیم | ہر جا کہ رسیدیم سرِ کوئے تو دیدیم
ہر قبلہ کہ بگزید دل از بہر عبادت | آں قبلۂ دل را خمِ ابروئے تو دیدیم
ہر سرو رواں را کہ دریں گلشن دہر است | بر رستۂ بستانِ لبِ جوئے تو دیدیم
از بادِ صبا بوئے خوشت دوش شنیدیم | با بادِ صبا قافلۂ بوئے تو دیدیم
رُوئے ہمہ خوبانِ جہاں را بہ تماشا | دیدیم و بے زآئینۂ رُوئے تو دیدیم
در دیدۂ شہلائے بتان ہمہ عالم | کردیم نظر نرگسِ جادوئے تو دیدیم
تا مہر رُخت بر ہمہ ذرّات بتابد | ذرّات جہاں را بہ تگ و پوئے تو دیدیم

راگ بھیروی۔ تال دادرا

سیر نیم سیر نیم از لبِ خندانِ تو | اے کہ ہزار آفریں بر لب و دندانِ تو
سوسن تیغے کشید خونِ سمن را بریخت | تیغ بہ سوسن کہ داد؟ نرگسِ خونخوارِ تو

آئینۂ جاں شد ست چہرۂ تابانِ تو | ہر دو یکے بودہ ایم جانِ من و جانِ تو

ناراین کا رام سمرپن ہونا

جب مست و مسرور رام امرناتھ کی یاترا سے واپس آئے تو اُن کی دلی شانتی و پوترتا کی شہرت شہر میں خوب پھیل گئی راقم اُس وقت لاہور سے باہر گیا ہُوا تھا۔ جب واپس آیا تو اپنے مہربان دوست لالہ ہرلعل صاحب کایستھ حال ناظرِ ضلع سے گوسائیں جی کی مستی و شانتی کی تعریف سُنی اور جھٹ اُن کے ہمراہ اُن کے درشن کے لئے گیا۔ راقم اگرچہ اُن دنوں نہ کسی سبھا کا ممبر تھا اور نہ ویدانت (تصوّف) کی تعلیم سے کچھ مس رکھتا تھا۔ محض گوسائیں جی کے سابقہ (امرت سر والے) لیکچروں سے متاثر ہونے کے باعث گاہے گاہے بھگوت گیتا کا مطالعہ کرا کرتا تھا۔ اور وہ بھی اچھی طرح سے نہیں۔ اور بحث حد درجے کا تھا تاہم گوسائیں جی کے مستی بھرے درشن سے جو چوٹ دل پر لگی اُس کا بیان کرنا قلم کے احاطہ سے باہر ہے۔ نارایَن کا دل اُن دنوں مذہبی معاملات میں شکوں سے بھرپور تھا۔ سچائی کی تلاش میں بھٹکتا رہتا تھا۔ جس کسی پنڈت کے پاس اپنے شبہوں کو مٹانے کے لئے جاتا اُن سے یا تو کچھ ذرا سی تسلّی ملتی یا بالکل خالی ہاتھ آتا۔ کئی متعصب پنڈت صاحبان کے ہاں تو یہ گت ہوتی تھی کہ جب اُن کے جواب پر ذرا اور دلیل سے پوچھا جاتا تو جھٹ یہ خطاب ملتا کہ "تُو تو آریا نظر آتا ہے۔ تُو کبھی ہماری بات نہیں سمجھ سکتا۔ کیونکہ دلیل و بحث زیادہ کرتا ہے اس لئے جاؤ چلے جاؤ ہم

تمہیں نہیں سمجھا سکتے وغیرہ وغیرہ" لیکن یہ گوسائیں جی کے قلب کی شانتی و مستی تھی کہ جس نے راقم جیسے مُشرک کے دِل پر جادُو بھرا اثر کیا۔ اُسکے کُل شکوک مِٹا دیئے اور اپنے شانتی بھرے جوابوں سے راقم کو ایسا شیدا و مفتوں کر دیا کہ وہ بعد ازاں کسی اور کام کا نہ رہا بلکہ سارے کا سارا گوسائیں جی کا ہی ہولیا۔ کیونکہ جب دِل کے سب شُبہے مِٹ گئے اور اضطراب دُور ہُوا تو باقاعدہ گوسائیں جی سے دھارمک تعلیم پانے کا طریقہ اختیار کیا۔ روزمرّہ ہر رات اُن سے اُپنشدیں و دیگر ویدانت فلاسفی کی کُتب پڑھی جاتیں اور فلسفہ کے ہر پہلو پر اُپدیش سُنا جاتا۔ اور نہایت باریک شُبہہ کو بھی خوب بحث سے صاف کیا جاتا تھا۔ اسطرح نارائن کو خوش قسمتی سے دِل بھر کر گوسائیں جی کی (سنگت) صحبت کرنیکا موقع مِلا۔ جب روزمرّہ کے ست سنگت اور رام کے مستی بھرے اُپدیشوں سے نارائن کا دِل خوب محظوظ و مسرور اور ہر طرح سے آنند ہوگیا تو خانہ داری کے زمانہ میں ہی راقم نے اپنے آپ کو بالکل اُن کے اَرپن کر دیا۔

رسالہ الف کا جاری ہونا

اس طرح سے جب راقم سارے کا سارا رام کا ہوگیا تو اب دن رات اُن ہی کی سیوا و آگیا کا بجا لانا اُس کے لئے مُقدّم رہتا تھا۔ بعد ازاں اور کسی فرض کو جگہ مِلتی تھی۔ رات دن زیادہ تر اُن ہی کے پاس رہنا ہوتا تھا۔ سنہ ۹۹ء کے آخر میں گوسائیں جی کے جسم کو بخار نے گھیر لیا۔ پیٹ کے درد سے جسم بعض اوقات اسقدر بے تاب

ہو جاتا تھا کہ غشی طاری ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ آدھی رات کو ایسی غشی طاری ہوئی کہ دم کا واپس آنا امید کے احاطے سے باہر ہو گیا تھا۔ مگر قدرت نے ابھی رام کے ہاتھ سے بہت کچھ کرانا تھا۔ اس لئے لمبی غشی طاری ہونے کے بعد ہوش بھی ایسا آیا کہ بیماری کالعدم ہو گئی۔ جب جسم کامل صحت پا گیا تو ایک رات گوسائیں جی مہاراج راقم سے یوں مخاطب ہوئے کہ ....

"دیکھو نارائن! بھارت ورش کے نصیب شاید جاگنے والے ہیں جو رام کے جسم کو پھر صحت نے منہ دکھایا ہے۔ دماغ میں بیشمار مضامین و خیالات بھرے پڑے ہیں یہ کیا معلوم صحت اس لئے ہی ملی ہے کہ یہ خیالات و مضامین قلمبند ہو جاویں۔ اگر یہ خیالات قلمبند ہو کر پبلک تک نہ پہنچے تو ممکن ہے جسم پھر بستر پر لٹ جائے۔ اور بھارت ورش کے نواسیوں کی سیوا کئے بغیر ہی رحلتِ جاودانی کر جائے۔ اسلئے بہتر یہ ہے کہ کوئی ایسا انتظام کیا جاوے جس سے یہ تمام خیالات قلمبند ہو کر لوگوں تک پہنچ جاویں"۔

رام کی ایسی قلبی آواز سُنکر اپنے دوست لالہ ہرلعل صاحب کو اطلاع دی۔ جس پر باہم مشورہ سے طے پایا کہ ایک رسالہ جاری کیا جاوے جس میں سلسلہ وار رام مہاراج اپنے کُل خیالات قلمبند کر کے طبع کراتے رہیں۔ ایسا طے پانے پر گوسائیں جی مہاراج کی خدمت میں صلاح پیش کی گئی جو ایسی مقبول ہوئی کہ فوراً رسالہ جاری کرنیکا حکم نازل ہوا۔ چونکہ سال ختم ہونے والا تھا لہذا دوبارہ گوسائیں جی مہاراج نے تاکید

فرمائی کہ آیندہ سال سے ہی فوراً رسالہ جاری کیا جاوے اور اس کا نام (عنوان) الف رکھا جاوے ؛؛ چونکہ گوسائیں جی صفائی پسند حد درجے کے تھے اور اُن دنوں لاہور کے مطبعوں میں لکھائی چھپائی عمدہ نہیں ہُوا کرتی تھی اس لئے اس رسالہ کے لئے ایک نیا مطبع جاری کرنے کا حکم دیا جس پر ایک نیا مطبع بھی محض اس رسالہ الف کی خاطر کھولا گیا۔ اور شروع سال ۱۹۰۰ء سے اس مطبع سے ہی رسالہ الف جاری کیا گیا مطبع ورسالہ ہر دو کا انتظام راقم کے سپرد ہُوا اور مالی مدد شروع شروع میں لالہ ہر لعل صاحب کے ذمہ تھی اگرچہ چندہ بھی اس میں مدد دیتا تھا۔ اس طرح سے رسالہ الف کا سلسلہ کچھ عرصہ تک جاری رہا ؛ اور شروع کے دو نمبر دوبارہ سہ بارہ شایع کرکے پبلک تک مُفت پہنچائے گئے۔ پہلا نمبر رسالہ الف کا آنند کے مضمون پر تھا اور غرض رسالہ ہذا کی لوگوں کو اپنے ذاتی آنند کا انکشاف کرانے کی تھی اس لئے مطبع کا نام بھی آنند پریس رکھا گیا ؛؛

سمندر کی سیر

ابھی رسالہ کا ایک ہی نمبر شایع ہُوا تھا کہ رام کے اندر سمندر کی سیر کی ترنگ اُٹھی۔ اس مستی کے زمانہ میں جب کبھی کسی طرف سفر کرنے کا خیال اُٹھتا تو فوراً بغیر کوڑی پیسہ ساتھ لئے رام چل پڑتے تھے۔ یعنی نہ کوئی نقدی اور نہ کوئی دیگر سامان سفر ساتھ لیا جاتا بلکہ تن تنہا محض اپنے یارِ غار پر بھروسہ رکھتے ہُوئے روانہ ہو جایا کرتے تھے اسی طرح سمندر کی سیر کا خیال آتے ہی شام کو ایک ٹکٹ ریل کا لیکر تن تنہا چلدیئے اور انکے

واپس آنے پر معلوم ہوا کہ کراچی و سکھر میں خود بخود کئی ایشور بھگت ان کی مستی پر شیدا ہوئے ان کو اپنے اپنے مقاموں پر لے گئے اور رام کے حسب منشا سب مقامات دیکھے گئے۔ کراچی پہنچکر سمندر کی سیر کا جو لطف اٹھایا اُس کا مفصل حال اپنی قلم سے گوسائیں جی نے خود تحریر فرما کر شایع کرایا تھا۔ اُس کی نقل برائے ملاحظہ ناظرین مفصلہ ذیل ہے۔

سمندر کے کنارے رام کھڑا ہے۔ پیچ کھائی ہوئی موجیں چرنوں میں گزر رہی ہیں۔ تیز ہوا کپڑے اُڑا رہی ہے۔ سمندر کی ہاؤ ہُو خیالِ دُنیا کو غرق کر رہی ہے۔

جسم میں حس و حرکت ندارد کیا کیفیت ہے۔ رام کہاں ہے؟ ..... ہ

جس طرف اب نگاہ جاوے ہے ✣ آپ ہی آپ نظر آوے ہے

وسیع وسیع سمندر سب جل ہی جل۔ جل ہی جل۔ خشک زمین کے خیال کو لوحِ دل سے دھو رہا ہے۔ بڑے بڑے شہر اور بازار سڑکیں نیز شہریوں کے آپس میں لڑائی جھگڑے شور و شر یہاں پر خواب جیسے معلوم ہو رہے ہیں۔ سمندر کے سامنے دُنیا کچھ چیز نظر نہیں آتی ؎

لیکن جب نگاہ ذرا اوپر اُٹھا کر دیکھتے ہیں۔ تو چاروں طرف تنا ہوا نیلگوں مہا آکاش کا بحر ناپیدا کنار ایسا وسیع دکھائی پڑتا ہے کہ اُس میں زمین والا بڑا بڑا سمندر مُطلقاً ڈوب جاتا ہے۔ نام و نشان سب کھو بیٹھتا ہے۔ طُرفہ یہ ہے کہ یہ لا انتہا مہا آکاش خود آنند سُروپ رام میں ہیچ و نا پدید ہو جاتا ہے جیسے آفتاب کی

شعاعوں میں سُراب نظر آتا ہے۔ ویسے ہی اتنا بڑا ابھاآکاش رام کے پرکاش میں بھان ہوتا ہے۔ ؎

آفتا بم آفتا بم آفتاب ٭ ذرّہا دارند از من تگ وتاب

راگ گونسیہ تال تین

شُدھ سچّدانند برہم ہُوں اَجر اَمر اَج ابناشی
اناد ی برہم ادویت دویت کا جا میں نام نشان نہیں
نرگُن نرلکلپ نراُپما جا کی کوئی نشان نہیں
یہی برہم ہُوں من نرنتر کریں موکش ہیت سنیاسی
سرب دیشی ہُوں برہم ہمارا ایک جگہ استھان نہیں
دیکھ بچار و سوا برہم کے ہُوا کبھی کچھ آن نہیں
برہم گیان ہو جسے اُسے نہیں پڑے بھوگنی چوراسی
ادرشٹ اگو چر سدا درشٹ میں جسکا کوئی آکار نہیں
لکھ برہم لیو جان جگت نہیں کار نہیں کوئی بار نہیں
ست چِدروپ آنند راشی ہو کہیں جیسے گھٹ گھٹ باسی
جاس گیان سے موکش ہوئے جا کٹ جاوے یم کی پھانسی
اکھنڈ سدا اسکھ جا کا کوئی آدی مدھیہ اوسان نہیں
نرو کار نرویو مایا کا جا میں رنچک بھان نہیں
شُدھ سچّدانند برہم ہُوں اَجر اَمر اَج ابناشی
رہا ہُوں سب میں مجھ سے کوئی بھن وشنو لسان نہیں
کبھی چھوٹے پڑھے سے جسے برہم کا گیان نہیں
شُدھ سچّدانند برہم ہُوں اَجر اَمر اَج ابناشی
نیتی نیتی کہہ نگم رکھیشور پائے جسکا پار نہیں
سکھ کھول دِ کی ٹک بیا رے کو نظر گُلزار نہیں
شُدھ سچّدانند برہم ہُوں اَجر اَمر اَج ابناشی

رام اور ایک بھگتی کی چرچا

رسالہ الف جاری ہونے پر رام اب دن رات طرح طرح کے مضامین لکھنے میں مشغول رہنے لگے۔ جو مستی و آنند انہیں اس تحریر

و تصنیف کے کام میں محسوس ہوتا وہ ہرگز کالج کے کام میں نہ ملتا تھا۔ اگرچہ کالج میں دو گھنٹے کے لئے ہی جانا ہوتا تھا اور وہاں ویدانت و ریاضی ہی پڑھانی پڑتی تھی تاہم ایک ہی کتاب یا مضمون کا بار بار پڑھانا اور یاد کرانا دل کو زیادہ محظوظ نہیں کرتا تھا اس لئے اس ملازمت کو بھی چھوڑنے کے لئے گھڑی گھڑی ترنگ دل سے اُٹھتی تھی، اور جب ترنگ کی خبر ذرا رام پیاروں میں پھیل گئی تو ایک رام پیارا گوسائیں جی سے اس ترنگ کو روکنے کے لئے عرض کرنے لگا۔ جس پر باہم بہت دیر تک سوال و جواب ہوئے۔ اس کُل گفتگو کی نقل برائے ملاحظہ نیچے دیجاتی ہے

بھگت:۔ آپ نوکری کیوں چھوڑتے ہیں۔ آپ کا گذارہ کیسے چلے گا پیٹ کا پالنا دھرم ہے۔ اپنا اور سر بندیوں کا فکر رکھنا چاہیئے۔ دوسرے کے در پر جانے اور بھگوا بھیس دھارن کرنے سے گذارہ نہیں ملتا۔ گرہست میں سب کچھ ہوسکتا ہے۔ اور گرہست کو تیاگ کرنا پاپ ہے۔

رام (۱) نوکری کرنا نوکروں کا کام ہے۔ میں واحد رام بادشاہ ہوں۔ نہ میں نوکر ہوں۔ نہ میرا کوئی مالک ہے۔ میں خود اپنی ہستی میں قائم ہوں۔ شاہ و شہنشاہ میرے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ میں جسم نہیں ہوں میں جسم و جان سے مبرّا ہوں۔ یہ بڑی غلطی ہے کہ تم مجھکو جسم خیال کر رہے ہو۔ میں تمہاری رُوح ہوں۔ تمہارا آتما ہوں۔ تمام کائنات کا میں آتما ہوں۔ پانچ عناصر میرے نوکر ہیں۔ زمین اور آسمان میں کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہُوا ہوں

کہ ایک ذرہ میری ہستی سے خالی نہیں۔ کیا مَیں پیٹ پالو ہوں۔ مَیں اپنے تختِ حقیقی پر جلوس کرتا ہوا ہر بشر حیوان۔ درند۔ پرند۔ نباتات وجمادات میں حیاتِ لازوال ہوں۔ جب تک اپنے آپ کو جسم میں محدود گرداتا تھا یہ جسم نوکری کرتا تھا۔ اب رام نے اپنی چشمِ حقیقی سے دیکھا تو ہر جگہ اپنے آپ کو محیط پایا۔ آپ کہتے ہیں نوکری۔ یہاں جسم ہی ندارد۔ دِل ندارد۔ دماغ ندارد۔ جان و جہان ندارد۔ اب رام مالک اور نوکر واحد آتما دیکھتا ہے۔ پیٹ بھینٹ ہوگیا۔ دِل دریا ہوگیا۔ دماغ دارِ بقا ہوگیا۔ ہاتھ پاؤں جھڑ گئے۔ اور امرت کے چشمے روم روم سے جاری ہوئے۔ آسمان سلام کرتے کرتے کمر ٹیڑھی کر بیٹھا۔ سورج دیدار کرنے سے روشن ہوگیا۔ چاند چمکنے لگا۔ ستارے دیوالی ہر شب مناتے ہیں۔ درخت گلدستہ تیار کر کے رام کے پاس آتے ہیں۔ غرض کہ جو کچھ نظر آتا ہے یہ میرا جلوہ ہے۔ اَے بھگت! رام میں جسم کو غرق کردے۔ تب تم کو اُس نقطۂ حقیقت کی خبر ملے گی۔

(۲) مَیں خود گذارہ ہوں۔ میرا گذارہ کسی غیر چیز پر منحصر نہیں۔ کیا مجھکو بھی دنیا دی جنس کی سٹاک بک میں درج کرتے ہو۔ مَیں خود تمام کائنات کا گذارہ ہوں۔ ہر جسم و جان کو ذرہ ذرہ میں میری ہستی سے گذارہ ہے۔ خوراک اور پوشاک جس کو تم گذارہ خیال کرتے ہو۔ وہ صرف تمہارا خیال

ہی ہے۔ لباس اور اشیائے خوردنی اصل میں کیا ہیں۔ ان کا سراغ تو لگاؤ۔ ان کا حسب نسب کون ہے۔ اے بھگت! تمہارا آتما ہی بہ حیثیت لباس اور خوراک موجود ہے۔ لباس کی اصلیت کپاس۔ کپاس نباتات کی شکل میں اودم ادم کھیتی ہوئی زمین سے نکلی۔ سورج کا نور ہی نباتات ہے۔ زمین کا حسب نسب سورج ہے۔ سورج کا گذارہ کیا ہے؟ اس کی ہستی کس لباس اور خوراک پر منحصر ہے۔ اس کی ہستی اے بھگت! رام پر منحصر ہے میں رام ہوں چونکہ سورج کا میں آتما ہوں۔ تو لباس اور خوراک کی کیا دال گلتی ہے۔ جب کہ شہنشاہی مجھ سے روپیہ قرض لے رہا ہے اور میرے اشارہ سے کام کرتا ہے۔ تو رعیت اور سپاہ کی چوں چوں سے کیا خوف۔

(۳) پیٹ کا پالنا بیشک دھرم ہے۔ لیکن دھرم کا پالنا پیٹ کے باپ کا پالنا ہے۔ اے بھگت اطمینان کر۔ یہ صرف تیرا خیال ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تو روٹی نہ کھا۔ لباس نہ پہن۔ روزی نہ کما۔ کام کاج نہ کر یہ میرا مدعا ہی نہیں۔ میں یہ کہتا ہوں۔ کہ اصلی اور سچا کام اپنے آپ کو جاننا ہے۔ اور باقی ماندہ فعل خود بخود ہو رہے ہیں۔ پیٹ کے جال میں پھنسکر ہی تو بار بار پیٹ میں دورہ کر رہا ہے۔ اس ناڑۂ جہالت کو برہم ودیا کی چھری سے کاٹو۔ کہ پیٹ کا فکر ہی جاتا رہے۔ یہ ناڑہ کسی اودیا کی چھری سے کاٹا ہوا

پھر نکل آتا ہے۔ آگ پڑتا ہے۔ میں نے تمہارا پیٹ ہی بھرنے کے لئے یہ پیٹ بھینٹ کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم کو پیٹ سے پاس ہو کر جماعت روحانی میں تعلیم دی جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ پارچہ باف کی کھڈی کی جگہ تم کل یعنی مشین کی کھڈی سے کام لو۔ اب یکہ بیل گاڑی کا زمانہ جاتا رہا۔ اب ریل گاڑی۔ ٹیلیگراف۔ جہاز اور ورکشاپ تمہاری خدمت میں موجود ہیں۔ اب تو پانی اور اگنی دیوتا تمہاری خاصی خدمت کرتا ہے یہ سائنس کی ترقی صرف پیٹ کے واسطے ہی جب دیوتا تمہاری خدمت کرتا ہی تو تم کو اب پیٹ کے دھرم سے کوئی سروکار نہیں بلکہ تخت حقیقی پر تکیہ لگا کر بیٹھو اور بیٹھے بیٹھے پانچ عناصر کام لو۔ خدا تم ہو تم ہی خدا ہو صرف کمزوری سے چل نہیں سکتے۔ کیونکہ جہالت اور اس گمان نے کہ میں بندہ ہوں نہایت دبلا کر دیا ہے۔ لیکن بولنے پانی پینے اور چاول ہضم کرنے کی طاقت تم کو ہے۔ جب تم بیمار ہوتے ہو تو دنیاوی بیوپار کی باتیں تمہارے دربار میں پیش رہتی ہیں۔ گو تمہاری صحت ٹھیک نہیں لیکن حساب کا لینا دینا۔ مقدمہ بازی کے خیالات۔ دوست دشمن کی تمیز۔ نفع ونقصان۔ یہ میرا یہ تیرا۔ سب فعل ویسے ہی جاری ہیں۔ تم کو اپنی صحت کا خیال کہاں؟ تم تو اشیائے بے بنیاد یعنی (گھر کا سامان) کے بگڑ جانے سے ہر دم بگڑ رہے ہو۔ خبر ملی کہ مقدمہ ہار گیا۔ بس تمہارا دم ہار گیا۔ پوسٹ کارڈ میں کیا لکھا ہے۔ رام جی لکھتے ہیں چاول میں تین ہزار نفع ہوا۔ بس پھر دم آگیا۔ اور منہ پر سرخی نمایاں

ہوئی۔ بھینس نے آج دودھ نہیں دیا۔ بدمعاش نوکر نکال دو اس کو۔ یہ حرامی ہے۔ نمک حرام ہے۔ اس کی مستی ہے۔ اس نے خیال نہیں رکھا۔ اور بچہ دودھ پی گیا ہے۔ ذرا ٹھنڈ آ گئی۔ خواب میں نوکر کو گالی گلوچ دے رہے ہیں۔ لاٹھی لے کر بھینس کو دے مارا۔ اور مضبوط رسّی لے کر بچے کے گلے میں باندھ دی۔ تاکہ پھر ایسا نقصان نہ ہو۔ بھگت جی کو مت جگاؤ۔ اب ذرا آنکھ لگ گئی ہے۔ اب آرام میں سو رہے ہیں۔ بھگت ادھر تو سو گئے۔ مگر خواب میں وہی بے آرامی وارنٹ لئے ان کو پیش کر رہی ہے۔

تم نہ پیٹ زبان پدارتھ ہو　　　تم آتم رام پتھار تھ ہو
کیوں شور مچاتے اکارتھ ہو　　　تم دین دیال پدارتھ ہو

رام تمکو خوب نچائیگا۔ خود مستی میں ہی لائیگا۔ بندہ سے خدا بنائیگا۔ پردۂ جہالت مٹائے گا۔ پیٹ کو پیٹ بنائیگا۔ تم کو اس کا ٹھیٹ بنائیگا۔

رام کرشن کو کیا یاد کرتے ہو۔ خود آتم دیو تم ہی ہو۔ کرو بشواش بج آتم پر۔ آتم دیو تم ہی ہو۔

مرض لگا ہے تمکو بھاری دوائی اس کی کاری ہے
ہر ایک کو تم رام ہی جانو نسخہ واحد باری ہے

(۴) اپنا اور سر بندیوں کا فکر رکھنا چاہیئے۔ بھگت جی بہت اچھا۔ بھگت جی! پہلے تو یہ جاننا لازمی ہے کہ اپنا کیا ہے۔ اور سربندی اس کا کون ہے۔ کیا یہ جسم اپنا ہے۔ ہ جسم بذاتِ خود قایم ہے یا اس کی ہستی کسی اور شئے پر مبنی ہے؟

اگر جسم بذات خود قائم نہیں۔ تو یہ ہمارا اپنا کیا ہو سکتا ہے۔ جو آپ ہی لنگڑا۔ لُنجا۔ اندھا۔ بہرہ۔ گونگا ہے۔ وہ ہمارا اپنا کیا۔ ایسے کو اپنا بنانے سے سر پر آفت برپا کرنا ہے۔ بھگت جی! یہ کس کے آشرے ہے۔ بھگت جی! جسم اپنے آپ ہے یا اور کوئی اس کا اپنا آپ ہے۔ آتما اس کا اپنا آپ ہے۔ اس کی شکتی سے یہ جسم قائم ہے۔ آتما بذاتِ خود قائم ہے اور جسم مثل سایہ کے۔ اپنے آپ کچھ نہیں۔ جب جسم خود قائم نہیں تو کوئی سرہندھی نہ نکلا۔ اصلی سرہندھی تو آتما ہی نکلا۔ خواہ اِدھر دیکھو۔ خواہ اُدھر دیکھو۔ آتما ہی جلوہ کُناں ہے۔ اب تو آپ کی زُبانی ثابت ہو گیا۔ کہ اصلی سرہندھی آتم ہے۔ جو چاروں طرف مختلف نام درُوپ میں موجزن ہے۔ یہ نام ورُوپ آپ کی طرف سے منسوب ہوتا ہے ورنہ نام وروپ بھی کوئی نہیں۔ صرف آتما ہی آتما ہے۔ یا تم ہی تم ہو۔ اپنے آپ کو خدا کہنے سے مت ڈرو۔ تم کو شہنشاہ بناتے ہیں۔ خوف کرنا چہ معنی۔ جسم سے نگاہ اُٹھا کر یہ خیال کرو۔ کہ جو رام اس جسم کے روم روم میں دیاپک ہے وہی رام کُل کائنات کے روم روم میں دیاپک ہے۔ مگر چونکہ رام ایک ہے اس لئے میں اِس رام کی طرف سے کہتا ہوں کہ میں رام ہوں۔ اگر تم کو ڈر لگتا ہے تو میری طرف سے زور کے ساتھ کہا کرو کہ میں رام ہوں میں رام ہوں میں رام ہوں۔ رام تم کو اجازت دیتا ہے۔ اور قانون پاس کرتا ہے کہ ہر ایک شخص کو رام کی طرف سے جبراً حکم ہے۔ کہ وہ رام کا سکہ چلا دے۔ اور جعلی سکہ

سکہ بند کرے۔ ورنہ گرفتارِ جیلِ جہالت ہوگا۔ ہر ایک جسمانی سکہ پر رام رام لکھا ہوا ہے۔ ذرّہ ذرّہ پر رام کندن ہے۔ تمہاری زبان۔ آنکھ۔ ناک۔ کان تمام جسم کیا ہے؟ صرف رام کا سکہ ہے۔ اگر تم کو رام کہنے سے خوف آتا ہے تو یہ زبان تمہاری نہیں زبان رام کی ہے۔ پس رام کی زبان سے پکارو "میں رام ہوں" "میں خدا ہوں" "میں آتم دیو ہوں" "میں شہنشاہ جہاں ہوں" "میں شرو پاپک ہوں" "میں کرتار ہوں"۔ یہ کلمے تمہاری طرف سے نہیں جس کی زبان ہے اُسی کا کلمہ۔ پس تم برہم ہی برہم ہو۔ ایک منٹ میں خدائی مل جاوے تو اور کیا چاہئے۔ ہر ایک شخص کہتا ہے کہ ہمارا کچھ نہیں۔ جسم رام کا ہے۔ رام ہی تو آپ کا ساتھی ہے۔ اور تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ جس کا جسم ہے اُسی کی زبان ہے۔ پس اُس زبان سے ہمارا کیوں کلمہ نکلتا ہے۔ (رام کی زبان سے رام کہتا ہے۔ کہ میں رام ہوں میں خدا ہوں۔ دن رات ایسا کلمہ کہنا چاہیئے۔ یہی پاک کلمہ ہے۔ اور یہی سکہ جاری ہونا چاہیئے) جعلی سکہ اب بند کرو۔ کہ میں بندہ ہوں۔ یہ سکہ جس کے پاس ہو رام کے خزانے میں روانہ کرتے جاؤ اور نیا شاہی سکہ (کہ میں رام ہوں) منگوالو۔ رام نے اب حکم جاری کر دیا ہے۔ کہ جس کے پاس جعلی سکہ ہو اُس کو رام کے پاس لے آؤ۔ رام بڑی محبت اور پریم کے ساتھ اُس سے جعلی سکہ واپس لے کر اصلی سکہ کی حالت میں تبدیل کر دیگا۔ جیسے طفلِ نادان کے ہاتھ میں اگر چاقو یا دیگر اوزار نقصان دینے والا ہو تو مٹھائی وغیرہ نذرانہ پیش کر کے اُس سے چھینا جاتا ہے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ چاقو اُس کے

جسم پر لگ جاویگا۔ ایک لا محدود کو حد میں لانے والا کلمہ کہ میں بندہ ہُوں۔ جُرم نہیں تو کیا ہے۔ تم کس کو بندہ کہتے ہو؟ جب جسم میں تمہارا کچھ نہیں اور تم اپنی زبان سے کہتے ہو۔ کہ یہ رام کا ہے۔ اور واقعی روم روم میں رام ہے۔ تو میں کون ہی اور بندہ کون ہے؟ یہاں تو ایک ہی میں ہے۔ جو ویاپک ہے۔ ویاپک رام ہے بندہ نظر نہیں آتا۔ کہاں ہے اگر کوئی بندہ ہے۔ اور اس کا وہم و گمان دُور نہیں ہوتا تو رام کے پاس آسکتا ہے۔ اور رام اس کو ایک نگاہ سے پار کر دیگا۔ چشمہ آبحیات میں اس کو غسل دیگا۔ اور کاگ سے ہنس بنا دیگا۔ اپنا اور سرشٹی کا فکر ذات آلہی میں بدل دیگا۔ اور تم کو رام بنا دیگا۔ بس اب تو چاندی ہے۔ قدرت تمہاری باندی ہے۔

(۵) بھگت جی! رام کو دوسرا کوئی نظر نہیں آتا۔ آپ کو دُوسرا نظر آتا ہے۔ یہ چشم کا دوش ہے۔ جب رام کو دُوسرا نظر آیا۔ تو رام کی سلطنت کون سنبھالیگا۔ رام تو واحد ہے۔ جیسے کہ سُورج کو کوئی لباس دھارن کرنے کی ضرُورت نہیں اپنی ذات میں پرکاش وان ہے۔ ویسے ہی رام اپنی ذات میں مست سرور روحانی برساتا ہُوا اپنی ذات میں قائم ہے۔ لوگوں کو گھومتا ہُوا نظر آتا ہے۔ کرتا رمیں ہی ہوں۔ اور کرتار کی ضرورت نہیں۔ گرہست آتم پد میں رہنے کا نام ہے۔ اپنی ذاتِ آلہی میں ہمیشہ آنند رہنے کا نام گرہست ہے۔ جو آتم پد سے بے بہرہ ہے وہ جنگل کا حیوان ہے۔ بلکہ مردہ ہے۔ اگر گرہست کو تیاگ کرنا پاپ ہے

تو مَیں اپنے گرہست آشرم یعنی نج آتم میں لین ہوں۔ اور ایک منٹ مجھ کو سرورِ رُوحانی۔ وحدت بینی سے فرصت نہیں بھگت جی! مَیں اپنے گرہست میں قایم ہوں۔ اس لیئے مَیں پُن پاپ سے مبرّا ہوں۔ کھانا رام پینا رام۔ دیکھنا رام۔ سُننا رام۔ سُونگھنا رام۔ چلنا رام۔ بجُز ذاتِ رام ورِگر خیال کرنا حرام۔ اس کا نام اصلی گرہست ہے۔ میرے بھگت جی! ہوش میں آؤ۔ رام کو الزام نہ لگاؤ۔ اچھا! آپ کی مرضی۔ رام اندر سے آپ کو چابی لگائیگا۔ اور چشمِ حقیقی کا پردہ دُور کریگا۔ یہ تمہارا قصور نہیں۔ یہ صرف جہالت ہے۔ اوم۔ رام

بن باس یعنی رام کا بان پرست آشرم

اس سنّی محبتم رسالہ کے ابھی تین نمبر ہی نکلے تھے۔ کہ گیان کی لالی رام کے قلب کے اندر نہ سما سکی بلکہ پھُوٹ پھُوٹ کر باہر شعلہ زن ہوئی۔ یعنی رام مہاراج کو محض دس گز زمین پر جم کر بیٹھنا یا خانہ داری کی چار دیواری کے اندر گھِرنا۔ اور قصبوں کے ہجوم میں گھُومتے پھرنا اب مشکل بلکہ دوبھر ہوگیا اس لیئے رنگے ہوئے اور آزاد دِل سے بے بس ہوئے رام جولائی ۱۹۰۰ء میں ملازمت وغیرہ چھوڑ جنگلوں کو پدھارے۔ بیوی بال بچے ساتھ ہو لیئے۔ سوامی شوگن آچاریہ۔ لالہ تولارام (بعد ازاں سوامی رامانند) لالہ گوروداس (بعد سوامی گوبند آنند) اور امرت سر نواسی نگّے شاہ ہمراہ چلے۔ اور راقم کو بھی الف کا جھنڈا ساتھ لیکر رام کے ہمرکاب رہنے کا حُکم نازل ہوا۔ جب

رام لاہور کے گھر سے باہر نکلے تو راستہ میں اُن کے آگے بھجن منڈلیاں کالجوں کے طلبا ویراگ کے بھجن سچے پریم آنسو بھرے دل سے گاتے ریلوے سٹیشن تک آئے۔ تمام راستہ میں رام کے اوپر پھولوں کی برشا خوب ہوئی۔ ریلوے سٹیشن پر رام پیاروں کا ہجوم بیشمار تھا۔ اس بنو باس کا کُل مفصّل حال رام نے اپنی قلم سے تحریر فرما کر خود شایع کرایا تھا۔ برائے ملاحظہ ناظرین اُس کی نقل نیچے دی گئی ہے۔ اس بیان کے علاوہ جو قابلِ الذکر امُور رام سے ظاہر کرنے رہ گئے وہ بھی تھوڑے اپنے ذاتی تجربہ سے دئے جاتے ہیں۔ جب لاہور سے ہم سب روانہ ہوئے تو سیدھے ہردوار پہنچے۔ لاہور سے چلتے وقت اپنی اپنی مالی مقدار کے مطابق ہر ایک نے کچھ نقدی برائے سفر خرچ راقم کے سپرد کر دی اور اُس کُل رقم کا خزانچی و سفر کا منتظم راقم مقرر کیا گیا۔ کُل راستے میں نارائن ہی سب طرح کا خرچ اُس فنڈ سے کرتا تھا۔ اور کسی کے پاس علیحدہ رقم نہ تھی۔ سوامی شوگن آچاریہ جی مزاج کے کچھ ایسے عجیب نکلے کہ راستہ بھر میں اُن کی کسی سے نہ بنی۔ آج وہ ایک سے ناراض ہیں تو کل دوسرے سے۔ اُن کے دماغ میں یہ سما بیٹھا تھا کہ "گوسائیں تیرتھ رام جی کو میں گھر سے نکال کر لایا ہوں۔ اس لحاظ سے میں اُن کا گورو ہوں۔ اور باقی تمام میرے شاگرد کے شاگرد ہیں۔ وغیرہ وغیرہ"۔ اس خیال و پندار سے مغلوب ہو کر وہ بات بات میں حاکمانہ حکومت کرتے۔ اور حکم کی ادائیگی میں ذرا سی دیر لگنے پہ فوراً جھنجھلا پڑتے اور گھڑی گھڑی سب کے ساتھ آزردہ خاطر ہو جاتے تھے جس سے انہوں نے

ہر ایک کا ناک میں دم کر رکھا تھا + رام کی اردھنگی کے ہمراہ ایک اور بیوہ عورت ہردوار سے یاترا کی غرض سے چل پڑی تھی ۔ اُس بیچاری کو جو اُن سے تکلیف ملی وہ ناگفتہ بہ ۔ اس تمام سلوک کا نتیجہ یہ نکلا کہ رام کو معہ اپنے پیارے ہمراہیوں کے سوامی شوگن آچاریہ سے محض آٹھ دن کے سفر کے بعد ہی علیحدہ طرف روانہ ہونا پڑا۔ اور سوامی جی کو الگ طرف اکیلے سفر کرنے کی درخواست کی گئی اس طرح سے ہم سب لوگ (رام معہ ہمراہیوں کے) دیو پراگ سے بطرف ٹہری چلدئے اور سوامی شوگن آچاریہ جی وہاں سے شری نگر اور شری نگر سے کاٹھ گودام ہوتے ہوئے میدانوں میں پہنچ گئے + ہردوار سے دیو پراگ پچاس میل کے قریب ہے ۔ اگرچہ ہردوار سے سیدھے مزدور تو بدری نارائن تک جانے کے لئے کئے گئے تھے مگر تھوڑے ہی فاصلہ تک سفر کرنے سے سوامی جی کے مزاج شریف سے جب واقفیت ہوئی تو ہم سب کا رُخ بالکل پلٹ گیا ۔ اور بدری نارائن تک اُن کے ہمراہ چلنے کا ارادہ چھوڑ کر ہم لوگ بطرف گنگوتری چلدئے ۔ جب ٹہری پہنچے تو سب کا دل اُدھر ہی کسی بن میں ڈیرے جمانے کی ترغیب دینے لگا ۔ اور رام خود بھی گنگا کنارے پر کسی ایکانت ستھان کی دریافت کرنے لگے ۔ رفتہ رفتہ ایک نہایت سُندر عالی شان باغیچہ گنگا کے کنارے پر بالکل تنہائی میں ملا ۔ یہ مقام ٹہری سے قریب دو میل کے فاصلہ پر تھا ۔ اس باغیچہ کا مالک سیٹھ سُرلی دھر جس نے محض اپنے ایکانت ابھیاس کے لئے قریباً اُنیس[19] ہزار روپیہ صرف کرکے اسے

بنوایا تھا۔ اُس کو محض سادھوؤں کے ایکانت ابھیاس کے لئے سنکلپ کر چکا تھا۔ رام کو یہ ستھان نہایت ہی اعلیٰ و ایکانت لگا۔ اس لئے ہم سب نے وہاں ڈیرے جما دئے ۔ ڈیرہ جمانے کے ایک دن بعد جس قدر نقدی برائے سفر خرچ راقم کے پاس باقی تھی وہ رام نے سب گنگا میں پھینکوا دی اور دوسرے دن ہر ایک کو ایکانت ستھان میں گنگا کنارے الگ الگ بیٹھکر اہنگرہ اُپاسنا کرنے کا حکم دیا۔ اور یہ اعلانیہ کہدیا کہ اب ایشور پر پختہ نشچے کرکے بے فکر ہو کر ابھیاس کرنا۔ اگر ایشور کو سب کا خیال ہے اور آپ کو اُس پر یکا وشواس ہے تو آپ کے پاس بیٹھے بٹھائے سب کچھ کھانے کا سامان موجود ہو جاویگا۔ اور اگر نشچے یا وشواس کی کمی سے بھوکا مرنا پڑا تو ایسی موت جینے سے ہزار درجے بہتر ہے ۔ اس طرح ہم لوگ بموجب حکم رام چند گھنٹے سے ابھیاس کر رہے تھے کہ رشی کیش کے کلکتہ کھیشتر کے منیجر سوامی رام ناتھ جی ایک دوکاندار کے ہمراہ وہاں آنکلے۔ یہ اپنے کھیشتروں کے انتظام میں اُتر کاشی کا دورہ کر رہے تھے کہ راستے میں اُن کو رام کے جنگلوں میں آنے کی خبر ملی ۔ منیجر صاحب صرف درشن کے لئے آئے تھے مگر رام کی مست حالت کو دیکھکر بلا پوچھے اپنے ہمراہی دُکاندار کو دس روپیہ ماہوار کا غلہ بھیجنے کا حکم دے گئے۔ اور عین ۹ بجے صبح کے جیسا کہ حسب معمول ہم سب کے لئے کھانا تیار ہوا کرتا تھا اُسی وقت کافی رسد پہنچ گئی۔ اور اس عجیب واقعہ کو دیکھکر سب حیران ہو گئے۔ اور آیندہ

کے لئے دل میں ایشور پر وشواس اور زیادہ زور پکڑ گیا۔ اس کے بعد کسی طرح کا فکر و خیال پیٹ کی خاطر کسی کے دل میں نہ آنے پایا + اس طرح جب ہم سب وہاں خوب جم گئے اور باقاعدہ زندگی بسر کرنے لگے تو ہر ایک کا دل بھیاس میں دن بدن خوب لگنے لگا۔ اور رام کی قلم پہلے کی نسبت بھی نہایت زور و مستی کی ترنگ میں بہنے لگی۔ اُس بن میں رہ کر جو کچھ بھی مُفصل حال در بارۂ بن باس رام اور حالاتِ ستھان رام کی قلم سے نکلا اُس کی نقل برائے ملاحظہ ناظرین دی جاتی ہے +

راگ بروا۔ تال دھمار

رہیئے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو | دشمنِ جاں ہو نہ کوئی مہرباں کوئی نہ ہو +
پڑیئے گر بیمار تو آ کر کوئی پوچھے نہ بات | اور گر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو +
رُخصت اے زندانِ جُنوں زنجیرِ در کھڑکائیے ہے + مژدہ خارِ دشت پھر تلوا مرا کھجلائے ہے
پھر بہار آئی چمن میں زخمِ گُل آئے ہوئے + پھر مرے داغِ جُنوں آتش کے پرکالے ہوئے

جیتے رام کی ہڈیاں گنگا میں پڑے دو برس گذر گئے کشمیر یاترا کو تقریباً ایک برس ہو چکا ہے۔ کسی شخص کو معلوم ہو جائے۔ کہ یہ سراب ہے۔ پھر وہاں پانی بھرنے کیوں جائیگا۔ اگر کسی کے مارے باندھے چلا بھی جائے تو اُس کا قدم شوق سے نہیں اُٹھے گا۔ سنسار کے بستیوں کی حقیقت کھُل گئی۔ دُنیا کی اشیائ کی قلعی اُتر گئی تو اُن میں جی کیسے لگے؟ جو کمہار اپنے چکر کو چلاتے چلاتے چھوڑ کر

الگ اپنی گدی پر جا بیٹھا ہو وہ چکر پچھلے دھکے (Inertia) کے باعث کچھ دیر ضرور چلتا رہتا ہے۔ آخر تا بہ کے۔ اُس کی سُرعت سُست پڑتی جائیگی۔ اور رفتہ رفتہ مالک کے ہاتھوں بغیر وہ چکر جلدی تھم جائیگا +

جس جسم کا کرتا بھوگتا جیو اپنی حقیقی گدی پر نشست اختیار کر چکا ہو۔ وہ جسم کب تک کمہار کے چکر کی طرح گھومیگا ؟ دُنیوی تعلقات ڈھیلے پڑتے جائینگے۔ اور آہستہ آہستہ بدیہہ

کب سُبکدوش رہے قیدئے زندانِ دلمن　٭　بُوئے گُل پھاندتی ہے باغ کی دیوارونکو

اکبر کا باپ ہمایوں بادشاہ مر گیا۔ لیکن کئی روز تک لوگ مُلّا بیکسی شاعر کو جو ہمایوں کا بالکل ہم شکل تھا تخت پر بیٹھا ہُوا پاکر یہی سمجھتے رہے۔ کہ ہمایوں زندہ ہے۔ اور راج کر رہا ہے پر کہاں تک چھپے ؟ معلوم ہو ہی گیا + گیان ہوتے ہی عارضی توشہ پر چھوڑ بیٹھا۔ مر گیا۔ لیکن دُنیا داروں کی نگاہ میں کام کاج کرتا معلوم ہوتا ہے۔ نبھے گی کہاں تک ؟

کئی تارے آسمان پر ٹوٹ پڑنے کے بعد بھی اس زمین کے باشندوں کو بباعث دُوری سینکڑوں بلکہ ہزاروں برسوں تک نظر پڑے آتے ہیں۔ پر ایک دن ٹوٹے نظر آہی جاتے ہیں + جو روٹی ایک دفعہ کھائی جائے پھر ہاتھ میں کیسے رہ سکتی ہے ؟ اہنکار کو جب شُود ہم نے کھا لیا تو پھر کیا کام دے گا +

ؔ من از آں حُسنِ روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم
کہ عشق از پردۂ عصمت بروں آرد زلیخا را +

ؔ مَیں جوشوق سے قدم بڑھا کے چلا لگی رستے میں کہنے یہ بادِ صبا +
تُجھے زندہ نہ چھوڑے گی نازوادا مجھے اُس گُلِ ہوش رُبا کی قسم

آخر آیا وہ دِن کہ کام کاج چھُٹ گئے +

ؔ دِلبرچوں رُخ نمودی شُد نماز من قضا	آفتاب چوں برآید سجدہ کے باشد روا
ؔ عشق کے مکتب میں میری آج بسم اللہ ہے	مُنہ سے کہتا ہُوں الف دِل سے نکلتی آہ ہے
ؔ بخود فارغ از تسلیم کرد +	درد ما بود خود دوائے ما

جس طرح مُردے کو اِس دُنیا سے پریت جان کر لوگ کیرتن کرتے ہُوئے گھر سے باہر چھوڑ آتے ہیں۔ سب عزیز و اقارب ارُو گاتے ہوئے رام کو گنگا کی جانب روانہ کر آئے +

راگ، مال کونس۔ تال چھپ

منا اتیں نے رام نہ جانیا رے۔ رام نہ جانیا رے
منا اتیں نے رام نہ جانیا رے + (ٹیک)

(۱) جیسے موتی اوس کا رے۔ تیسے یہ سنسار + دیکھت ہی کو جھلملا رے جات نہ لاگی بار
منا اتیں نے رام نہ جانیا رے +

(۲) سونے کا گڑھ لنک بنایا۔ سونے کا دربار | رتّی اِک سونا نہ ہلا رے راون چلتی وار

منا اتّیں نے رام نہ جانیا رے

(۳) دن گنوایا کھیں میں رَین گنوائی سوئے + سُورداس بھجو بھگونتا ہونی ہو سو ہوئے

منا اتّیں نے رام نہ جانیا رے

رام نہ جانیا رے ۔ منا اتّیں نے رام نہ جانیا رے

ریلوے سٹیشن کے پلیٹ فارم پر پریم بھرے اشٹ متر رو رہے ہیں ۔ اور گا رہے ہیں +

راگ بھیرو ۔ تال شُول

الوداع اے میری ریاضی! الوداع + الوداع اے پیاری راوی! الوداع

الوداع اے اہلِ خانہ! الوداع + الوداع معصوم ناداں! الوداع

الوداع اے دوست و دشمن! الوداع + الوداع اے ثنویت اُدشُن! الوداع

الوداع اے کُتب و تدریس! الوداع + الوداع اے خُبث و تقدیس! الوداع

الوداع اے دِل ۔ خُدا! اے الوداع + الوداع رام! الوداع اے! الوداع!

۵ کیسا چالاکی میں تو یکتا ہے لے دستِ جنوں + دس تو کیا اِک تار بھی باقی نہیں دستار میں

۵ دیوانگی سے دوش پہ زنّار بھی نہیں + یعنی ہمارے جیب میں اِک تار بھی نہیں

جب جیب ہی نہیں تو تار کیسا ؟

۵ یار و وطن سے ہم گئے ہم سے وطن گیا + نقشہ ہمارے رہنے کا جنگل میں بن گیا

۵ پیراہن سے بدرم و مدبجم از غائیتِ شوق + کہ وجودم ہمہ اوگشت و من ایں پیرہنم

مجھے اس درد میں لذّت ہی رہے جوش جنوں اچھا | مرے زخم جگر کے ہر گھڑی ٹانکے اُدھیڑے جا
رہا ہے ہوش کچھ باقی اُسے بھی اب بکھیڑے جا | یہی آہنگ رے مُطرب پسِ ترنگ اُدھیڑے جا +
ے پیشِ آدم شہ بندہ راگفتم شہا کم کُن بلا + گفتا برو گر عاشقی ہر دم بلا افزوں کنم

رانگ جوگ - تال دھمار

جینے کا نہ اندوہ نہ مرنے کا ذرا غم | یکساں ہے اُنھیں زندگی اور موت کا عالم
واقف نہ برس سے نہ مہینے سے وُہ اکدم | شب کی نہ مصیبت نہ کہیں روز کا ماتم
دن رات گھڑی پہر مہ و سال میں خوش ہیں + پورے ہیں وُہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں
کچھ اُن کو طلب گھر کی نہ باہر سے اُنہیں کام | تکیہ کی نہ خواہش ہے نہ بستر سے اُنہیں کام
محل کی ہوس دل میں نہ مندر سے اُنہیں کام | مفلس سے نہ مطلب نہ تونگر سے اُنہیں کام
میدان میں بازار میں چوپاڑ میں خوش ہیں - + پورے ہیں وُہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں
اُن کے لئے تو۔

(راگ پیلو۔ چال چلنت)

گر نعمتیں کھاتا رہا دولت کے دستر خوان پر - میوے مٹھائی دُودھ گھی ور حلوا ترشی اور شکر
و ربا ندھ جھولی بھیک کی ٹکڑے کے اوپر دھر نظرا | ہو کر گدا پھرنے لگا کوچہ بکوچہ در بدر
گر یوں ہُوا تو کیا ہُوا اور یُوں ہُوا تو کیا ہُوا -

تھا ایکدن دُھ دھوم کا نکلے تھا جب سوار ہو | ہر دم پکارے تھا نقیب آگے بڑھو پیچھے رہو
یا ایکدن دیکھا اُسے تنہا پڑا پھرتا ہے وُہ | بس کیا خوشی کیا ناخوشی یکساں ہے سب لے دوستو

گر یُوں ہُؤا تو کیا ہُؤا اور ووُں ہُؤا تو کیا ہُؤا

یا عشرتوں کے ٹھاٹھ تھے یا عیش کی اسباب تھے | ساقی صراحی گلبدن جام و شراب ناب تھے
یا بیکسی کی درد سے بیحال تھے بیتاب تھے | کچھ رہ نہیں جاتا یہاں آخر کو نقش آب تھے

گر یُوں ہُؤا تو کیا ہُؤا اور ووُں ہُؤا تو کیا ہُؤا

ایک وہ دن تھا۔ کہ ٹھنڈے لمبے سانس کھینچتا۔ پیلی رنگت کے ساتھ چھُپ چھُپ کر زار و قطار روتا دھوتا گنگا میں ڈوبنے کی نیّت سے رام یہاں آیا تھا۔

وجۂ زار از روئے زار و چشم لُولُو بارِ من | قلبِ من نقد رواں را زردئے در بازارِ من
پیش زانکہ بیضۂ زریں فتد بر طشتِ زر | در خروش آید خروس از نالہائے زارِ من

"گنگا ایتھوں صدلبھا رے جاؤں! ... گنگا ایتھوں صد لبھا رے جاوں" +

آج وہ سمے ہے۔ کہ اُسی گوپی گنگی (شری گنگا جی) میں کپڑا لتّا بلکہ بدن کا ہر ہر مُو ڈال پرم آنند کے ساتھ موج میں لہرا لہرا کر گا رہا ہے۔

"صد بلہارے جا گنگے! ایتھوں صد بلہارے جا" وغیرہ

(راگ سورٹھ۔ تال مغلئی)

باز آمدم باز آمدم تا وقت را میموں کنم | باز آمدم باز آمدم تا درد دل افزوں کنم
باز آمدم باز آمدم تا بہر بیماران دل | از اشکِ چشم و آہِ شب و زخونِ جگر معجون کنم
باز آمدم باز آمدم تا دل بر آں دلبر نہم | واز ہر چہ جز دلبر بود از شہرِ دل بیروں کنم
باز آمدم باز آمدم چیزے ندارم جز الف | قدِ الف پیدا شود چوں راست پشتِ نون کنم

باز آمدم باز آمدم دل دادۂ شوریدہ	خود را اگر لیلی کناں آں یار را مجنوں کنم
گفتم شہا در ہجر تو بس قطرہ ہا باریدہ ام	گفتا چہ غم ہر قطرہ را من لولوے مکنوں کنم
گفتم شہا چوں حاضری فردا چہ حاجت وعدہ را	گفتا برو خود را ببیں تا وعدہ را اکنوں کنم
گفتم شہا در پردہ ہا خود را چرا داری نہاں	گفتا کہ گر بیروں شوم سی صد چو تو مجنوں کنم

بادلوں کی گرج کے جواب میں گونجنے والے پہاڑ۔ جاوداں شادی میں پاکوباں آبشار۔ اور راحت فشاں گنگا کی آواز یہ گیت گا رہے ہیں۔

(راگ آسا۔ تال دادرا)

(۱) گنگا کا ہے کنارہ عجب سبزہ زار ہے | بادل کی ہے بہار ہوا خوشگوار ہے۔
کیا خوش نما پہاڑ پہ وہ چشمہ سار ہے | گنگا دھنی سریلی ہے کیا لطف دار ہے۔
آ او دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۲) وقتِ صباحِ عید تماشا تیار ہے | گلگونہ منہ پہ مل کے کھڑا گلعذار ہے
شاہ فلک سے یا جو ہوئی آنکھ چار ہے | مارے شرم کے چہرہ بنا سرخ نار ہے۔
آ او دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے۔

(۳) قطرے ہیں اوس کہ موتیوں کی قطار ہے | کرنوں کی ان میں بل بے نزاکت اپہ تار ہے
مرغانِ خوش نوا انہیں کا ہیکی عار ہے | گاؤ بجاؤ شب کا مٹا دل سے بار ہے۔
آ او دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے۔

(۴) معشوق قد درختوں پہ بیلوں کا ہار ہے واہ واسجے سجائے ہیں کیسا سنگار ہے	نے نے غلط ہے۔ زلف کا پیچاں یہ مار ہے اشجار میں چمکتا ہے خوش آبشار ہے
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے	
(۵) اشجار سر ہلاتے ہیں کیا مست وار ہیں بھنورے جو گونجتے ہیں پڑے زنگار ہیں	ہر رنگ کے گلوں سے چمن لالہ زار ہیں آنند سے بھری یہ صدا اونگ کار ہے
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے	
(۶) گنگا کے روئے صفا سے پھسلتی نہ گر نظر وشنو کے رشو کے گھر کا اساسہ یہ کنار ہے	لہروں پہ عکس مہر کا کیوں بیقرار ہے یاں موسم خزاں میں بھی فصل بہار ہے
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے	
(۷) ساقی وہ مے پلاتا ہے ترشی کو مار ہے واہ کیا مزے سے کھانے کو غم کا شکار ہے	دلدار خوش ادا تو سدا ہمکنار ہے درشن شراب ناب پہ تن من دل کے پار ہے
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے	
(۸) باہر نگاہ کیجئے تو گلزار ہے کھلا کالج قدیم کا یہ سر مو نہیں ہلا	اندر شہر ور کی تو بھلا حد کہاں ملا پڑھاتا معرفت کا سبق میرا یار ہے رام
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے۔	
(۹) اے جاں بیا بیا کہ ایں دنیائے دیگر است خوباں ز خویش دور و درہیل افگند	آبے دگر ہوائے دگر جائے دیگر است خوب است وہیل دور کندے جائے دیگر است

سادھو فقیر کا تو اسی پر مدار ہے ٭ آؤ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۱۰) مستی مدام کا رہی روزگار ہے | گُل بیں نگاہ پڑتے ہی پھر کس کا خار ہے
کیوں غم سے تو نزار ہے کیوں دل فگار ہے | جب رام قلب میں ترے خود یار غار ہے

آؤ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے



گنگوتری کا راستہ

کچھ عرصہ ٹیہری کے نزدیک سیٹھ مرلی دھر کے باغیچہ میں رہنے کے بعد رام کے اندر ایک عجیب ترنگ اٹھی کہ وہ آدھی رات ہم سب کو سویا چھوڑ کر چپکے تن تنہا ننگے سر ننگے پاؤں اُتر کاشی کو چل دئے۔ یہ مقام ٹیہری سے قریب پچاس میل کے فاصلہ پر ہے اور اس سے آگے گنگوتری بھی اتنی ہی دور ہے + مگر آپ مہربانی فرما کر اُتر کاشی سے واپس لوٹ آئے اور آگے گنگوتری نہ گئے۔ اس راستے کے سفر وغیرہ کا مفصل حال خود رام کی قلم سے لکھا ہوا نیچے دیا جاتا ہے ؛-

"صرف کمر پر کپڑا اوڑھے رام چلا جا رہا ہے - اور گا رہا ہے - کیا ؟ "اوم"

ایک موقع پر نو دس میل تک نہایت بلند دیواروں کی طرح ایک دوسرے کے متوازی پہاڑوں کا سلسلہ چلا گیا ہے - ان کے بیچ میں ایک جانب پہاڑ سے ٹکراتی جھکولے کھاتی گنگا بہے جاتی ہے - دوسری طرف کے عمود وار (steep) پہاڑ میں ایک باریک پگ ڈنڈی کھُدی ہوئی ہے - رات کے دو یا تین بجے کا عمل ہوگا - سناٹے

کا عالم ہے۔ ابر چھایا ہوا ہے ۔ پرندہ پر نہیں مارتا ۔ ایلو بجلی کوندی بادل کڑکا ۔ بارش پہاڑوں سے زور آزمائی کرنے لگی۔ راستہ پر پتھر اور درخت گرنے لگے ۔ اڑا اڑا دھم ۔ اڑا اڑا دھم ۔ رام کے سر پر چھاتا نہیں ۔ پاؤں بالکل ننگے ہیں ۔ ہاتھ میں چھڑی بھی نہیں ۔ گرم کپڑے کا سہارا نہیں +

(۱) بفسر دیم ہمہ تن الم بہ ترود آبلہ ور قدم | چو غبار نالہ فسردیم چو سرشک ننگ رواہم
(۲) نہ نشیمنے کہ کنم مکاں نہ پرے کہ بر پرم از میاں | نگنی بہ عشوۂ امتحاں ستم آشیاں رہا ئیم

۵ دشتِ پیمائی سے ہے اپنے بیاباں نازاں
اپنے پابوس سے ہے خارِ مغیلاں نازاں

یہ وہ مقام ہے کہ جہاں دوپہر کو بھی آدمی کا گزر کم ہوتا ہے ۔ یہاں ایسی شبِ تاریں کون چل رہا ہے؟ اُس کے سوا اور کون ہوگا ۔ جو خوابِ گرانِ سُستی کی شبِ یلدا میں بھی جاگتا ہے +

اسی حالت میں چلتے چلتے ٹوٹی ہوئی سڑک سامنے ملتی ہے ۔ رستہ بند ہے مگر وہ کونسی مزاحمت ہے جو رام کو روک سکتی ہے؟ کانٹے دار جھاڑیوں کو پکڑ پکڑ کر پتھروں کو ٹٹول ٹٹول کر رام پہاڑ کے اوپر چڑھ رہا ہے ۔ جہاں بکری (अजा) کا گزرنا دشوار ہے ۔ رام موجود ہے ۔

بہ جہانِ جلوہ رسیدہ ام و ہزار پردہ دریدہ ام + ثمر نہالِ حقیقتم چمنِ بہارِ خدائیم
سر کعبہ گرم جنونِ من دلِ دیر جوشِ خونِ من | مگذر ز سیرِ جنونِ من کہ قیامتِ ہمہ جائیم

پہاڑ کی چوٹی پر کس زور سے "اوم" "اوم" "اوم" کا نعرہ سُنائی دے رہا ہے

ارے پچھلی رات کے سونے والو! کیا یہ کُوک تُمھارے کانوں تک ابھی نہیں پہنچی؟

تُمھاری نیند ابھی تک نہیں کھُلی؟ بادلوں جاؤ دُنیا بھر میں ڈھنڈورا پھیر دو!

اوم بجلی! دوڑو؟ روشنی کے حروف میں لکھ کر دکھا دو۔ اوم

جواب میں بادل گرج گرج کر پتھروں کو جگاتے ہیں۔ بجلی درختوں اور جانوروں کو روشنی سے جگمگا دیتی ہے۔ رام کے فرمان کو پرکاش نے آنکھوں پر قبول کیا۔ آسمان نے سر پر منظور کیا۔ ہند جاگا! جاگا! جاگا!

؎ فلک گفت احسن ملک گفت زہ۔ اوم۔ اوم۔ اوم

اے غلامی! ارے داس پن! اری کمزوری! اب وقت ہے۔ باندھ بستر۔ اُٹھاؤ ٹاٹ پٹا۔ بھاگو۔ چھوڑو مکت پُرشوں کے دیش کو۔ ابر تُمھارے ماتم میں رو بھی رہے ہیں۔ بہ جاؤ گنگا میں۔ ڈوب مرو سمندر میں۔ گل جاؤ ہمالیہ میں۔

اِس مہیب اور پُرخطر موقع پر رام لا دھڑک موت کو تنبیہ کر رہا ہے۔ کیا اُسے جان کا خوف نہیں ہے؟ جس سے کوئی مقام خالی ہی نہیں۔ اُس کو خوف کہاں موت کو ہے طاقت رام کے حکم بغیر دم مارنے کی؟ رام کا یہ جسم نہیں گریگا۔ جبتک بھارت بحال نہ ہونے گا۔

یہ بدن قتل بھی ہو جائے گا۔ تو بھی اِس کی ہڈیاں دوھیچ کی ہڈیوں کی طرح کسی نہ کسی اِندر کا بجر۔ بن کر دویت کے راکشس کو چکنا چُور کر ہی دیں گی۔

یہ شتر برہم مرجائیگا۔ تو بھی اس کا برہم بان نہیں خطا کرے گا :

اشو تھاما کے "برہم شتر" کی طرح رام کا برہم بان دوبیتی ودودائی کی نسل کا تخم باقی نہیں چھوڑے گا۔ حمل میں جو بھید رُوپی بچّے کچّے ہیں اُن کو بھی اُڑا دے گا :

اِس شُدّھ پھُرنا کے سامنے کون ٹھہر سکتا ہے؟ یہ گیان گولا خالی جانیوالا نہیں ؎ پڑا نفس کو کہ راون ہے ہم سے کام نہیں
جلا کے خاک نہ کر دُوں تو رام نام نہیں
بیا اے سنر خنگِ من بہ بر آسمانہا سُم
بخیز اے مُردہ دُنیا قُم باذنی قُم



صبح کا وقت ہے۔ خودمستی میں جھومتا ہؤا رام جارہا ہے۔ کسی وقت موج میں ناچنے لگ پڑتا ہے۔

چاروں طرف پہاڑیوں کو سفید برف ساڑھیاں اوڑھے دیکھ کر مارے غصّے کے چہرہ تمتمانے لگا :

"تم نے بدھوا کا لباس کیوں پہن رکھا ہے۔ دیکھتی نہیں ہو کون آرہا ہے؟"

پہاڑیوں سے آہِ سرد نکلتی ہے۔

"ہائے! رنگریز چل گیا آج ابھی تک نہیں آیا" :

رام کے نظر اُٹھاتے ہی کانپتا کانپتا لال رنگریز آتا ہے۔ آناً فاناً پہاڑیوں کے دوپٹے بھگوئے ہو گئے ٭

۵ رنگدے رے رنگریز چُنریا رنگدے

ماہی کی چدریا ہمری چُنریا ٭ دونو کو جوگیا رنگ دے

مَیں پیا تو رے رنگ میں سمائے رہی

اور رنگ موہے کاہے پریہ ہوئے	مَیں پیا تو رے رنگ میں سمائے رہی
رنگ ہی رنگریز ہی مَیں چٹک چُنریا رنگائے رہی	مَیں پیا تو رے رنگ میں سمائے رہی
ہمرے پیا۔ ہم پیا کے رہی سجنی	پیا پر جیو ڑا گنوائے رہی

مَیں پیا تو رے رنگ میں سمائے رہی

رام کی اردھنگی کا واپس گھر آنا۔

ہم لوگوں کو بالکل اکیلا چھوڑ کر چلے جانے سے رام کی اردھنگی کے دِل کو ایسی سخت چوٹ لگی کہ اُنکی طبیعت علیل ہو گئی۔ رام اگرچہ چند دن کے بعد ہی واپس آ گئے۔ لیکن اُنکی اردھنگی کو صحت نہ حاصل ہوئی۔ جب آب و ہوا کے ناموافق ہونے سے اور کچھ جنگل کی ناقابل برداشت تکالیف کے سر پر پڑنے سے بیماری بڑھنے لگی اور صحت کی اُمید ٹوٹ گئی تو اُنہوں نے چھوٹے بچے (برہمانند) کو ساتھ لیکر واپس گھر جانے کی خواہش ظاہر کی۔ جس پر رام کا حکم نارائن کے نام نازل ہوا۔ اور نارائن اُن کو آرام

پہاڑوں سے میدانوں میں لے آیا اور گوسائیں جی کے پتا گوسائیں ہیرانند جی کے گھر مُرالی والہ گاؤں میں چھوڑ آیا۔ بعد چند ماہ کے نارائن حسب ہدایت رام پھر ٹیہری واپس پہنچا اور اُنکی دل بھر کر خدمت و سنگت کرنے پایا ۔

رام کا سنیاس آشرم اس طرح رام کو ایکانت نواس کرتے قریباً چھ ماہ گزر گئے۔ اور شروع سال ۱۹۰۱ء یعنی سوامی وویکانند جی کے رحلت جاودانی کرنے کے چند ہی دن پہلے رام کے اندر سنیاس لباس دھارن کرنے کی موج اُٹھی۔ دل سے تو تارک الدنیا تو وہ پہلے ہی سے تھے۔ جب قلبی مستی نے بہت رنگ جمایا تو رام کو باہر کے کپڑوں کا رنگنا بھی خوب بھایا۔ چونکہ دوار کا مٹھ کے گدی نشین دوار کا دھیش شری ۱۰۸ سوامی شنکراچاریہ جی نے یہ آگیا (اجازت) دے رکھی تھی۔ کہ "جب قلبی مستی بہت زور سے پھوٹ آئے تو سنیاس آشرم گنگا تٹ پر لے لینا"۔ اِس لیئے رام بھی اس ہدایت کو یاد کر کے گھڑی گھڑی راقم کو نائی و گیرو وغیرہ کے لیئے حکم فرمانے لگے۔ آخر ش نائی لایا گیا۔ کپڑے راقم اور لالہ تولہ رام ہردو نے حسب ہدایت اُنکے رنگے۔ شری گنگا جی کے عین بیچ میں کھڑے ہو کر یگیو پویت وغیرہ گنگا جی کی دھارا کے حوالے کیئے گئے۔ اور مستی مجسّم ہو کر بہت دیر اوم اُچارن کرتے کرتے رام نے گیروا لباس پہنا۔ اور گھنٹوں وہاں کنارے ہی پر مست بیٹھے رہے۔ اُس وقت جو ایک مہاتما جو اُتر کاشی سے نیچے آئے ہوئے تھے وہاں موجود تھے اُنکو بھوجن وغیرہ کھلوایا گیا۔ اور سب جگہ گوسائیں تیرتھ رام

جی کے سوامی رام تیرتھ ہو جانے کی اطلاع دی گئی۔ اولاً تو پرم گورو دوا کا اُدیش شری ۱۰۸ اشوامی شنکراچاریہ جی تیرتھ سنیاسی تھے اس لئے رام کے پیچھے تیرتھ سنگمیا (لقب) رکھی گئی۔ دوم اُن کا پہلا نام بھی تیرتھ رام تھا محض اُس کا اُلٹ رام تیرتھ ہو گیا۔ اس طرح دو وت سنیاس دھارن کرکے رام اب بالکل ایکانت اُسی جنگل میں رہنے لگے اور وقت مقررہ کے بغیر ہم لوگوں کو بھی درشن نہ دیتے اور نہ گھڑی گھڑی انکے پاس سیکو جانے کی اجازت تھی۔

سمیرو کی یاترا اس سنیاس آشرم کے زمانے میں اسی جنگل میں رام قریب چھ ماہ رہے اور اب بہت لوگوں کا ہجوم درشن کی خاطر آنے لگا جس سے وہ ایکانت مقام نہ رہا۔ اِس لئے ۱۴ ر جون ۱۹۰۱ء کو وہاں سے چُپکے سے اُٹھ گئے اور چار یا پانچ میل کے فاصلہ پر آگے چل کر گنگا کے کنارے ایک بڑی گپھا ہے وہاں رہنے لگ گئے۔ وہاں کچھ ماہ رہنے کے بعد یکم بھادوں سمت ۱۹۵۸ مطابق ۱۶ ر اگست ۱۹۰۱ء رام بادشاہ معہ راقم و نالہ تولہ رام کے۔ یمنوتری۔ گنگوتری۔ ترجگی نارائن۔ کدارناتھ۔ و بدری نارائن کی یاترا کے خیال سے روانہ ہوئے۔ پہلے پہل ۲۱ بھادوں برت جنم اشٹمی سمت ۱۹۵۸ مطابق ۵ ستمبر ۱۹۰۱ء کو ہم یمنوتری مندر پہنچے۔ وہاں کا دلکش نظارہ سب کو ایسا بھایا کہ کوئی بھی وہاں سے جلد واپس چلنے کو تیار نہوا۔ اِس لئے رام بادشاہ نے وہاں ہی قیام کرنے کا حکم فرمایا۔ جس پر ہم سب وہیں مقیم ہو گئے۔ رام مہاراج نے تو ایک

گرم گپھا میں رہنا پسند کیا اور یہیں (یہر دو کو) وہاں ایک لکڑی کے مکان میں (جسکو ٹھکار کہتے ہیں) رہنے کا حکم ملا۔ قریب ایک ماہ ہم سب وہاں رہے۔ بعد ازاں رام کو مینوتری کے اوپر سمیرو پربت (برفستان) کی جو بندر پونچھ کے نام سے مشہور ہے سیر کی اُمنگ ہوئی اور وہاں کی خوب سیر کی۔ مینوتری پہنچنے پر جو اثر وہاں کے دلکش نظارے نے رام کے دِل پر ڈالا تھا وہ اُنکے مفصلہ ذیل خط سے مترشح ہو رہا ہے۔

مینوتری

اِس بلندی پر پاش کی دال نہیں گلتی۔ نہ دُنیا کی دال ہی گلتی ہے۔ نہایت گرم گرم چشمہ سار۔ قُدرتی لالہ زار۔ آبشاروں کی بہار۔ چمکدار چاندی کو شرمانے والے سفید ڈُوپٹے (جھاگ کہیں) اور اُنکے نیچے آکاش کی رنگت کو لجانے والا جمنا رانی کا گات بات بات میں کشمیر کو مات کرتے ہیں۔

آبشار نوزرنگ بیخودی میں نرتیہ (ناچ) کرتے ہیں۔ جمنا رانی ساز بجا رہی ہے رام شہنشاہ گا رہا ہے۔

غزل تال۔ قوالی۔

۵
ہپ ہپ ہُرّے۔ ہپ ہپ ہُرّے (ٹیک)

اب دیون کے گھر شادی ہے۔ لو رام کا درشن پایا ہے
پاکو باں ناچنے آتے ہیں ہپ ہپ ہُرّے ہپ ہپ ہُرّے

خوش خرّم مل مل گاتے ہیں۔ ہپ ہپ ہُرّے۔ ہپ ہپ ہُرّے
ہے منگل ساز بجاتے ہیں۔ ہپ ہپ ہُرّے۔ ہپ ہپ ہُرّے
سب خواہش مطلب حاصل ہیں۔ سب خوبوں سے میں واصل ہوں۔
کیوں ہمسے بھید چھپاتے ہیں۔ ہپ ہپ ہُرّے ہپ ہپ ہُرّے
سب آنکھوں میں میں دیکھوں ہوں سب کانوں میں میں سُنتا ہوں
دل برکت مجھ سے پاتے ہیں۔ ہپ ہپ ہُرّے۔ ہپ ہپ ہُرّے
گہ عشوہ سیمیں[1] بر کا ہوں۔ گہ نعرہ شبیر ببر کا ہوں
ہم کیا کیا سوانگ بناتے ہیں۔ ہپ ہپ ہُرّے ہپ ہپ ہُرّے
میں کرشن بنا میں کنس بنا۔ میں رام بنا میں راون تھا +
ہاں! وید اب قسمیں کھاتے ہیں ہپ ہپ ہُرّے ہپ ہپ ہُرّے
میں انتریامی ساکن ہوں۔ ہر پُتلی ناچ نچاتا ہوں +
ہم سُو تنتر تار ہلاتے ہیں ہپ ہپ ہُرّے ہپ ہپ ہُرّے
(مورت) (امورت)
سب رشیوں کے آئینۂ دل میں میرا نُور درخشاں تھا۔
مجھ ہی سے شاعر لاتے ہیں ہپ ہپ ہُرّے ہپ ہپ ہُرّے
ہر اک کا انتر آتم ہوں۔ میں سب کا آقا صاحب ہوں۔
مجھ پائے دُکھڑے جاتے ہیں۔ ہپ ہپ ہُرّے ہپ ہپ ہُرّے

[1] چاندی جیسی خوبصورت نازنین کا نخرہ +

۱۵ مَیں خالق - مالک - داتا ہُوں - چشمک سے دہر بناتا ہُوں -
کیا نقشے رنگ جماتے ہیں ہِپ ہِپ ہُرّے ہِپ ہِپ ہُرّے
اِک کُن[1] سے دُنیا پیدا کر اِس مندر میں خود رہتا ہُوں ۔
ہم تنہا شہر بسانے ہیں - ہِپ ہِپ ہُرّے ہِپ ہِپ ہُرّے
وُہ مصری ہوں جسکے باعث دُنیا کی عشرت شیریں ہے
گُل مجھ سے رنگ سجاتے ہیں ہِپ ہِپ ہُرّے ہِپ ہِپ ہُرّے
مسجُود ہُوں قبلہ کعبہ ہُوں - معبُود اذاں و ناقُوس کا ہُوں
سب مجھ کو کُوک بُلاتے ہیں - ہِپ ہِپ ہُرّے ہِپ ہِپ ہُرّے
کُل عالم میرا سایہ ہے - ہر آن بدلتا آیا ہے
ظل قامت گرد گھُماتے ہیں ہِپ ہِپ ہُرّے ہِپ ہِپ ہُرّے
یہ جگت ہماری کرنیں ہیں - پھیلیں ہر سُو مجھ مرکز سے
شاں بُوقلموں دِکھلاتے ہیں - ہِپ ہِپ ہُرّے ہِپ ہِپ ہُرّے
مَیں ہستی سب اشیاء کی ہُوں مَیں جانِ ملائک کُل کی ہُوں
مجھ بن بے بُود کہاتے ہیں - ہِپ ہِپ ہُرّے ہِپ ہِپ ہُرّے
جادُوگر ہُوں جادُو ہُوں خود - اور آپ تماشا بیں مَیں ہُوں -
ہم جادُو کھیل رچاتے ہیں ہِپ ہِپ ہُرّے ہِپ ہِپ ہُرّے
بیجانوں میں ہم سوتے ہیں حیواں میں چلتے پھرتے ہیں
انسان میں نیند جگاتے ہیں ہِپ ہِپ ہُرّے ہِپ ہِپ ہُرّے

[1] حکم یعنی وُہ حکم جو پیدائشِ دُنیا سے پہلے دیا گیا تھا -

سنسار تجلی ہے میری سب اندر باہر میں ہی ہوں ٭
ہم کیا شعلے بھڑکاتے ہیں ہپ ہپ ہرّے ہپ ہپ ہرّے
ہے مست پڑا مہماں میں اپنی کچھ بھی غیراز رام نہیں
سب کلپت دھوم مچاتے ہیں ہپ ہپ ہرّے ہپ ہپ ہرّے

نوٹ - یمنوتری مندر میں یہ نظم لکھی گئی تھی اس لیئے پہلے اُس مقام کا ذکر کیا گیا - پھر اپنی اندرونی حالت کو بذریعۂ نظم ظاہر کیا گیا ہے - اب رام وہاں اپنی طرزِ رہایش بیان فرمانے لگے ہیں -

دیوانگی کو دن دونی رات چوگنی ترقی ہے "دیوانہ راہوئے بس ست" والا حال ہے - قالبِ عنصری کا کچھ پتہ نہیں -

خوراک - پھلاہار جو جمنا رانی اپنے ہاتھ سے پکا دیتی ہے یعنی گرم کنڈ میں خود بخود تیار کر دیتی ہے ٭

سنان - کبھی کبھی سو سو فیٹ کی بلندی سے گرنے والے آبشاروں کے نیچے سنان کی موج لوٹی جاتی ہے - کبھی صدیوں کی جمی ہوئی برف سے تازہ تازہ نکل کر جو جمنا جی آتی ہے اُس میں نہانے کا لطف اُٹھایا جاتا ہے - اور کبھی کنڈوں کے تتے پانی میں شہنشاہ سلامت غسل فرماتے ہیں ٭

چلنا پھرنا - سب جگہ بالکل ننگے ہرن سے ہوتا ہے ٭

رام شہنشاہ

رام کا گنگوتری آگمن سمیرو (بندر پوچھ برفستان) کی سیر کے بعد یمنوتری آئے - یمنوتری سے نیچے قریب دس بارہ میل کے فاصلہ پر کھرسالی گاؤں ہے وہاں

ہی ہم سب پہنچے۔ اس گاؤں سے گنگوتری کو دو رستے پھٹتے ہیں۔ ایک اوپر برفستان کے ساتھ ساتھ جس کا نام **چھایاں یا بامسرور** راستہ ہے اور محض پگڈنڈی ہے بغیر واقف کار کے کوئی اس راستے سے چل نہیں سکتا۔ اور دوسرا راستہ اترکاشی کی طرف سے ہے۔ یہ خاصی چوڑی سڑک ہے اور جمنا ندی کے کنارے کنارے چلتا ہے۔ اس راستے سے یاتری قریبًا دس بارہ روز میں گنگوتری پہنچ سکتا ہے اور برفستان کے راستے سے محض دو تین دن کے اندر اندر۔ ہم لوگ بجائے اترکاشی والے سہل راستے سے جانے کے اوپر برفستان کے نزدیک والے راستے سے گنگوتری کو روانہ ہوئے اور دو دن کے بعد دھرالی گاؤں میں پہنچے۔ اس گاؤں کے بعد قریب بارہ ۱۲ میل کے فاصلے پر گنگوتری ہے۔ اس دشوار گذار راستے اور بندر پونچھ کے برفستان کی سیر کا مفصل بیان **رام** نے انگریزی میں اپنی قلم سے ایک رسالہ کی شکل میں دیا ہے۔ جس کا مفصل ترجمہ کلیاتِ رام جلد دوم میں دیا جائیگا۔

کیدار ناتھ اور بدری ناتھ کی یاترا

گنگوتری کے نزدیک پورے ایک ماہ رہنے کے بعد ہم لوگ بوڑھے کیدار اور ترجگی نارائن کے راستے سے کیدار ناتھ گئے۔ اور وہاں سے بدری نارائن کی یاترا کی۔ بدری نارائن ہم سب دیوالی سے ایک ہفتہ پہلے پہنچے۔ اُن دنوں سورج و چندر گرہن ہر دو اکٹھے آئے تھے۔ سورج گرہن کے دن سنان (غسل) کے بعد جو نظم رام کی قلم سے

نکلی وہ ہدیۂ ناظرین کیجاتی ہے۔

عشق کا طوفاں بپا ہے حاجتِ میخانہ نیست
خوں شراب و دِل کباب و فرصتِ پیمانہ نیست
سخت مخموری ہے طاری خواہ کوئی کیا کچھ کہے
پست ہے عالم نظر میں وحشتِ دیوانہ نیست
الوداع اے مرضِ دُنیا! الوداع اے جسم و جان!
اے علش! اے جُوع! چلو اینجا کبوتر خانہ نیست
کیا تجلّی ہے یہ نارِ حسن شُعلہ خیز سے
مارے پَر ہی یہاں پر طاقتِ پروانہ نیست
مہر ہو ماہ ہو بستاں ہو گلستان کُہسار۔ (کوہسار)
موجزن اپنی ہے خُوبی صُورتِ بیگانہ نیست
لوگ بولے گرہن نے پکڑا ہے سُورج کو غلط
خود ہیں تاریکی میں یہ من سایہ محجوبانہ نیست
اُٹھ مری جان جسم سے ہو غرق ذاتِ رام میں
جسم بدریشور کی صُورت حرکتِ فرزانہ نیست

رام متھرا میں جب بدری نارائن سے رام واپس لوٹنے لگے تو متھرا سے خط ملا کہ سوامی شوگن آچاریہ جی نے وہاں یمنا ندی کے کنارے ایک

شانتی آشرم قائم کیا ہے۔ اور سالِ ہذا کے آخر میں یعنی بڑے دنوں کی چھٹیوں میں ایک دھرم مہوتسو بطور ریلیجس کانفرنس کے کیا چاہتے ہیں اور رام کو انہوں نے اُس مذہبی مہا سبھا کا سبھاپتی (پریذیڈنٹ) چنا ہے۔ رام چونکہ بدری نارائن سے میدانوں کی طرف واپس لوٹ ہی رہے تھے اِس بلاوے کی درخواست کو منظور فرمایا اور براہ الموڑا دسمبر ۱۹۰۱ء وہ متھرا پہنچے راقم اور نرائن معروف بہ سوامی نارائن جی بھی ہردو رام کے ہمرکاب تھے وہاں پہنچنے کے تھوڑے ہی دن بعد ریلیجس کانفرنس (دھرم مہوتسو) کا جلسہ شروع ہوا۔ اور سوامی جی نے صدارت کی کرسی کو زینت دی۔ اِس موقع پر متھرا نواسی اور دیگر اصحاب جو جلسہ میں حاضر تھے سوامی رام تیرتھ کا جلال دیکھ کر دنگ رہ گئے اس مقدس مورتی کا رنگ اُس وقت ٹھیک اُنکے بھگوے کپڑوں کے مشابہ تھا۔ گویا گیان کی لالی اور سچا تیاگ و سنیاس اُنکے اندر سے پھوٹ پھوٹ کر باہر نکلا کرتے تھے۔ اس دھرم مہوتسو میں سوامی رام جی کے متعلق ایک رشی شردن ناتھ جی یوں لکھتے ہیں۔

"متھرا دھرم مہوتسو کے پہلے جلسہ میں سوامی رام پدھارے تھے۔ اہا ہا! کیا شوبھا تھی۔ چہرے سے جلال برستا تھا۔ اور بھی بہت سے مہاتما سادھو موجود تھے لیکن آپکے جلال (کرانتی) کے آگے ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے ماہتاب کے آگے ستارے۔ کرشن بھگوان کی بابت میرے دل میں یہ شنکا تھی کہ اُن پر گوپیوں کا

موہت ہونا بنسری کے بس ہو کر سُدھ بُدھ نہ رکھنا بسا اوقات آدھی رات کو کرشن کرشن پکارتی ہوئی کرشن کے پاس پہنچنا وغیرہ یہ سب شاعرانہ بندش ہے عقل انسانی قبول نہیں کرتی بلکہ یہ سب گپ نظر آتی تھی لیکن سوامی رام تیرتھ کے درشن نے یہ بڑی بھاری شنکا (شک) دل سے دُور کر دی۔" آپ ہی اس بڑے جلسہ کے میر مجلس تھے اور جب سبھا یا جلسہ کا کام ختم ہو گیا اور پریمیوں کے بھوگ رام کے منوہر بچن سُننے کے لیے اور بھی بڑھ گئے تو رام نے کہا۔ "اب انسٹو کا کام ختم ہو گیا ہے۔ اب رام کا ویاکھیان اِس چھوٹے سے تمبو کے نیچے نہ ہوگا۔ بلکہ وہاں ہوگا جہاں قدرت نے آکاش کا بڑا خیمہ استادہ کر رکھا ہے اور جہاں شری جمنا (جمنا) جی نے نرم و باریک ریت کا ملائم ملائم بستر بچھا رکھا ہے۔" یہ کہہ کر رام نے وہ پنڈال چھوڑ دیا اور ایک طرف کو روانہ ہوئے اور تمام حاضرین پیچھے پیچھے چلے۔ جیسا کہ ہونا چاہیئے تھا رام دریا کی جانب نہ گئے بلکہ اُسکے خلاف روانہ ہوئے۔ اور تمام خلقِ خدا ابھی بلا سوچے سمجھے کہ رام کہاں جا رہے ہیں جنگل کی طرف اُنکے پیچھے روانہ ہوئی اور جب رام نے دیکھا کہ یہ مارے پریم کے پاگل ہو رہے ہیں۔ ان کو شدھ بُدھ نہیں ہے تو ٹھہر کر کہا۔

"پیارو! رام لگھو شنکا (پیشاب) کرنے جاتا ہے اور وہاں سے لوٹ کر رام جمنا کنارے آکر ویاکھیان دیگا۔" یہ سنکر سب کے سب جیسے تھے ویسے ہی کھڑے رہے۔ اور جب رام واپس ہوئے تو پھر اُن سے پیچھے روانہ ہوئے جیسی طرح کہا جاتا ہے کہ کرشن کے ساتھ رہنے کو ہر ایک گوپی (اچھا (تمنا) کرتی تھی

یہی حال یہاں دیکھا کہ رام کے ساتھ چلنے کو لوگ بیاکل ہیں۔ میں خود دو مرتبہ جھاڑیوں میں اُلجھ کر گرا۔ مگر کچھ خیال نہ ہُوا۔ میرے ایک رشتہ دار مجھ سے پیچھے رہ گئے۔ لیکن کچھ پرواہ نہیں۔ خیال ہے تو یہ کہ رام آنکھوں سے اوجھل نہ ہوں۔

جب رام جی کنارے پہنچے شام کا وقت تھا اور جاڑے کا موسم لیکن جلسہ چونکہ دن بھر رہتا تھا بدیں وجہ تمام اشخاص دوپہر کی گرمی محسوس کر کے بہت کم گرم سامان ساتھ لائے تھے۔ لیکن تاہم ایسے بیخود تھے کہ جب رام نے کہا کہ آپ بیٹھ جایئے تو وہ سب اپنے قیمتی دوشالے اُس ریت کے فرش پر بچھا کر بیٹھ گئے اور پریم کے ساتھ رات کے ۸ بجے تک رام کا منوہر بچن سنتے رہے۔ سردی کی پرواہ تک نہ کی۔ اِن میں تھے کون کون؟ گنوار۔ ان پڑھ جاہل اور بے عقل ہی نہ تھے بلکہ گریجویٹ۔ وکیل، ڈاکٹر، انجینیر، ڈپٹی کلکٹر، منصف، اور بڑے بڑے عہدہ دار اور شہر کے رئیس بھی تھے۔ اہاہا! جب رام کے منوہر بچنوں میں یہ شکتی ہے کہ جو عقل و فہم کا بھنڈار خیال کئے جاتے ہیں اُن کو مدہوش کر دیتی ہے تو ناقص العقل گوپیاں اور بشنو بنت گوال اگر شری کرشن چندر کے منوہر بچن۔ منوہر بانسری اور سندر سروپ پر مائل ہو گئے، سُدھ بُدھ کھو دی یا اُسکے حقیقی عشق میں لٹ گئے تو کیا اچنبھا ہے۔ پس یہی نظارہ تھا جس نے میرے دل سے وہ بھاری شنکا رفع کر دی۔"

بابو سرجن لال پانڈے عرف شانتی پرکاش سیکرٹری سادھارن دھرم سبھا

فیض آباد لکھتے ہیں کہ "سوامی جی کی عالمگیر محبّت کا ایک زبردست ثبوت یہ ہے کہ جو اُن کو دیکھتا اُن کا والہ و شیدا ہو جاتا۔ جب سوامی جی* فروری ۱۹۰۲ء میں سادہارن دھرم سبھا کے دوسرے سالانہ جلسہ پر تشریف لائے تھے تو اُس وقت اُسی ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر ہندو، مسلمان، عیسائی و دیگر مذاہب کے پیرو کاروں نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اِس جلسہ میں اہلِ اسلام کی جانب سے مولوی محمد مرتضیٰ علیخاں صاحب سوامی جی سے ایک مسئلہ پر بحث کرنے نہیں نہیں لڑنے کے لیئے آئے تھے۔ مگر جس وقت نظر دوچار ہوئی معلوم نہیں وہ لڑائی کی سپرٹ کہاں گئی۔ مولوی صاحب کی آنکھوں سے اُسی وقت پریم کے آنسو بہنے لگے اور سوامی جی سے ہاتھ جوڑ کر بولے کہ "اے رام! میں تجھکو ایسا نہیں جانتا تھا۔ اب میرے قصور معاف ہوں" بعدازاں مولوی صاحب اپنے ذاتی آنند

*یہ واقعہ راقم کا چشم دید ہے۔ اس موقعہ پر راقم رام کے ہمرکاب تھا اور اُن دنوں جو جو ویاکھیان سوامی جی کہیں دیتے تھے اُنکے مختصر نوٹ قلمبند کر کے مختلف اخباروں کو برائے اشاعت بھیجا کرتا تھا اور کبھی ایسے بھی ہوتا تھا کہ حکم پا کے پریہ پلیٹ فارم پر خود بھی کچھ بولا کرتا تھا۔ سبھا مذکا کا سالانہ جلسہ تھا۔ جلسہ کے شروع دِن رام کی طبیعت کچھ ٹھیک نہ تھی۔ اپنے مقررہ وقت پر اُس روز راقم کو بولنے کے لیئے (یعنی لکچر دینے کے لیئے) حکم فرمایا جس پر راقم نے آتما کے مضمون پر کچھ بولا۔ اِسکے ختم ہونے پر مولوی صاحب نے مضمون ہذا پر بہت سے اعتراضات پیش کر دیئے۔ اُس وقت بالکا رام نے جواب دیا کہ دوسرے دن تشریف لایئے اور اپنے شکوک رفع کر جایئے۔ اِس طرح وہ دوسرے دن آگئے اور مذکورہ بالا نتیجہ حاصل ہوا۔

میں ہر وقت مخمور و مست نظر آنے لگے۔

آگے چل کر شانتی پرکاش جی لکھتے ہیں کہ :- مَیں نے معتبر ذریعوں سے سُنا ہے کہ جس وقت شری رام تیرتھ جی ہردوار کے پہاڑوں پر تپ کرتے تھے تو اُن کو یہ قدرت حاصل تھی کہ وائیو (ہوا) اور جل (پانی) محض اُنکے حکم سے چلتے تھے جیسا کہ گنگوتری و جمنوتری کے سفر کا بیان جو رام کی قلم سے لکھا ہوا ہے اِس امر کو بخوبی روشن کرتا ہے۔

.... گذشتہ سال کا ایک واقعہ میرا چشم دید ہے کہ جن دنوں سوامی جی (رام بادشاہ) یہاں (فیض آباد) تشریف لائے تھے قریب ہر روز بارش ہوتی تھی جب مَیں نے مہاراج کی خدمت میں عرض کی کہ مطلع صاف نہیں ہوتا بادل سے آسمان گھِرا ہوا ہے تو رام بادشاہ ہنسے اور فرمایا کہ "اب رام آگیا ہے۔ بادلوں کی آلودگی اور غمگینی (gloominess) نہیں رہ سکتی۔ جیسے اب دِل خوش ہیں ویسے ہی مطلع کو بھی صاف اور خوش و بشاش رہنا چاہیئے۔ یہ فرمایا تھا کہ فوراً بادل جو گھِرا تھا پھٹ گیا اور سُورج کا پرکاش ہو گیا اور پھر جب تک سوامی جی اپنے اُپدیشوں سے فیض آباد کو فیض یاب کرتے رہے ابر کا نام و نشان تک نہ تھا +

ممکن ہے کہ بعض اصحاب کو رام کے ان معجزوں یعنی تعجب خیز وقوعات میں شک معلوم دے مگر ہم لکھ چکے ہیں کہ برہم نشٹھ (عارفِ کامل) مہاتما کی طاقت لا انتہا ہو جاتی ہے اور اُس کا ہر ایک کام دُنیا سے نرالا۔ قدرت اُسکی خدمت کے لیئے

سرشار رہتی ہے اور ایسے عارف کا حکم ناطق ہوتا ہے۔ فی الفور مکمل ہو جاتا ہے اور جب تک انسان زندگی کے وہ تمام کٹھن مرحلے جو ایک مہاپُرش کو طے کرنے پڑتے ہیں طے نہ کرلے وُہ مہاپُرش کے کارہائے نمایاں کا اندازہ لگا ہی نہیں سکتا۔ اور جب کوئی انسان قُدرتی اُصولوں پر چلتا ہو تو کوئی وجہ دکھائی نہیں دیتی کہ قُدرت اُسکی آرزو کے مُطابق نہ چلے۔ شری گورو نانک دیوجی لکھتے ہیں "سوجے توں اُس کا ہو رہیں تو سب جگ تیرا ہو"۔ یہاں معاملہ ہی صاف ہے۔ جن کا دل پاک ہے تمام عالم اور قُدرت اُن کے ساتھ ہے۔ سوامی رام نے اپنے ایک بھگت سے ایک دفعہ اپنی گفتگو میں فرمایا تھا کہ:۔

"رام صبح کے وقت ایک دن جنگل میں چلا جا رہا تھا کہ ایک ادویت مورتی (وحدانیت مجسّم) مہاتما سے آنکھیں دوچار ہو گئیں۔ اُن کے پاس محض ایک لنگوٹی تھی اور وُہ بھی کچھ پھٹی ہُوئی۔ ایک سیٹھ بدری ناتھ کو جا رہا تھا۔ اِس سنت مہاتما نے اُس سیٹھ سے اپنی لنگوٹی (جو کچھ کُھلی تھی) کی طرف اشارہ کرکے کہا:۔ "ارے بدری ناتھ تو یہ دیکھ لے"۔ اِن مہاتما کا نام بدری دیو تھا۔ اِن سے جب رام کی آنکھیں دوچار ہُوئیں دونوں ہنس پڑے بارتالابھ ہُوئی۔ حالت بدل گئی۔ وہاں سے رام پہاڑ پر چلا۔ یہاں جنگل کے کنارے ایک برہم پُوری٭ مندر ہے۔ رام نے وہاں اُپنشدوں کا مطالعہ کیا۔ پھر ایسی سمادھی

٭ اسی مندر کے نزدیک گنگا کنارے رام نے اپنا آسن کئی دنوں تک جما یا تھا۔ آ۔ ئی

لگی کہ کچھ نہ پوچھو۔ اگر رام چٹان پر لیٹتا ہے تو گویا پتھر کا ٹکڑا پڑا ہے اگر دھوپ میں بیٹھا ہے تو دھوپ ہو رہا ہے۔ اِس وقت رام کی ایسی حالت ہو گئی کہ اگر وایو کو حکم دے کہ چل تو ہوا فوراً چل پڑتی تھی۔ عناصر اُس کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ اگر رام کو کسی پستک کی ضرورت ہوتی تو کوئی شخص وہی کتاب لئے اُس کے پاس چلا آتا ہے"

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۹۳)۔ مقام پر جب کچھ دن تک اُپنشدوں کا لگاتار مطالع اور ابھیاس سے آتم ساکھشات کا رنہ ہُوا تو رام نے (جیسا کہ اُنکی زبانِ مبارک سے سُنا گیا) اپنا جسم گنگا کے حوالہ کر دیا تھا۔ بوجہ موسم برسات کے گنگا طغیانی پر تھی اور زور زور سے بہ رہی تھی۔ ایسی خونخوار اور تند لہروں سے بہتی ہوئی گنگا میں گرنا تھا اور تن بدن کا خاتمہ ہُوا ہی چاہتا تھا کہ ماتا گنگا نے اپنے پیارے اور دُلارے کو چوم چاٹ چھٹ ایک شِلا پر دھکیل کر بٹھلا دیا۔ اِس موت کے پنجہ سے بچنا تھا کہ دِل خوب عبرت پکڑ کر شانت و ساکن ہُوا اور تب چند ہی گھنٹوں کے بعد انکشافِ ذات ہو گیا۔ جس کا مفصل بیان رام کی اپنی قلم سے صفحہ ۱۰۵ جلد ہذا پر دیا گیا ہے۔

تھوڑے عرصہ کے بعد طغیانی کم ہو گئی اور جل پہلے کی نسبت بہت زیادہ اُتر گیا۔ جس سے رام گنگا کے کنارے پر پہنچ گئے۔ پھر تو کئی راتیں مستی میں اُسی جگہ گزریں ٭

ناراین کا سنیاس آشرم

سادھارن دھرم سبھا فیض آباد کے سالانہ جلسہ پر رام کے حکم سے جو کچھ نارائن بولا وہ مدلّل اور واضح ہونے کے سبب سے بہت سامعین کے دل پر اثر کرتا ہُوا رام کو محسُوس ہُوا۔ اتنا ہونا تھا کہ رام کے دل میں یہ ترنگ جوش مارنے لگی کہ "بس اب نارائن کو اپنے ہمراہ رکھنا نارائن کی اپنی اصلی ترقی اور لوگوں کا بھلا ہونا بند کرنا ہے۔ اور اگر نارائن سنیاس آشرم دھارن کر کے اکیلا پھرنے لگ پڑے گا۔ اور جابجا اپدیش دیتا رہے گا تو بے شمار لوگوں کی خدمت کرنے سے اور جابجا اپنے پر اعتقاد رکھکر (یعنی ایشور پر بھروسہ رکھکر) پھرنے سے اس کا دل دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی کرتا جائیگا۔ پس اس کا فوراً الگ کرنا اور دُور دُور مقامات پر اپدیش کے لیئے بھیجنا از حد ضروری و لازمی ہے" اِس ترنگ کے اُٹھتے ہی سالانہ جلسہ کے ختم ہونے پر رام سے حکم نازل ہُوا کہ "اب نارائن کو جلد سنیاس آشرم دھارن کر کے فوراً سندھ دیش میں پھرنا چاہیئے" یہ حکم سننا تھا کہ نارائن کے دل پر سخت چوٹ لگی۔ رام کے ساتھ دلی عشق کچھ ایسا زور پکڑ گیا تھا کہ رام کی جُدائی ایک لمحہ بھر کے لیئے گوارا نہ ہوتی تھی۔ محض اِس عشق رام نے گھر بار تو اوّل سے ہی چھڑا رکھا تھا اور سب تعلقات وغیرہ چھوڑنے آسان ہو گئے تھے مگر رام کے فرحت بخش سایہ سے دُور ہونا بھلا کس کا دِل گوارا کر سکتا تھا۔ اِس لیئے یہ خبر سُنتے ہی نارائن کے دِل پر سکتہ کا سا عالم چھا گیا اور آنکھوں

سے زار زار آنسو ٹپک پڑے۔ نارائن کے دل کی یہ افسردہ حالت دیکھ کر بہت پیاروں نے رام کو سمجھایا بُجھایا اور التجا کی کہ ابھی نارائن اس قابل نہیں کہ اسے اپنے سے الگ کیا جائے ابھی اسے اپنے ہمراہ اور تربیت پانے دو۔ جب ہر طرح سے خوب مضبوط ہو جائیگا تو خود بخود وہ الگ بچھڑنے کی التجا کرے گا اور تب وہ خوب ترقی پا سکے گا۔ ایسے گھائل ہوئے دل کے ساتھ اُسے بھیجنا شاید اُسکے لیئے بہت مُضر پڑے وغیرہ وغیرہ؛ مگر رام بادشاہ کس کی سُننے تھے۔ گو اتنا ضرور ہو گیا کہ نارائن کو فیض آباد سے ہی علیحدہ نہ کیا لیکن لکھنؤ پہنچتے ہی سنیاس لینے اور علاقہ سندھ جانے کا حکم ناطق بڑے پریم بھرے لہجہ میں رام نے فرمایا۔ جسکو دل پر پتھر رکھکر منظور کرنا پڑا۔ لکھنؤ سے ہر دو اکھٹے ایک گاڑی میں سوار ہوئے۔ رام کا ٹکٹ فرسٹ کلاس کا تھا اور نارائن کا درمیانی درجے کا۔ مگر جہاں تک سفر اکٹھا ہونا تھا اُتنی دُور تک ہمراہ چلنے کے لیئے رام نے نارائن کو اپنے کلاس میں بٹھا لیا اور طرح طرح سے حوصلہ افزائی کرنی شروع کی۔ اگرچہ حوصلہ افزائی و دلجمعی نارائن کی بہت کی گئی۔ لیکن جُدائی کا لفظ دل کو اسقدر چوٹ لگا رہا تھا کہ بے تحاشا آنسوؤں کا دریا بہنے لگا۔ اور اس دلی چوٹ محبت نے رام کے دل کو بھی خوب ہلا دیا۔ اور اُنکی مست آنکھیں بھی آنسو برسانے سے رُک نہ سکیں۔ اِس طرح دونوں طرف سے آنسوؤں کا سماں بندھا ہوا تھا کہ جنکشن سٹیشن جہاں سے نارائن کو بدلنا تھا اور رام کو اُسی گاڑی

میں آگے جانا تھا آپہنچا۔ وہاں پہنچکر ناراین کے دِل کی کچھ اور ہی حالت ہوگئی اور اس قدر صدمہ کہ آنکھیں آنسو برسانے سے تھمتی ہی نہ تھیں۔ رام نے خود ناراین کو بغلگیر کیا۔ اور ازحد پریم بھرے لہجہ میں سمجھا بجھا کر تھپک دیا۔ اور گاڑی بدلنے کے لئے ناراین کی گٹھڑی بھی قلیوں کے حوالے کردی۔ خود بھی رام اُتر کر نارایَن کے ہمراہ ہولیئے اور پژمُردہ دِل نارایَن کو بارام گاڑی میں بٹھلا گئے۔ اور الگ ہونے وقت جو اوم کی سُریلی دُھنی رام نے اُچارن کی۔ اُس کا اثر جو ہُوا وہ نارایَن کا دِل ہی جانتا ہے قلم بیان نہیں کرسکتی۔

اِس طرح مارچ سنہ ۱۹۰۲ء میں نارایَن کو سنیاس ملا اور رام سے الگ ہوکر بلباسِ سنیاس دیش دشانتر بچرنے لگا۔

رام سے الگ ہوکر بموجب حکم سِندھ دیش میں آیا۔ وہاں کچھ عرصہ خوب ست سنگ کا سِلسلہ جاکر مُلتان شہر گیا۔ وہاں سے لیہ۔ ڈیرہ اسمعیل خان۔ اور پنڈ دادنخاں ہوتا ہُوا کٹاس راج پُہنچا۔ اتنے میں رام مہاراج کا نوازشنامہ موصُول ہُوا جس میں اُنھوں نے تحریر فرمایا کہ پہلی دفعہ نارایَن کو چار ماہ تک ہی الگ بچرنا چاہئے۔ چار ماہ کے ختم ہونے پر نارایَن کو فوراً پہاڑوں میں رام کے پاس آجانا چاہئیے۔ مئی سنہ ۱۹۰۲ء میں رام ریاست ٹیہری کے پہاڑمیں دوبارہ واپس چلے گئے اور وہاں ایک جگہ اپنا آسن جمانے کی نارایَن کو اطلاع دی گئی۔ نارایَن بھی فرمانِ رام پاتے ہی جون سنہ ۱۹۰۲ء میں بطرف اُترا کھنڈ روانہ ہوگیا۔ اور ماہ جون کے

آخر وہ رام کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ پھر جو دل کو مسرت و تقویت ملی وہ دل ہی جانتا ہے۔ نارائن کے پہنچنے پر رام نے اپنی تیار کردہ غزل جو سنائی وہ آج تک نہیں بھولتی۔ اگرچہ وہ حصّۂ اوّل میں دی گئی ہے مگر اس موقع پر بھی اُس کا درج کرنا غیر مناسب نہیں ہے اس لئے نیچے دی جاتی ہے:۔

اُڑا رہا ہوں میں رنگ بھر بھر طرح طرح کے یہ ساری دُنیا
چہ خوب ہولی مچا رکھی تھی یہ اب تو ہولی یہ ساری دُنیا
میں سانس لیتا ہوں رنگ کھلتے ہیں چاہوں دم میں ابھی اُڑا دوں
عجب تماشا ہے رنگ رلیاں ہیں کھیل جادو ہے ساری دُنیا
پڑا ہوں مستی میں غرق و بے خود نہ غیر آیا چلا نہ ٹھیرا
نشے میں خرّاٹا سا لیا تھا جو شور برپا ہے ساری دُنیا
بھری ہے خوبی ہر اک خرابی میں ذرّہ ذرّہ ہے مہر آسا
لڑائی شکوے میں بھی مزے ہیں یہ خواب چوکھا ہے ساری دُنیا
لفافہ دیکھا جو لمبا چوڑا اُٹھا تحیّر کہ کیا ہی ہو گا
جو پھاڑ دیکھا او ہو اکھوں کیا ہے ہوئی ہی کب تھی یہ ساری دُنیا
یہ رام سُنیے گا کیا کہانی ہے شروع نہ اس کا ختم نہ ہو یہ
جو ستیہ پوچھو ہے رام ہی رام یہ محض دھوکا ہے ساری دُنیا

مہاراجہ صاحب ٹہری کو رام کے درشن

مئی ۱۹۰۲ء میں جب رام دوبارہ

ٹیہری پہاڑ پر گئے تو رائے بہادر لالہ بیجناتھ صاحب بی اے ریٹائرڈ جج آگرہ بھی ہمرکاب تھے۔ٹیہری کے راستے میں مختلف مقاموں پر جو دلکش و دلچسپ نظاروں سے آراستہ تھے کچھ کچھ دن مقام کرتے گئے۔ٹیہری سے قریباً گیارہ میل کے فاصلہ پر ڈیرہ ڈون کی طرف ایک پڑاؤ کوڑیا چٹی کہلاتا ہے۔اس پڑاؤ پہ ایک پرانا محل مانند قلعہ کے کئی سالوں سے ٹوٹا پڑا ہے۔اسکے گرد وسیع میدان اور گھنا جنگل مختلف قسم کے گلوں سے شگفتہ ہے اس مقام کا نظارہ نہایت دلکش اور فرحت بخش دیکھ کر رام نے وہیں آسن جما لیا اور رائے صاحب بھی رام کے ساتھ اُس مقام سے نیچے پڑاؤ کے بنگلہ میں رہے تا کہ رام کے پاس کچھ ایکانت ابھیاس کریں۔مگر شاید جنگل کی تکالیف نہ برداشت کر سکے یا کسی اور وجہ سے رائے صاحب چند ہی دنوں کے بعد واپس میدانوں میں آ گئے۔اور رام بادشاہ تن تنہا اُس بھیانک و گھنے جنگل میں ایکانت سیون کرتے رہے۔ان ہی دنوں میں مہاراجہ صاحب ٹیہری کسی ضروری امر کے لئے واسطے رائے صاحب بہادر سے ملنے کے لئے ڈیرہ ڈون آ رہے تھے راستے میں اتفاقاً اسی کوڑیا چٹی پڑاؤ پر مقام کیا۔جب مہاراجہ صاحب ٹیہری قریب دوپہر کے اس پڑاؤ پہ پہنچے اور رام بادشاہ کی آمد کی خبر پائی تو رام کے درشن کا شوق اُنکے دل میں جوش مارنے لگا۔اِس مقام پر یہ ذکر کرنا نا واجب نہ ہوگا کہ مہاراجہ صاحب ٹیہری اگرچہ علم و ہنر میں ہر طرح سے لائق تھے مگر کئی ناستکوں کی تصنیفات کے مطالع سے اُنکے دِل میں ایشور کی ہستی پر اعتقاد دیا

دھرم کے اصولوں پر شردھا ذرا سی بھی نہ تھی۔ زیادہ تر ہربرٹ سپنسر (H. Spencer) کے پیروکار تھے۔ لہذا اگنوسٹک (agnostic) کہلاتے تھے اور ہندو مذہب کی رسومات وغیرہ کو دل سے نہیں بلکہ برہمنوں اور اہلِ محل کی مجبوری سے ادا کرتے تھے، لیکن اسقدر پکے ناستک نہ تھے کہ علانیہ اپنے یقین کو عوام میں ظاہر کریں۔ اِس یقین میں گاہے گاہے بیشمار شکوک بھی اُنکے دل میں اُٹھا کرتے تھے جن کے دور کرنے کے لئے بہت مطالع و سنگت بھی کرتے تھے۔ جب کسی امر میں خوب تسلّی نہ پائی تو مذہب کے اصول و نتیجوں کی تحقیقات کے لئے آپ نے آریہ سماج اور سناتن دہرم سبھا کے بڑے بڑے مشہور لیڈروں کو ریاست کے خرچ سے بلایا اور باہم کئی دنوں تک مباحثے کروائے۔ قریب آٹھ روز تک یہ مباحثے ہوتے رہے مگر کسی طرف سے بھی مہاراجہ صاحب کی تشفّی نہ ہوئی۔ آخر ش مباحثہ بند کیا گیا۔ اور دل پہلے سے بھی زیادہ مضطرب ہوگیا۔ اُس وقت بھی مہاراجہ صاحب نے سوامی رام کو اس مباحثے میں بلوانے کی بہت کوشش کی تھی۔ مگر چونکہ رام ایکانت ابھیاس میں تھے اور ایک جگہ سے نہ ہلنے کے ارادے سے اپنے مطالع و ابھیاس میں جم کر بیٹھے تھے لہذا وہ کوشش رائگاں گئی۔ اب اتّفاق سے جس پڑاؤ پر مہاراجہ صاحب نے مقام کیا۔ اُسی کے نزدیک رام قیام رکھتے تھے اور دل پہلے سے بھی دھرم کے اصولوں و نتیجوں سے تسکی تھا اور مذہبی مسائل کے ٹھیک نہ سمجھنے سے ہر وقت مضطرب رہتا تھا۔ اِس موقعہ کو غنیمت سمجھ کر مہاراجہ صاحب نے اپنے وزیر صاحب

کو سوامی جی کی خدمت میں اس عاجزانہ درخواست سے بھیجا۔ کہ "اے ساری سرشٹی کے مالک و آزاد سوامی جی! اپنی کرپا درشٹی ہمارے پر بھی کیجئے۔ اور درشن دیکر ہمیں بھی کرتارتھ کیجئے۔ آپ کی بڑی ہی کرپا ہوگی جو یہاں درشن دیکر ہم بھولے بھٹکوں کو بھی راہِ راست پر لاوینگے"۔ یہ سندیسہ وزیر صاحب کی زبانِ مبارک سے سُنتے ہی شاہنشاہ رام اُٹھ کھڑے ہوئے اور وزیر صاحب کے ساتھ مہاراجہ صاحب کی طرف چلے۔ رام کی آمد کی خبر پاتے ہی مہاراجہ صاحب راستہ میں استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے۔ درشن پاتے ہی اپنے آپ کو دھنیہ بھاگ کہتے ہوئے پرنام کیا۔ اور بڑے محظوظ دل کے ساتھ سوامی جی کو سواگت کر کے اپنے مقام پر لائے، سوامی جی کا مقام پر پہنچنا تھا کہ وہاں ایک دربار عظیم لگ گیا۔ جو شنک دربارۂ ہستئ ایشور مہاراجہ صاحب کے دل میں بہت مدت سے تھا اور نہ حل ہونیکے سبب سے اُنہیں مضطرب بنائے رکھتا تھا وہ بیان کیا گیا قریب ۲ بجے کے یہ سوال پوچھا گیا اور قریب ۵ بجے شام تک رام مہاراج اسی مسئلہ کو مختلف دلائل اور اظہار امور واقعی سے خوب واضح کر کے سمجھاتے گئے۔ جب یہ معاملہ ہر پہلو سے واضح اور ثابت کیا گیا تو مہاراجہ صاحب نے اشارتاً اتنا عرض کیا کہ روپیہ میں بارہ آنے بالکل سمجھ میں آگیا ہے۔ اب ذراسی کسر باقی ہے۔ سو اگر آپ کچھ مدت تک ہمارے پاس ہی ٹھہری قیام فرماوینگے تو آپ کی اننت بہت کرپا ہوگی اور مجھے اُمید قوی ہے کہ آپ کی اس کرپا سے اور روزمرہ کی

سنگت سے میرے دل کے شبے کالعدم ہو جاوینگے۔ اور مضطرب دل شانتی پکڑنے لگ جائیگا۔ مہاراجہ صاحب کی اِس استدعا کو رام نے آنند سے قبول فرمایا۔ اِس طرح تھوڑے عرصہ کے بعد وہ ٹِہری پدھارے اور اُنکے ٹِہری پُہنچنے کے چند روز بعد ہی نارائن میدانوں سے وہاں پہنچ گیا۔ اور پھر کئی ماہ تک وہاں اُنکے ہمرکاب رہا +

سفرِ ممالکِ غیر

ٹِہری میں تھوڑے عرصہ رہنے کے بعد سوامی جی پرتاب نگر گئے۔ یہ مقام پربت کی چوٹی پر ہے۔ موسم گرما کاٹنے کے لئے مہاراجہ صاحب مرحوم کے والد سری پرتاب شاہ نے اپنے لئے بنوایا تھا اس لئے اُنہی کے نام سے موسوم ہے۔ مہاراجہ صاحب ٹِہری بھی اُن ایام میں وہیں رونق افروز ہوئے۔ قریباً ہر ہفتہ سوامی جی کے پاس آتے تھے اور خوب دِل بھر ست سنگ کرتے تھے۔ اُن دنوں یعنی جولائی ۱۹۰۲ء کے اخباروں میں یہ خبر چھپی کہ "چکاگو" کی طرح جاپان میں بھی دُنیا بھر کے تمام مذاہب کی "ریلیجس کانفرنس" منعقد ہو گی۔ اور ہندوستان کے سب فرقوں و مذاہب کے لیڈروں کو مدعو کیا گیا ہے وغیرہ وغیرہ"۔ مہاراجہ صاحب اخبار میں یہ خبر پڑھتے ہی خود اخبار ہاتھ میں لئے فوراً سوامی جی کے پاس آئے اور اس خبر کو پڑھکر سنایا۔ بعد سُنانے کے تھوڑی دیر بعد مہاراجہ صاحب نے یُوں عرض کی کہ "اگر آپ جیسے شریمان (مہاتما) اِس جلسہ

ہیں براجمان ہوں تو ہندوستان کا بھی نام رہ جائیگا۔ ویدانت کا تو بھی جابجا خوب پھیلیگا اور اس کانفرنس کی شہرت بھی آپ جیسے مہاتماؤں کے رونق افروز ہونے پر بہت زیادہ ہو جائیگی" مہاراجہ صاحب کی اِس استدعا پر سوامی جی جاپان جانے کے لئے فوراً تیار ہو گئے۔ چونکہ سوامی جی کوڑی تک کبھی پاس نہیں رکھتے تھے، پاس رکھنا تو درکنار سوائے لوہے کے اُن دنوں کسی اور دھاتو کو چھوتے بھی نہ تھے اس لئے مہاراجہ صاحب نے بذریعۂ تار تھامس کک اینڈ کمپنی کی معرفت جہاز کے کرایہ وغیرہ کا کُل انتظام اپنے آپ کر لیا۔ اور سوامی رام اور نارائن ہر دو کے لئے ایک کمرہ ریزرو ڈکرا دیا۔ قریب ایکہزار کے کرایہ لگا تھا۔ ایسا انتظام ہونے پر سوامی جی ٹہری سے بطرف کلکتہ چلدیئے۔ اگرچہ مہاراجہ صاحب نے ہر دو کے لئے کمرہ ریزرو ڈکرا دیا تھا۔ مگر رام بادشاہ یہ اشارہ کر کے کہ نارائن کے بھی ساتھ چلنے سے اولاً تو اُسکی ترقی میں فرق آئیگا دوم بھارت ورش میں اُنکے پیچھے اُنکی لائین پر کام کرنے والا نہیں رہے گا اس لئے آپ اکیلے چلدیئے اور نارائن کو کچھ عرصہ تک اوِر ایکانت ابھیاس کرنے کے لئے ٹہری ہی میں رہنے کا حکم فرما گئے۔ صرف ڈیرہ ڈون تک ساتھ لے گئے تاکہ رام کو ریل میں سوار کرا کر اور آخری اُپدیش لے کر واپس آجائے۔ اِس طرح سے نارائن بموجب حکم رام ڈیرہ ڈون تک گیا اور رام نہیں گاڑی میں سوار کرا کر اور کئی اُمور میں اُپدیش لیکر واپس ٹہری آیا۔؛

ٹہری سے روانہ ہونے کے ایک دن پیشتر رام بادشاہ کی خدمت میں اگرچہ مہاراجہ صاحب ٹہری نے دوبارہ سہ بارہ یہ عرض واضح طور پر کردی کہ "آپ اکیلے جاپان ہرگز تشریف نہ لیجائیں۔ نارائن کو ضرور ساتھ لیجائیں تاکہ راستے کی تکالیف کے فرو کرنے میں وہ بہت مددگار ہوگا۔ میں خود ولایت ہو آیا ہوں۔ مجھے سمندر کے سفر کا پورا پورا تجربہ ہے۔ اکیلے مسافر کی جان پر جو بن آتی ہے وہ وہی جانتا ہے دوسرا کبھی ٹھیک بیان نہیں کرسکتا۔ اور شروع کے سفر بحری میں تو اکیلے ہرگز نہیں جانا چاہیئے۔ کیونکہ راستے میں دکھ بہت ہوتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ"۔ مگر سوامی جی کے دل میں یہ عرض گذاشت ذرا سی بھی نہ جچی۔ لہذا اس امر پر بلا کوئی توجہ دیئے اکیلے بطرف کلکتہ چلدیئے۔ رستہ میں جہاں جہاں اترے سب نے رام کی اس کارروائی و عدم توجہی پر زور شور سے اعتراض کیا۔ یہاں تک کہ لکھنؤ میں جب اترے تو سب ولایت کے سفر کرنے والے اصحاب نے بڑی حلیمی سے انکی خدمت میں عرض کی کہ ایک ہمراہی اپنے ساتھ ضرور لیجائیے، اکیلے ہرگز نہ جائیے، جب آگرہ میں پہنچے تو رائے بیجناتھ صاحب نے انکی اس ضد پر بہت تکرار کیا اور بحری سفر کے کئی پہلو پر غور کرا کر سوامی جی کو مجبور کیا کہ ایک نہ ایک ساتھی ضرور ساتھ لیجائیں۔

جب ساتھیوں کا انتخاب ہونے لگا تو سب نے نارائن کی طرف ہی اشارہ کیا، اِس طرح باہم مشورہ سے فیصلہ پانے پر رام مہاراج نے نارائن کے

نام ایک ارجنٹ تار ٹہری کے پتہ پر بدیں مضمون بھیجا کہ "۲ ماہ اگست تک کلکتہ میں جلد حاضر ہو جاؤ۔ رام نے تم کو ساتھ لیجانا ہے"۔ ۲۰ ماہ اگست میں بہت تھوڑے دن رہ گئے تھے مگر تار کے موصول ہوتے ہی نارائن ایک بہت نوجوان طاقتور قلی ساتھ لیکر بطرف ڈیرہ دون روانہ ہوا۔ شام کے دو بجے ٹہری سے چلا تھا اور رات کے آٹھ بجے تک قریباً ۲۲ میل کا سفر طے کر لیا۔ یعنی راستے کے عین مدھ میں جو کدو کھال نام چٹی آتی ہے (اور ٹہری سے وہاں تک متواتر چڑھائی ہی ہے) اُس مقام پر نارائن معہ اپنے ہمراہی کے پہنچ گیا۔ اور دُوسرے دن علی الصباح اُٹھکر گیارہ بجے کے قریب ڈیرہ دُون پہنچ گیا اور ایک بجے والی ریل کی گاڑی پکڑ لی۔ اِس طرح بجائے ۲۰ ماہ اگست کے نارائن جلدی کے مارے ۱۹ کو پہنچ گیا تاکہ نارائن کی طرف سے حکم کی پیروی میں کوئی کمی نہ ثابت ہو۔ نارائن کی خوش قسمتی سے جہاز کے چلنے کی تاریخ بھی بدل گئی تھی۔ یعنی بجائے ۲۰ یا ۲۲ اگست کے قریب ۲۸ اگست ہو گئی اور نارائن کو اِس طرح سفر کی تکان سے بھی آرام مِل گیا۔

اِس طرح نارائن کو اپنے ہمرکاب لئے ہُوئے رام بادشاہ ۲۸ اگست ۱۹۰۲ء کو جاپان کی طرف روانہ ہُوئے۔ ہانگ کانگ تک ہم لوگوں نے جارڈن کمپنی کے ایک کمسین نامی جہاز میں سفر کیا۔ وہاں سے ایک امریکن کمپنی کے بڑے بھاری جہاز میں سوار ہُوئے جو دس بارہ دن کے بعد یوکوہامے میں پہنچ گیا۔

کچھ تو جہازوں کے مقام کرنے سے کئی بندرگاہ پر راستہ میں ٹھہرنا پڑا اور کچھ تبدیلی جہاز کی وجہ سے ہانگ کانگ میں ہفتہ بھر رہنا پڑا اس لئے ہم جلد جاپان نہ پہنچ سکے بلکہ ماہ اکتوبر کے شروع ہفتہ میں یوکوہامہ (جاپان کے بڑے بندرگاہ پر) پہنچے۔ کلکتہ سے روانہ ہونے کے چند روز پیشتر جو نظم وہاں کے نظارے سے متاثر ہو کر رام کی قلم سے لکھی گئی تھی اُسکی نقل بھی یہاں دیجاتی ہے۔ تاکہ رام بادشاہ کی چلنے کے وقت جو قلبی حالت تھی وہ ناظرین کو واضح ہو جائے۔

گیانی کی سیر

راگ کلیان تال تین

یہ سیر کیا ہے عجب انوکھا کہ رام مجھ میں۔ میں رام میں ہوں

بغیر صورت عجب ہے جلوہ کہ رام مجھ میں رمیں رام میں ہوں

مُرقعِ حسن و عشق ہوں میں۔ مجھی میں راز و نیاز سب ہیں۔

ہوں اپنی صورت پہ آپ شیدا کہ رام مجھ میں میں رام میں ہوں

زمانہ آئینہ رام کا ہے۔ ہر ایک صورت سے وہ ہویدا ہے

جو چشمِ حق بیں کھلی تو دیکھا کہ رام مجھ میں میں رام میں ہوں ٭

وہ مجھ سے ہر رنگ میں ملا ہے کہ گل سے بو بھی کبھی جدا ہے

حباب دریا کا ہے تماشا کہ رام مجھ میں میں رام میں ہوں۔

سبب بتاؤں میں وجد کا کیا؟ ہے کیا جو دَر پردہ دیکھتا ہوں
صدا یہ ہر ساز سے ہے پیدا کہ رام مجھ میں مَیں رام میں ہوں
بسا ہے دِل میں مرے وُہ دلبر ہے آئینہ میں خود آئینہ گر
عجب تحیّر ہوُا یہ کیسا؟ کہ رام مجھ میں مَیں رام میں ہوں
مقام پوُچھو تو لامکاں تھا۔ نہ رام ہی تھا نہ میں وہاں تھا۔
لیا جو کروٹ تو ہوش آیا کہ رام مجھ میں مَیں رام میں ہوں
علی التواتر ہے پاک جلوہ کہ دِل بنا طُورِ برقِ سینا
تڑپ کے دِل یوں پکار اُٹھا کہ رام مجھ میں مَیں رام میں ہوں
جہاز دریا میں اور دریا جہاز میں بھی تو دیکھئے آج
یہ جسم کشتی ہے رام دریا ہے۔ رام مجھ میں میں رام میں ہوں

کلکتہ سے جاپان تک راستے کی کُل بندرگاہوں پر سِندھ کے سیٹھ لوگوں کے فرم ہیں۔ اُن دنوں دو سیٹھوں کے فرم بہت مشہور تھے ایک سیٹھ وسایل آسُومل اور دوسرے سیٹھ پوہُومل برادر۔ اتفاق سے ہر ایک بندرگاہ پر یہیں ہر دو فرم

نوٹ:۔ بجائے "رام مجھ میں مَیں رام میں ہوں" کے "یار مجھ میں مَیں یار میں ہوں" بھی کہیں کہیں سوامی جی نے باہر کر کے تحریر فرمایا ہی سو دونوں طرح سے یہ گایا جا سکتا ہے اور اسے پڑھنے والے کے اُوپر سوامی جی نے چھوڑ رکھا ہے یہاں سہولیت کے لئے صرف ایک ہی طرز دی گئی ہے

(نارائن)

میں تھوڑی تھوڑی دیر تک رہنے کا موقع ملا اور سب بندرگاہوں پر گورو مہاراج
کے سکھ سردار بہت تپاک سے ملے اور سب جگہ گورو دوارے (مندر) پائے
خاصکر پنیانگ اور ہانگ کانگ کا گورو دوارہ بہت عالیشان و قیمتی ہے، ان
گورودواروں کی موجودگی سے سکھ لوگوں کی گورو بھگتی خوب واضح طور پر منتشح
ہوتی ہے۔ ان گورو کے سکھ لوگوں کی گورو بھگتی سے متاثر ہو کر رام مہاراج نے
ہانگ کانگ کے گورو دوارہ میں بڑے زور شور سے گورو بھگتی پر لیکچر دیئے۔ اور
سب فرقوں کے اصحاب اُنکے اُپدیش سُننے کے لئے وہاں رونق افروز ہوئے
وہاں کے لوگ بھی سوامی جی کے درشن اور اُپدیش سے اسقدر محظوظ ہوئے کہ
اُنہیں ایک ہفتہ بھر اُنہوں نے روک رکھا۔ اور بعد دس دن کے وہاں سے آگے
جاپان کو چلنے دیا۔ وہاں سے چلکر ہم شنگھی پہنچے۔ اگرچہ رام مہاراج وہاں
نہیں اُترے تھے۔ اکیلا نارائن ہی تھوڑے عرصہ کے لئے وہاں اُترا تھا۔
لیکن وہاں بھی گرنتھ صاحب کی مہما چاروں طرف واضح نظر آتی تھی۔ جو بھی گورو
کا سکھ نارائن کو دیکھتا بڑے تپاک سے ملتا اور ہر طرح سے سیوا کرنے پر تیار
ہوتا۔ شنگھی کے بعد ہمارا جہاز جاپان کے پہلے بندرگاہ ناگاساکی پر پہنچا
وہاں اُتر کر جاپان کی سرزمین اور اہل جاپان کی بود و باش اطوار کا بغور ملاحظہ
کیا۔ کئی مندروں میں طرز پرستش دیکھی۔ کئی طرح کے لباس و طرز رہائش کی
عمدگی کو دیکھ کر دل بہت محظوظ ہوا۔ وہاں سے پھر ہمارا جہاز جاپان کے دوسرے

بندرگاہ کوبی میں پہنچنا۔ غیر ممالک میں یہ رواج ہے کہ جو بڑا جہاز کسی بندرگاہ میں نووارد ہونے والا ہو اُسکے پہنچنے سے ایک دن پیشتر درجۂ اول و دوم کے سب مسافروں کے نام اُس بندرگاہ کے اخباروں میں شائع ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کوبی پہنچنے سے پیشتر وہاں کے اخباروں میں ہمارے نام شائع ہو گئے تھے اور اُس بندرگاہ میں چند گجراتی بھائیوں کے بھی فرم تھے۔ وہ ان ناموں کو پڑھ کر خود برائے درشنِ رام جہاز پر آ گئے اور ہم لوگوں کو اپنے مکانوں میں لے گئے۔ اُن پیاروں نے ہر طرح سے ہماری خاطر تواضع کر کے اُس شہر کی خوب سیر کرائی اور وہاں کی مختلف رسومات اور فیکٹریاں وغیرہ دکھلائیں۔ وہاں سے سوار ہو کر پھر ہم جاپان کے مشہور اور آخری بندرگاہ یوکوہامہ پر پہنچے۔ وہاں اُترتے ہی سیٹھ وسیامل آشومل سندھی مرچنٹ کے ایک دو نوکر بندرگاہ پر تشریف لائے ہوئے تھے۔ اُن کے ہمراہ ہم لوگ اُن کے فرم پر پہنچے۔ اور قریب ایک ہفتہ وہاں رہے۔ اُن لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہم تمام مذاہب کی کانفرنس کے دیکھنے کے لئے آئے ہیں تو وہ یہ خبر سنکر بڑے متعجب ہوئے کیونکہ اس قسم کی کوئی خبر اُن کو جاپان میں سنائی نہ دی تھی اور نہ وہاں کے کسی اخبار میں تا حال چھپی تھی۔ اور کچھ مسکرائے بھی کیونکہ اُنکی نگاہ میں یہ خبر بالکل غلط و جھوٹ تھی۔

اس طرح جب کوئی نشان و پتہ اس ریلیجس کانفرنس کا یوکوہامہ میں نہ

سُنائی دیا تو واجب سمجھا گیا کہ اسکی تحقیقات جاپان کے دارالخلافہ ٹوکیو ہیں کی جائے۔ وہاں پہنچکر خود خبر لگ جائیگی۔ ٹوکیو میں چند طلباء ہندوستان کے مختلف علاقوں سے برائے تعلیم آئے ہوئے تھے۔ اُنکے مفصّل پتے یوکوہامہ کے سیٹھ جی سے معلوم ہو گئے اور اُس فرم کا ملازم بھی ہمارے ہمراہ ہوُا۔ ہم لوگ ٹوکیو پہنچکر سب سے پہلے مسٹر پُورن سنگھ کے مکان پر پہنچے۔ یہ پیارے ہم لوگوں کو دیکھتے ہی اسقدر محظوظ ہوئے کہ اِنکے چہرے پر باچھیں کھِل گئیں۔ بیشک پیارے پُورن سنگھ جی کو ہمارے درشن مانو سے اپنا وطن یاد آگیا۔ اور دِل میں وُہ پختہ یقین سے یُوں سمجھنے لگے کہ "بھگوان یا قُدرت نے اُنکے دِل کے تمام شک و شُبہہ مٹانے کے لئے یہ سنیاسی بلا بُلائے یہاں بھیجے ہیں میری مراد ضرور بالضرور کچھ نہ کچھ اب برآئیگی"۔ وہاں پہنچکر چند منٹ سستانے کے بعد جب ریلیجس کانفرنس کے بارہ میں دریافت کیا تو معلوم ہُوا کہ یہ خبر بالکل غلط و لغو کسی مسخرے پیارے نے محض مذاق کے طور پر جھوٹ مُوٹ ہندوستان کے اخباروں میں چھپا دی ہے جس سے لوگوں کو مُفت میں دھوکا مِلا۔ ایسا معلوم ہونے پر فوراً ایک تار ہندوستان میں بابت اس غلط خبر کے دیدی گئی۔ تاکہ اور لوگ اس پہلی افواہ سے گمراہ ہوکر ہندوستان کو نہ چھوڑدیں اور یہاں پہنچکر مفت تکلیف نہ اُٹھائیں ؛

ہمارے جاپان پہنچنے سے کچھ عرصہ پہلے پروفیسر جھپرے کا سرکس (گھوڑوں وغیرہ کا) بھی آیا ہوُا تھا اور ٹوکیو میں ہر رات تماشا کرتا تھا۔ ہماری آمد کی خبر پاتے

ہی وہ سب پیارے ہم لوگوں کو ملے - مہاراجہ صاحب بہادر نیپال نے اپنے کچھ طلبا برائے تعلیم صنعت و حرفت جاپان میں ایک سوامی مہاراج کی زیر نگرانی بھیجے ہوئے تھے وہ سب طلباء بھی ملے۔ احاطۂ پنجاب و ممالک متحدہ کے بھی بہت سے طلبا ملے۔ جب ہندوستان کی سرزمین کے اتنے بھائی جاپان میں نظر آئے تو دل بہت متعجب ہوا۔ اور اپنے ہموطنوں کو وہاں ملکر اس قدر حظ آیا جو قلم کے احاطہ سے باہر ہے -

ہمارے پہنچنے سے پہلے بھارت ورش کے یہ نوجوان طلباء پروفیسر جھینزے وغیرہ کی تحریک پر ایک کلب بنا رہے تھے جس میں ہندوستان کے خیرخواہ چند جاپانی بھی شامل تھے۔ جب رام نے مسٹر پورن کے مکان میں قدم رکھا تو اس کلب کی بنیاد منعقد کی جارہی تھی۔ اس کا نام "انڈو جاپان کلب" قرار پایا۔ اسکے دو سیکرٹری ایک ہندوستانی بھائی مسٹر پورن اور ایک جاپانی بھائی مسٹر ہیجی سیکوا تھے۔ کلب کا مُدعا ہندوستانی نوجوانوں کو جاپان میں بُلوا کر تعلیم دلوانا اور باہم ایک دوسرے ہموطنی کی مدد کرنا تھا -

تھوڑے عرصہ کے اندر اندر اس کا سرمایہ بھی کافی جمع ہو گیا۔ جب جاپان کی ریلیجس کانفرنس کی افواہ وہاں پہنچکر غلط پائی تو اس کلب میں ہی رام پہلے اُپدیش دیتے رہے۔ بعدازاں اُنکے ٹوکیو کالج میں ایک دو مدلل لیکچر ہوئے۔ ٹوکیو کالج کا لیکچر رازِ ترقی (Secret of Success) پر تھا جس نے بہت جاپانی طلبا اور

پروفیسروں کے دلوں پر وجد کا سا عالم پیدا کر دیا تھا۔ اِس لیکچر کے بعد سوامی جی پروفیسر جیپتر کی درخواست پر اُنکے ہمراہ امریکہ چلدیئے۔

مسٹر پورن سنگھ کا سنیاس۔

مسٹر پورن سنگھ کے ہاں جب سوامی رام پہنچے تو بارنالا یہ سے معلوم ہوا کہ وہ ایک سچے آنند کے متلاشی اور ہربرٹ سپنسر کے مقلد ہیں۔

اتفاق سے نارائن اُنکے شہر وغیرہ کا نام پُوچھ بیٹھا تو آپ جواب دیتے ہیں کہ کُل دنیا میرا گھر یا ملک ہے "Then the world is my home"

اِس جواب کو سُنتے ہی رام نے دُوسرا فقرہ اُسکے ساتھ یہ سُنا دیا "and to do good is my religion" اور بھلا کرنا میرا دھرم ہے۔ اس سوال و جواب سے اُن کی ہونہاری مترشح ہو رہی تھی۔ اور اہلِ قلم بھی وہ اسقدر پائے گئے کہ جب سوامی رام نے دیر از کامیابی پر لیکچر دیا اور نارائن اُس لیکچر کے نوٹ اپنے ہمراہ کاغذ پر لکھ لایا تو انہوں نے دو گھنٹے کے اندر اُن کل نوٹوں کو مفصل و ہو بہو رام کی زبان ہی میں ادا کر دیا۔ اُنکی اس واضح و دلچسپ تحریر کو دیکھ کر رام خود بھی بڑے متعجب و خوش ہوئے۔ اور اُنکو خوب تھاپی دی مسٹر پورن کی یہ تحریر ہی اِدھر اُدھر سے درست کر کے رام کا پہلا لیکچر شائع ہوا تھا۔ اب تو پورن جی اور رام پورن ہیں تپاک سے بسنے لگے۔ جب پورن کے ہر طرح کے شک شبہے کا فور ہوئے اور رام کی سنگت سے قلب تشفی پا گیا تو سب طلباء کے سامنے رام سے پُوچھنے لگے کہ "اب مجھے کیا کرنا چاہیئے" رام نے جواب دیا کہ

"اپنی ضمیر سے یہ سوال پوچھو اور اُسکی پیروی کرو" پھر دوبارہ پوچھا تب بھی رام نے یہی جواب دیا۔ تھوڑی مدت بعد سہ بارہ یہی سوال ہمارے پورن نے رام سے کیا تو رام نے سب طلباء کی طرف اشارہ کر کے کہ کہیں آپ لوگ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ رام مسٹر پورن کے لئے جو تجویز کرے گا وہ آپکے لئے بھی مفید اور کارآمد ہوگی۔ ہرگز نہیں۔ آپکی زندگی کا رشتہ ایک دوسرے کے ساتھ اور خاصکر مسٹر پورن سے ساتھ تعلق نہیں پا سکتا۔ پھر پورن کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ "Take up Sannyasa and serve humanity" سنیاس آشرم دھارن کرو اور بھائیوں کی سیوا کرو۔ یہی رستہ زندگی آپکے لئے ازحد مفید و بہتر ہوگا۔ اتنا سُننا تھا کہ مسٹر پورن کا دل و جان پیچ کھانے لگا۔ اور قلب کی تہ تک رام کے جواب کا اثر پہنچا۔ اِس جواب کے تھوڑے دن بعد سوامی رام پروفیسر چھتر ے کے ہمراہ امریکہ کی طرف چلدیئے اور مسٹر پورن جن کا دِل رام کے عشق میں گھائل ہُوا تھا رام کی مفارقت کے چند ماہ بعد ہی اُنہوں نے وہاں جاپان میں سنیاس لے لیا اور وہاں کے سادھو لوگوں (بونگیوں) کی طرح سال بھر زندگی بسر کی۔ اِسی سنیاسی لباس میں وہ جاپان کے شہر شہر میں پھرے اور ویدانت کا پرچار کیا۔ اور ویدانت کا اثر ہر ایک تعلیم یافتہ کے اندر پہنچانے کے لئے ایک رسالہ بھی اُنہوں نے جاری کیا جس کا نام Thundering Dawn (گرجتی ہوئی صباح) تھا۔ ایک سال کے بعد جب دوست و مشیر و دل سے

ہندوستان میں پہنچے تو والدین اُنکی آمد کی خبر پاکر ان کو لینے کے لئے کلکتہ آئے ہوئے تھے۔ اپنے لختِ جگر کو سادھو لباس میں دیکھکر سب روئے دھوئے اور اپنے ہمراہ انہیں اپنے گھر پنجاب میں لے آئے۔ چند عرصہ تک لگاتار سمجھانے بجھانے کے بعد والدین نے اُنکا سنیاسی لباس اُتروا دیا اور حسب درخواست والدین وہ دُنیاداری میں دوبارہ داخل ہو گئے۔ آجکل یہی پُورن سنگھ جی ڈیرہ دُون میں فارسٹ ڈیپارٹمنٹ کے کیمیکل ایڈوائزر کے عہدے پر ممتاز ہیں اور اُنکی گود میں چار بچے (تین لڑکے ایک لڑکی) کھیل رہے ہیں۔ یعنی چار بچوں کے والد شریف ہیں۔ قریب تین برس سے اب اپنے پیدائشی سکھ مت میں پھر داخل ہو گئے ہیں اور اب بجائے مسٹر پُورن کے سردار پُورن سنگھ کہلاتے ہیں۔

نارائن کا امریکہ میں تنہا سفر

امریکہ چلنے سے ایک دن پہلے رام مہاراج راقم کو یوں فرمانے لگے کہ "دیکھو نارائن! دھرم کے جلسوں پر تو اکٹھے آنا ہم دونوں کے لئے مفید و بہتر تھا۔ مگر جا بجا سفر اکٹھے کرنا یا دھرم پرچار کے لئے اکٹھے وِچرنا ہم دونوں کے لئے نقصان دہ ہوگا۔ کیونکہ اس طرح سے دل ایک دوسرے کے آسرے رہنے لگ جائیگا۔ اور ایشور پر کُلّی بھروسہ رکھنے کے بجائے باہم ایک دوسرے کی مدد کا محتاج ہو جائیگا جس سے ایشور پر وشواش کے تنزل ہونے کا احتمال ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ ہم اب الگ الگ علاقے سفر کے لئے مقرر کرلیں۔ ہم تو پردیشیہ

چھترے کے ساتھ امریکہ کی طرف وچرتے ہیں۔ تم یورپ، افریکہ، لنکا، برہما وغیرہ تمام علاقوں میں وچرو، مگر دیکھنا کہیں باہر کے سفر کی تکالیف سے تنگ آکر ہمارے سے پہلے فوراً بھارت ورش میں ہی مت چلے جانا۔ اور جب تک ہم نہ لکھیں تب تک بھارت ورش میں داخل مت ہونا وغیرہ وغیرہ"۔ یہ آخری حکم فرما کر رام تو دوسرے دن امریکہ چل دیئے اور نارائن کو وہاں اکیلا جاپان ہی میں چھوڑ گئے۔ کچھ عرصہ تک تو نارائن وہاں "انڈو جاپان کلب" کے لئے کام کرتا رہا اور جاپان کے مشہور و معروف شہروں کا سفر کیا۔ قریباً تمام قابلِ دید مقامات دیکھ کر نارائن جاپان سے واپس ہانگ کانگ آیا۔ وہاں قریب ایک ماہ تک ست سنگ جاری رکھنے کے بعد سنگاپور آیا۔ وہاں سے پینانگ ہوتا ہوا برہما پہنچا۔ برہما میں چند ماہ گھومنے کے بعد لنکا (Ceylone) کا رُخ کیا۔ وہاں سوامی وویکانند کی سوسائٹی میں کئی لیکچر دیئے۔ قریب تین ماہ تک لنکا کے مشہور مقامات دیکھنے کے بعد نارائن افریکا آیا۔ پورٹ سید، قاہرہ (مصر) الگزینڈریا گھومتا ہوا۔ گوزو، مالٹا جزائر میں پہنچا۔ وہاں سے افریکا کی شمالی حد کا سفر کرتا ہوا یعنی ٹیونس۔ اوران۔ الجیریہ تنجیر (مراکو) کے شہروں کی سیر کرتا ہوا جبرالٹر پہنچا۔ وہاں قریب ایک ماہ تک ست سنگ جاری رکھنے کے بعد لندن کا سفر کیا۔ اور شروع ستمبر ۱۹۰۳ء میں لندن پہنچا ✣

رام امریکہ میں سوامی جی کے تمام خطوں سے جو اُنھوں نے امریکہ

پہنچکر ارسال کیئے صریحاً واضح ہوتا ہے کہ وہاں کے لوگوں کو سوامی جی کی موجودگی سے نہایت فائدہ پہنچا۔ امریکہ جیسے مُلک میں جہاں بلا فیس اد اکئے کسی قسم کا اعلیٰ اُپدیش سُننا نہیں ملتا۔ وہاں رام نے بلا کسی قسم کا ٹکٹ لگائے نہایت اعلیٰ و مفید مضامین پر لگاتار وکھیان (لیکچر) دیئے۔ قریباً ہر روز کئی ماہ تک لگاتار لیکچر ہوتے رہے۔ سُننے والے اسقدر اشتیاق سے سُنتے تھے کہ وہ ہر ایک لیکچر کا لفظ بلفظ نوٹ شورٹ ہینڈ ٹائپنگ سے لیتے تھے بعد ازاں اُسکی چار یا پانچ مفصل و واضح نقلیں بذریعۂ ٹائپ رائیٹر تیار کر لیتے تھے اُن نقلوں کی ایک یا دو کاپی سوامی جی کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے اور باقیماندہ وہ اپنے پاس اپنے استعمال کے لئے رکھ لیتے تھے۔ ممکن ہے کہ کئی لیکچروں کے نوٹ نہ لیئے گئے ہوں۔ مگر جتنے لیکچروں کے نوٹ قلمبند ہوئے اور رام کی خدمت میں پیش کئے گئے وہ تمام کے تمام رام مہاراج ہندوستان آتے وقت اپنے ہمراہ لے آئے۔ سچ پوچھو تو یہ رام کے لیکچروں کی غیر صاف شدہ نقلیں ہی تھیں جو پورے چار سال تک چار جلدوں میں شائع ہو سکیں۔ یہ اُن سُننے والوں کے اشتیاق اور محنت کا ثمرہ ہے کہ جو آج ہندوستان کو رام کے کلام و اُپدیشوں سے حظ اُٹھانا نصیب ہو رہا ہے۔ اگر امریکہ کے لوگوں میں رام کی محبت، اُنکی تعلیم سے عشق۔ اُن کے اصولوں کی پیروی اور رام کے سُننے کا اشتیاق نہ ہوتا اور بدیں وجہ وہ کسی لیکچر کے نوٹ قلمبند کر کے مفصل نقل نہ کرتے تو آج جو رام

کی کلیات چار جلدوں میں منقسم ہو کر شائع شدہ مل رہی ہے ہرگز نصیب نہ ہوتی۔ اور نہ ہندوستان کے بھائیوں کو یہ معلوم ہوتا کہ رام کا اثر امریکہ میں کیا اور کیسا ہوا۔ امریکہ والوں کا رام کی خاطر اسقدر محنت اٹھانا اور اپنی گرہ سے ہزاروں روپے خرچ کرکے رام کے لیکچر کے لئے ہال کرایہ پر لینا اور پھر کسی لیکچر پر کسی سے فیس وغیرہ وصول نہ کرنا صاف واضح کر رہا ہے کہ رام کی تعلیم و محبت کا اثر اُن پر کیا اور کیسا ہوا۔ اگر اس مقام پر اُس اثر اور رام کے کام کا مفصل ذکر کیا جائے۔ تو سینکڑوں ورقے محض اس بیان کے لئے چاہئیں۔ اِس لئے مختصراً واضح کیا جاتا ہے کہ جس جس شہر میں رام امریکہ میں گھومے۔ وہاں کے لوگ ابھی تک رام کو نہیں بھولے۔ سیاٹل واشنگٹن تو وہ پروفیسر جھپتر کے ہمراہ تھے بعد ازاں امریکہ کے لوگوں نے اُن کو پروفیسر صاحب سے چھین لیا۔ اور بہت عرصہ تک وہ ایک نیک دل ڈاکٹر "ایلبرٹ ہلر" کے پاس سانفرانسسکو میں رہے۔ یہ شہر کیلی فورنیا کا مشہور قصبہ و بندرگاہ ہے۔ ڈاکٹر ممدوح نے سوامی جی کی خدمت بڑے شوق سے یعنی تن من دھن سے کی پورے ½۱ برس تک اُن کو اپنے پاس رکھا اور اپنا بنگلہ علیحدہ محض آپکے لئے مخصوص کر دیا۔ وہاں کے لوگوں نے سوامی جی کی تحریک پر چند سوسائٹیاں بھی بنائیں۔ جن کا مدعا غریب ہندوستانیوں کو برائے تعلیم امریکہ میں ہر طرح سے مدد کرنا تھا۔ سوامی جی کے روزمرہ ست سنگ سے لابھ اٹھانے کے لئے ایک ہرمٹک برادرہڈ (Hermitic Brotherhood)

(یعنی سادھوؤں کی برادری) قائم کی گئی تھی۔ اسی سوسائٹی میں زیادہ تر اُپدیش سوامی جی کے ہوتے تھے جو سُننے والوں نے لفظ بلفظ قلمبند کر کے سوامی جی کی بھینٹ کئے تھے۔ سوامی جی کی مستی نے یہاں تک شہرت پکڑی کہ کئی اخبار نویسوں نے سوامی جی کی عیسیٰ مسیح کی طرح فوٹو لیکر اُسے (Living Christ has come to America "زندہ عیسیٰ مسیح امریکہ میں آیا ہُوا ہے" کے عنوان سے چھاپ کر سوامی جی کی تعریف میں یکے بعد دیگرے کئی آرٹیکل لکھے۔ اور اُنکی مستی سے حظ اُٹھانے کے لئے امریکہ کے پریذیڈنٹ نے بھی اُنکے درشن کئے۔ اور جو کوئی بھی رام کو ملا وہ اُن کے درشن ماتر سے گھائل ہو گیا۔ کئی پیارے نورام کی نہ رُکنے والی ہنسی اور بھینی مُسکراہٹ پر شیدا اور مفتون ہوئے رہتے تھے۔ نیویارک کا ایک اخبار لکھتا ہے (یہ مضمون لاہور کے ٹریبیون اخبار نے نقل کیا تھا) کہ "امریکہ میں ایک عجیب ہندوستانی سادھو آیا ہوا ہے۔ جو کسی دھات کو سوائے اپنی عینک کے نہیں چھوتا۔ اپنے ساتھ اسباب خوردنی بھی نہیں رکھتا۔ جب سیر کرنے نکلتا ہے تو ایک معمولی کپڑے میں کئی روز از حد سرد مقاموں میں گھومتا رہتا ہے۔ جب لیکچر دیتا ہے تو دن میں کئی دفعہ اور ایکدفعہ تین تین گھنٹے متواتر بولتا رہتا ہے۔ اُس کی صورت و شکل بڑی دلکش ہے۔" گریٹ پیسفک ریل روڈ کمپنی امریکہ کا منیجر لکھتا ہے کہ:۔

"سوامی رام ایک ہندوستانی فلاسفر کی نہ رُکنے والی ہنسی اور بھینی مسکراہٹ

دل کو موہ لیتی ہے"۔ سینٹ لوئیس کی نمایش میں مذہبی کانفرنس کے متعلق وہاں کے ایک لوکل اخبار نے لکھا ہے کہ "وہ اِس جلسہ میں اکیلا شگفتہ چہرہ سوامی رام کا تھا"۔ "ہندوستانی فلاسفر ہم کو سکھانے آیا ہے" اس عنوان سے بیشمار مضامین امریکن اہلِ قلم کی طرف سے اخبارات میں اُن دنوں شائع ہوئے کس کس کا ذکر کیا جائے۔ سوامی جی کی تصویر ہر طرح سے دلکش تھی اور نغمۂ اسمِ اعظم (اوم کا وِرد) جو ہر وقت رام کے مُنہ سے نکلتا رہتا تھا۔ ہر ایک پر جرِ ثقیل کا اثر ڈالتا تھا۔

آجکل کے لوگ جنہوں نے مذہب کو محض بحث مباحثے تک محدود سمجھا ہے اور عمل نام کو نہیں۔ اُن سے بیشک دُنیا تنگ ہے۔ نہ یہ آپ دِل کی شانتی پاتے ہیں اور نہ دُوسرے کو دیتے ہیں نہ آپ عملی آستک ہوتے ہیں اور نہ اسی وجہ سے دوسرے ناستکوں کو آستک بنا سکتے ہیں۔ لیکن عامل شخص کے پاس جا کر زمانہ کے عالموں اور فاضلوں کی زبانیں گُنگ ہو جاتی ہیں۔ دماغ ٹھہرا جاتے ہیں۔ امریکہ کا ایک واقعہ ہے جو رام کی عملی زندگی کے اثر پر روشنی ڈالتا ہے۔

امریکہ میں ناستک (خدا کی ہستی نہ ماننے والے) سوسائٹی کی ایک عالمہ لیڈی رام کے پاس بحث کرنے کی غرض سے آئی۔ امریکہ کا ایک اخبار لکھتا ہے کہ رام بادشاہ اُس وقت سمادھی میں تھے (اور اُس سمادھی کی حالت کی فوٹو بھی اخبار نویس نے اُس اخبار میں چھپوا دی تھی) ناستک لیڈی جب تک رام سمادھی کی حالت میں تھے خاموش بیٹھی رہی۔ سمادھی کھُلنے کے بعد بحث کی دلدادہ لیڈی

صاحبہ نے سکوت توڑا اور گویا ہوئی تو یوں کہ "مائی لارڈ! میں ناستک نہیں ہوں۔ آپ کے درشن سے میرا اشک دُور ہو گیا"۔ سچ ہے جو عارف ایشور کی ہستی کو دل سے قبول کرتے ہیں اور پریم کی جلتی ہوئی جوت کو اپنے اندر محسوس کرتے ہیں کیوں نہ اُنکی آہٹ سے ناستکتا دُور ہو اور غرور چکنا چُور ہو۔ شری رام چندر جی کے چرن چھُو جانے سے شلا اہلیا بن جاتی ہے۔ سوامی وویکانند پہلے ناستک تھا۔ سری رام کرشن پرم ہنس سے پوچھتا ہے "مہاراج! ایشور کی ہستی کا کیا ثبوت ہے"؟ "کیا تم نے کبھی ایشور دیکھا ہے؟" پرمہنس جواب دیتا ہے "ہاں، میں جیسے یہاں تم کو پاس دیکھتا ہوں ویسے ہی ایشور کو دیکھتا ہوں" اِتنا جواب ملنا تھا کہ وویکانند جی کا ناستک پن کافور ہو گیا۔ وہ کوٹ پتلون اُتار پرم ہنس جی کا چیلا بن گیا۔ اور یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ سوامی جی ممدوح نے دُنیا میں کیا کیا کام کیا؟

مسز ویلمین امریکہ کی ایک نہایت محبت بھری لیڈی تھیں۔ رام کے اوم کے نغمہ کو سُن کر ایسی فریفتہ ہوئیں کہ مغربی لباس اُتار کر سنیاسن بن گئیں۔ یعنی بھارت ورش کے سنیاسیوں کی طرح وہ بھی بغیر کوئی نقدی وغیرہ ساتھ لئے محض ایشور پر تمام طرح کا بھروسہ رکھتی ہوئی مُلک بہ مُلک بچرنے لگیں اور رام کے عشق میں متوالی ہو کر امریکہ سے بھارت ورش میں آئیں۔ رام کی ولادتگاہ کی زیارت کرنے کے لیئے گاؤں مراری والہ ضلع گجرانوالہ میں گئیں۔

اور اُس چھوٹے سے قصبہ کی زیارت سے باغ باغ ہوئیں۔

اِس محبت کی پُتلی مسنزِ ویلمین کے علاوہ دو تین اور لیڈیاں بھی رام کے عشق میں امریکہ سے بھارت ورش میں آئیں، اور کئی ابھی تک رام کی ولادتگاہ دیکھنے کے عشق میں وہاں سے آنے کو لکھ رہی ہیں اور رام کے نام پر وارے نیارے جا رہی ہیں ؛

رام مصر میں امریکہ میں لاکھوں کے پاک دِل میں ویدانت کا جذبہ پیدا کر کے جبرالٹر کے راستے سے رام مصر میں پُہنچے۔ وہاں اہلِ اسلام کے اندر ایک مضمون پر اُنہوں نے فارسی زبان میں جادو بھری تقریر کی جس سے بہت سُننے والے وجد میں آ گئے۔ سُنا جاتا ہے کہ اس تقریر کے نوٹ وہاں کے مشہور عربی اخبار "الوہاب" نے "ہندی فلاسفر" کے عنوان سے لئے تھے۔ غرضیکہ اہلِ جاپان نے رام کو جاپانی، اہلِ مصر رام کو مصری، اور اہلِ امریکہ رام کو زندہ عیسٰی مسیح، اور اپنا آپ سمجھتے تھے ؛

رام کی واپسی قریباً اڈھائی برس غیر ممالک میں ویدانت پرچار کرنے کے بعد رام بھارت ورش کو واپس آئے۔ اور مورخہ ۸ دسمبر ۱۹۰۴ء کو بمبئی میں قدم رکھا۔ گو امریکہ جانے سے پہلے بھی رام کی ہستی و نام ہر دو کافی شہرت پکڑ چکے تھے، تاہم امریکہ میں آپکے کام و نام کی اس قدر شہرت پھیلی کہ تمام بھارت نواسی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آپ کی آمد کی انتظار کر رہے

تھے۔ آپکی واپسی پر تمام مذاہب کے اخبارات نے آپ کا خیر مقدم کیا۔ علی گڈھ گزٹ کے نائب ایڈیٹر بھی اُس وقت بمبئی بندرگاہ پر تھے۔ آپنے سوامی جی کی گزٹ میں بڑی تعریف کی۔ لکھنؤ کے ایڈوکیٹ نے سوامی جی کا ذیل کے الفاظ میں خیر مقدم کیا تھا۔

سوامی رام تیرتھ مہاراج کی واپسی

"ہم نہایت ہی خوشی سے لکھتے ہیں کہ سوامی جی مہاراج ۸ دسمبر کے جہاز میں امریکہ سے ہندوستان واپس آئے، ہم آپکا بر واپسیٔ وطن تہِ دل سے خیر مقدم کرتے ہیں اور آپ کی خدمات عظیم کے لئے جو آپ سے چند سال کے قیام غیر ممالک میں ظہور میں آئی ہیں دلی شکریہ اور احسان مندی کا اظہار کرتے ہیں۔ سوامی جی مہاراج کی ہر تحریر و تقریر اور تمام کارروائی نہایت ذوق و شوق سے تمام شمالی ہند میں دیکھی گئی ہے جہاں آپکی آمد کا بہت عرصہ سے انتظار تھا۔ بمبئی میں ایک ہفتہ تک آپ کا قیام رہا۔ جہاں اُس طرف کے سوداگروں اور سندھی کوٹھی والوں نے آپ کا بہت ہی شوق سے خیر مقدم کیا۔ ناسک اور ہوشنگ آباد میں قیام کے بعد آپ متھرا میں تشریف لا رہے ہیں۔ یہاں ایک ہفتہ قیام ہوگا۔ سوامی شگن چندر مہاراج آپکے استقبال کو بمبئی میں پہنچے تھے جہاں سے آپ کو متھرا لا رہے ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ سوامی جی مہاراج چند دن اس طرف قیام کرینگے۔ قبل اسکے کہ وہ ہمالیہ میں جا کر گوشۂ تنہائی اختیار

کریں۔ اڑھائی سال باہر قیام کے بعد وطن کی واپسی پر جہاں ہزارہا لوگ آپکے مدّاح ہیں اُنکو بھی اپنے درشنوں سے کرتارتھ کرینگے۔ اور جہاں کہیں تشریف لیجاوینگے وہاں پُرجوش احباب کا مجمع منتظر پاوینگے۔جن کی توجہ ہم کو امید ہے کہ کسی عملی و مفید تحریک کی جانب مبذول کیجاویگی ؎

سوامی جی کا پہلا لیکچر بمبئی میں ہُوا بمبئی سے آپ آگرہ متھرا اور لکھنؤ میں اپنے تجربات بتلاتے اور اپنی جادو بیانی سے عوام الناس کی پیاس بُجھاتے پُشکر راج پہنچے۔اِن مقامات پر سوامی جی کا استقبال نہایت دُھوم دھام سے ہوتا رہا۔ آریہ سماجی ۔سناتن دھرمی۔ براہمو۔سکھ۔بلکہ عیسائی اور مسلمان تک آپکے استقبال میں شامل رہے۔آپکی وسیع خیالی اور دیگر قومی اصلاح کا اندازہ ذیل کی زرّیں سطور سے ہوتا ہے "امریکہ سے واپس آنے کے بعد متھرا میں آپکے چند بھگتوں نے آپ کو یہ مشورہ دینا چاہا کہ سوامی جی آپ اب ایک نئے نام کی سوسائٹی قائم کریں۔اُس وقت زندۂ جاوید اور حقیقی معنوں میں سب سے ابھید (واحد) رُوپ رام نے محبّت کی ترنگوں میں جھوم کر جواب دیا کہ "ہندوستان میں جسقدر سوسائٹیاں (مجلسیں۔ سبھائیں اور سماجیں) ہیں وہ تمام رام کی ہیں۔رام اُن میں کام کرے گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (آنکھیں بند کرکے ہاتھ پھیلا کر پریم بھرے آنسو بہاتے ہوئے) ۔ ۔ ۔ عیسائی۔آریہ۔سکھ۔ہندو۔پارسی مسلمان۔تمام وہ لوگ جن کے اعضا

ہڈیاں۔ خُون اور دماغ میرے اِشٹ دیو بھارت بھومی کے اناج اور نمک سے بنے ہیں میرے بھائی ہیں۔ ہاں! میرے اپنا آپ ہیں۔"

"جاؤ اُن کو کہدو کہ رام اُن کا ہے۔ میں اُن سب کے ساتھ بغلگیر ہوتا ہُوں اور کسی کو بھی اپنی آغوشِ محبت سے باہر نہیں سمجھتا۔"

"میں دُنیا پر محبت کی بارش برساؤں گا۔ اور دُنیا کو خوشی میں نہلاؤں گا۔ اگر کوئی مجھ سے مخالفت ظاہر کریگا تو میں اُسے خوش آمدید کہوں گا۔"

"کیونکہ میں محبت کی برشا کرتا ہُوں۔ تمام سوسائٹیاں میری ہیں۔ کیونکہ میں محبت کی سیلاب لاؤنگا۔ ہر ایک طاقت میری طاقت ہے۔ خواہ وہ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ۔ اوہو! میں محبت کی برشا کرونگا۔"

یہ الفاظ ہیں کہ موتی۔ اِن سے رام کا دِل جو واقعی شہنشاہوں کا سا تھا بخوبی واضح ہوتا ہے۔ رام اپنے آپ کو "رام بادشاہ" کہا کرتے تھے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"میں شہنشاہ رام ہُوں۔ میرا تخت تمہارے دِل میں ہے۔ جب میں نے ویدوں میں اُپدیش دیا۔ جب کوروکھشیتر میں گیتا سُنائی۔ جب مکہ اور یوروشلم میں پیغام پڑھا۔ مجھے لوگوں نے غلط سمجھا تھا۔ اب میں اپنی آواز پھر بلند کرتا ہُوں۔ میری آواز میں تمہاری آواز ہے۔ تتوم اسی! تتوم اسی!! تُو ہی ہے وُہ۔ تُو ہی وُہ ہے۔ کوئی طاقت اسکو روک نہیں سکتی۔ کوہ۔ شاہ۔ شیطان

یا دیو اس کے مقابلہ میں نہیں آسکتا ؂ کلام حق نا قابل روک ہے۔ پژمردہ مت ہوجیئے۔ رام کا سر تمہارا سر ہے۔ اگر تمہاری مرضی ہے۔ تو اس کو کاٹ ڈالو۔ مگر اسکی جسگہ ہزاروں ایسے اور سر پیدا ہو جائینگے ؂"

دیش بھگتی

اکثر اصحاب کا خیال ہے کہ سوامی رام حب الوطنی اور دیش بھگتی سے مس نہیں رکھتے تھے۔ ہم حیران ہیں کہ وہ لوگ دیش بھگتی کہتے کسکو ہیں۔ یا کیا مانے ہوئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یوں تو رام کو محب دنیا سمجھنا چاہیے مگر خود بقول رام جس نے پہلے مدارج "جاتی بھگتی" اور "دیش بھگتی" طے نہیں کیے وہ سارے سنسار کا بھگت نہیں کہلا سکتا ؂

رام کے دل میں چونکہ ہمدردئی عام کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اس لیے حب الوطنی بھی خود بخود شعلہ زن ہو جاتی تھی۔ آپ کا خیال ہے کہ ہندوستان کے وہ لوگ جو نانِ شبینہ کے محتاج رہتے ہیں سچے نارائن ہیں۔ سادھو ہیں۔ ان کو روٹی دینا ایشور بھگتی ہے ؂ رام کا وہ پیغام جو انہوں نے قومی دھرم کے عنوان سے امریکہ سے بھیجا تھا اُسکے پڑھنے سے صاف واضح ہوتا ہے کہ دیش اور جاتی کی نہ مٹنے والی لامحدود اُلفت نے اُس فرشتہ سیرت انسان کے دِل کو بھی تار تار کر دیا تھا۔ آپ لکھتے ہیں "سورج غروب ہونے کا وقت ہے۔ ٹھنڈے سانس بھر بھر کر میں گنگنا رہا ہوں۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی قطار جاری ہے۔ اے غروب ہونے والے سورج! تو بھارت بھومی میں طلوع ہونے کو جا رہا ہے۔ کیا تو رام کا یہ پیغام اُس تیج والی ماتا

کی خدمت میں پہنچا دیگا؟ کیا ہی عمدہ ہو اگر یہ میرے محبت بھرے آنسو بھارت کے سرسبز کھیتوں میں شبنم کے قطرے بن جائیں "۔ ان الفاظ سے رام کی حُب الوطنی کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ دل کے کس اتھاہ (لامحدود) سمندر سے یہ الفاظ نکلے ہیں۔ ایک اور مضمون میں لکھتے ہیں "اے ہندو والو! کیا تم بھی محب وطن بننا چاہتے ہو تو پھر اپنے آپ کو ملک اور اُسکے باشندوں کی محبت میں صرف کرو۔ یگانگی کا مادہ پیدا کرو۔ سچے روحانی سپاہی اور مردِ میدان بنکر اپنے تن من دھن کو ملک کے فائدے پر قربان کر دو۔ ملک کی تکلیفات محسوس کرو۔ ملک تمہاری تکلیفات محسوس کریگا"۔ پھر آنکھیں میچ کر پریم کی ترنگوں میں ملک کی ہستی میں اپنے مٹا کر لکھتے ہیں :- "میں مجسّم ہندوستان ہوں۔ تمام ہندوستان میرا جسم ہے۔ راس کماری میرا پَیر اور ہمالہ میرا سر ہے۔ میرے بالوں کی جٹاؤں سے گنگا بہ رہی ہے۔ میرے سر سے برہم پُتر اور اٹک (دریائے سندھ) نکلے ہیں۔ بندھیاچل میرا لنگوٹ ہے۔ کورومنڈل میرا دایاں اور مالابار میرا بائیاں پاؤں ہے۔ میں مکمل ہندوستان ہوں۔ مشرق و مغرب میرے دونو بازو ہیں جن کو پھیلا کر میں اپنے ہموطنوں کو گلے لگانا چاہتا ہوں۔ ہاں! میں ہندوستان مجسّم ہوں۔ یہ میرے جسم کا ڈھانچہ ہے۔ اور میری روح تمام ہندوستان کی روح ہے۔ جسوقت میں چلتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ تمام ہندوستان چل رہا ہے۔ جب میں بولتا ہوں تو تمام ہندوستان بولتا ہے"۔ ان تمام تحریروں سے صاف واضح ہوتا ہے کہ رام اناڑکسٹ لوگوں کی طرح محب وطن نہیں تھے بلکہ پریم مجسّم

اور دوسروں میں اپنی انانیت فنا کرنے کی وجہ سے محبت کا پُتلا تھے اور ویدانت مجسّم ہونے کی وجہ سے اپنی محبّت کے بازو اتنے پھیلائے ہُوئے تھے کہ اپنے آغوش میں ہندوستان کو بھی زور سے گھیرے ہُوئے تھے۔

متھرا میں چند پریمیوں کے سوال پر آپ نے فرمایا کہ "بس! اب دس برس کے اندر اندر ہندوستان میں عملی ویدانت آجائیگا۔ جہاں نفرت ڈنک مار رہی ہے وہاں پریم ہی پریم برسے گا۔ اور رام کا حُکم ناطق ضرور پُورا ہوگا۔ اور رام کے دِلی پریم کا لامحدود بہاؤ سب نفرت کو بہالے جائیگا۔" آپ کے دِل ہلا دینے والے الفاظ ذیل کے بندوں سے ظاہر ہوتے ہیں:-

ہم ننگے عُمر بتائیں گے
بھارت پر وار دے جائینگے
سُوکھے چنے چبائیں گے
بھائیوں کو پار کرائیں گے
رُوکھی روٹی کھائیں گے
مست پڑے رہ جائیں گے
گالی طعنہ کھائیں گے
آنند کی جھلک دکھائیں گے
سُولوں پر ٹنگے جائیں گے
پر ایکو برہم لکھائیں گے

اگر خوب غور سے ایک نظر سوامی رام کی زندگی کے حالات پر ڈالی جائے تو اس میں شک کی گنجایش نہیں رہتی کہ رام نے صفحہ ہستی پر زرّیں الفاظ میں عملاً ایکو برہم لکھوا دیا (دکھلا دیا)۔ صرف بھارت کو ہی نہیں بلکہ جاپانیوں کو۔ امریکہ والوں کو۔ انگریزوں کو اور مصریوں کو اپنا آپ کر کے جانا۔ بیشک رام کو اس بِرتے پر ناز ہونا چاہیئے۔

اور اسی ویدانت مجسم حالت سے آپ سب دنیا میں گھومے اسلئے اگرچہ پاس ایک پھوٹی کوڑی نہ رہتی تھی۔ تاہم ہر جگہ غلام "زر" حاضر خدمت ہوجایا کرتا تھا۔ جلوہ کہسار میں سوامی جی مہاراج نے وجد میں آکر ایسے لکھا ہے۔

"اے غلامی! ارے داس پن! اے کمزوری! اب وقت ہے۔ باندھو بستر اٹھاؤ اناپٹا۔ بھاگو۔ چھوڑو مکت پُرشوں کے دیش کو۔ سونے والو! ابھی تمہارے ماتم میں رو رہے ہیں۔ بہہ جاؤ گنگا میں۔ ڈوب مرو سمندر میں۔ گل جاؤ ہمالیہ میں۔ موت کی ہے طاقت رام کے حکم بغیر دم مارنے کی؟ لام کا یہ جسم نہیں گریگا جب تک بھارت بحال نہ ہوے گا۔ یہ بدن قتل بھی ہوجائیگا تو بھی اس کی ہڈیاں ددھیچ کی ہڈیوں کی مانند کسی نہ کسی طرح اندر کا بجر بنکر دویت (دوئی) کے راکھشش کو چکنا چور کرہی دینگی یہ شریر مر جائیگا تو بھی اس کا یہ بان خطا نہیں کرنے کا۔" ان زوردار الفاظ سے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ ویدانت کا کیسا زبردست شیر (Râma Truth) بنوں میں نہیں نہیں انسانوں کے سینوں میں گرج رہا ہے جب تک دوئی نہیں مٹے گی۔ انسان ماتر آپس میں پیار۔ ہاں پیار مجسم نظر نہیں آوینگے اُسوقت تک رام (یعنی Râma Truth) کھڑا گرجتا رہیگا۔

نارائن کو رام کے دوبارہ درشن

قریب پانچ ماہ لنڈن میں قیام کے بعد موسم سرما یعنی ماہ جنوری ۱۹۰۴ء میں بسبب سخت سردی کے نارائن کا جسم سخت علیل ہوگیا اور دوست ڈاکٹروں نے لنڈن کو جلد چھوڑنے کی ہدایت کی

جس سے وہاں سے جلد واپس ہونا پڑا۔ رام مہاراج کو جب اپنے اُنوج (خدمتگار) نارائن کی علالتِ جسمانی کے بارہ میں معلوم ہُوا تو فوراً بھارت ورش کو واپس جانے کی ہدایت فرمائی جس کے نازل ہونے پر ہندوستان کا رُخ کیا گیا۔ اور رام مہاراج کے بھارت ورش میں وارد ہونے کے چھ ماہ پہلے یعنی جولائی سنہ ۱۹۰۳ء میں نارائن بمبئی پہنچا۔ برائے تبدیلی آب وہوا بمبئی سے کوہ نیلگری گیا وہاں چند ماہ خوب صحت وطاقت پانے کے بعد مدراس کا دورہ کیا۔ نارائن ابھی راس کنیا کماری (Cape Comorin) میں ہی تھا جبکہ رام کے بمبئی میں وارد ہونے کی خوشخبری موصول ہوئی۔ جب رام بمبئی و متھرا وغیرہ چند مقامات کا دورہ کرنے کے بعد برائے ایکانت تیرتھ پشکر راج میں پہنچے تو راقم وہاں اُن کے مقیم ہونے کی اطلاع پاتے ہی اُن کی خدمت میں جنوری سنہ ۱۹۰۵ء میں حاضر ہُوا۔ اور محظوظ دِل رام کے دوبارہ درشن نصیب ہوئے۔ چند ماہ تک وہاں اُن کی صحبت (ست سنگ) سے خوب حظ اُٹھایا۔ بعد ازاں ہردوار اجمیر و جے پور میں آگئے اور ان دونوں مقاموں میں خوب لیکچر و اُپدیش ہوئے۔ جے پور سے رام مہاراج نے کوہ دارجلنگ کا رُخ کیا۔ اور راقم کو سندھ و افغانستان میں دورہ کرنے کو بھیجدیا۔

رام کی جسمانی علالت

بنگال اور ممالک متحدہ کا دورہ کرنے کے بعد اکتوبر سنہ ۱۹۰۵ء میں جب سوامی رام ہردوار تشریف لائے تو وہاں چند روز ہی ٹھہرنے کے بعد اُن کا جسم اسقدر بیمار ہوگیا کہ آٹھ روز تک

لگاتار بستر سے نہ اُٹھ سکا۔ نارائن اُن دنوں حیدرآباد سندھ میں مقیم تھا۔ تار آئی کہ "جسم رام سخت بیمار ہے۔ فوراً آؤ۔" تار پاتے ہی نارائن ہردوار پہنچا جسم رام کو ازحد لاغر و کمزور پاکر متعجب ہُوا۔ معلوم ہُوا کہ آٹھ دن سے بہ سبب لگاتار سخت بخار کے رام نے کچھ نہیں کھایا۔ لہٰذا نقاہت اسقدر رہو گئی کہ کھڑا ہونا محال تھا۔ نارائن چونکہ زمانہ حال کے نئے طریقہ علاج سے بخوبی واقف تھا۔ زہریلی ادویات کے استعمال کے بالکل برخلاف تھا اور رام خود بھی (Modern medicinal System) اس نئے طریقۂ علاج کی چند کُتب کو دیکھ چُکے تھے اس لئے نارائن کے پہنچنے پر رام نے سب ادویات و بُوٹیوں کے علاج ترک کر دیئے اور نئے طریقۂ علاج کو نارائن سے کروانا منظور فرمایا۔ اس نئے طریقۂ علاج سے چند دن کے اندر اندر ہی صحت نے مُنہ دکھایا۔ اور رام طاقت و صحت پاتے ہی برائے تبدیلئ آب و ہوا مُظفر نگر چلے گئے اور نارائن کو برائے پبلک خدمت لکھنؤ میں بھیج دیا۔

رام کا وِیاس آشرم میں واس

صحت و طاقت پانے کے بعد رام کے اندر ایکانت سیون کی اور اپنے تمام امریکہ کے لیکچروں کو ایک اعلےٰ عنوان (Dynamics of mind) کے تلے ایک کتاب کی شکل میں مرتب کرنے کی ترنگ زور سے جوش مارنے لگی۔ چند ہی دنوں کے بعد نارائن کو فوراً لکھنؤ سے واپس بُلوالیا۔ اور جنگلوں میں ہمراہ چلنے کے لئے حُکم دیا۔ اسطرح ہم ہردو مُظفر نگر سے اُترا کھنڈ کے جنگلوں میں جانے کے لئے ہردوار پہنچے۔ وہاں ایک

چھوٹے سے قد کے سوامی جو اپنا نام یوگانند سوامی بتلاتے تھے (اور آجکل اپنے آپکو آنند سوامی
پہنتے پھرتے ہیں) رام سے ملاقی ہوئے یہ سوامی اگرچہ قد کے میانہ باہر سے بھولے بھالے اور عمر میں چھوٹے سے تھے مگر
بعد ازاں کئی پہلوؤں میں بڑے چلتے پُرزے پائے گئے۔ مداری گری (ہتھ ناٹک وغیرہ)
میں یہ خوب ماہر نکلے۔ ناٹک کی کئی کھیلوں کے پارٹوں سے بخوبی واقف تھے۔ بُلبُل
کی سُریلی آواز سے موقعہ بموقعہ ناٹک کی کئی طرزوں سے غزلیں گاتے رہتے تھے غرضیکہ
دُنیا کے کئی پاپڑ بیلے ہوئے تھے۔ رام کے جنگلوں میں جانے کی خبر سُنکر اُنہوں نے بھی
اپنا شوق خلوت نشینی کرنے کا ظاہر کیا اور جھٹ رام کے ساتھ ہو لئے۔ مگر قلعی
کھُلنے پر تھوڑے عرصہ بعد ہی الگ کئے گئے۔ اس طرح سے رام
نومبر ۱۹۰۵ء یعنی کاتک بکرمی سمت ۱۹۶۲ کو دیوالی کے قریب ہردوار سے
رکھی کیش کو روانہ ہوئے اور کسی ایکانت مقام کی تلاش میں وہاں سے آگے بدری
نارائن کی طرف چل دئیے۔ رشی کیش سے قریب تیس میل کے فاصلہ پر ایک ویاس
چٹی آتی ہے اُس پڑاؤ پر ویاس گنگا آکر بڑی گنگا سے ملتی ہے۔ اس پڑاؤ کے عین
سامنے ریاست ٹہری کی حد میں ایک بڑا بھیانک و گھنا جنگل ہے جو بی جنگل کے نام
سے مشہور ہے اِس جنگل میں ویدویاس جی نے تپ کیا مانا جاتا ہے اس لئے اس
میں ایک مقام ویاس آشرم کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اس مقام پر بڑے بڑے
بھاری اور پورانے درخت ہیں جنکے تلے ویدویاس نے تپ کیا کہا جاتا ہے۔ اِس جنگل میں پہنچنا
بڑا دشوار تھا کیونکہ معمولی رستوں کے بیچ پُل سے ایک تنگ جھنگورے کے ذریعہ

دوسرے آدمی کی مدد سے گنگا پار کرکے وہاں جانا پڑتا تھا۔ اور ویسے جنگل بھی اتنا بھاری اور بھیانک تھا کہ دن کے وقت بھی مارے خوف کے انسان کا گذر مشکل تھا اسلئے رام نے اس جنگل کو ایکانت سیون کے لئے پسند فرمایا اور وہاں ہی ڈیرے لگادیئے۔ جنگل کا رقبہ کئی میلوں میں تھا اس لئے ایک دوسرے سے قریب قریب آدھ میل کے فاصلہ پر کٹیا (پھوس کی جھونپڑی) بنوائی گئیں تاکہ ایک دوسرے کے ایکانت میں کوئی کسی طرح سے ہارج (مخل) نہ ہوسکے۔ اور رسوئی خانہ سب کا ساجھا ایک مقام پر تھا تاکہ کھانے کے وقت سب ایک جگہ اکٹھے ہوجائیں جس سے ضروری بات چیت کا موقعہ ایک دوسرے کو مل جاوے۔

اس طرح جب ویاس آشرم میں ڈیرے جمادیئے گئے اور ہر ایک اپنے ایکانت ابھیاس و مطالعہ میں مشغول ہوا تو سوامی رام بھی اپنی ترنگون کے پورا کرنے کے لئے کمربستہ ہوگئے مگر جنگلوں میں آنے سے پہلے ہردوار میں ایک پورانے خیال کے مہاتما جی نے رام جی کے ایسا صرف گوش گذار ہی نہیں کردیا تھا بلکہ دل میں جادیا تھا کہ بغیر ویدا اور ویدانگ کے حوالہ جات دینے کے کسی انگریزی کتاب کا مرتب کرنا بھارت ورش کے نوجونوں کے لیئے مفید ثابت نہین ہوگا اسلئے پیشتر کسی بڑی تصنیف کے لکھنے یا مرتب کرنے کے سوامی رام ویدوں کے مطالع کی طرف جھکے۔ چند ماہ کے اندر اندر آپ نے پاتنجل بھاشیہ اور نرکت (ویاکرن کے گرنتھ) خوب غور سے پڑھ ڈالے پھر سام وید کا مطالعہ شروع سے آخر تک کیا۔ اتنے میں ماہ فروری ۱۹۰۶ء آدھا ختم ہوگیا اور موسم

سرہانے منہ چھپانا شروع کردیا۔ اور رام کے اندر یہاں سے بھی زیادہ ایکانت و سرد مقام پر جانے کی ترنگ اٹھی۔ اس لئے ہم لوگ ماہ فروری میں یہاں سے چلدیئے۔

بیاسسٹ آشرم میں نواس ستھان

ہم سب یہاں سے چلکر دیو پراگ پہنچے وہاں چند واقف پیاروں سے معلوم ہُوا کہ موسم گرما کاٹنے کے لئے بالکل ایکانت اور سرد مقام واسسٹ آشرم ہے جہاں ویاس آشرم کی طرح بہت گھنا جنگل ہے اور کسی آدمی کا بھی گزر نہیں۔ چونکہ یہ مقام ٹہری شہر سے قریباً پچاس میل کے فاصلہ پر تخمیناً بارہ یا تیرہ ہزار فٹ کی بلندی پر تھا اس لئے ہم لوگ دیو پراگ سے ٹہری پہنچے۔ یہاں مرحوم مہاراجہ صاحب بہادر ٹہری نے سوامی جی کا بڑے تپاک و ستکار سے سواگت کیا اور اپنے سملاسُو نام کے خوبصورت باغ میں انہیں اُتارا۔ ماہ نومبر ۱۹۰۵ء سے لیکر یعنی جب سے ویاس آشرم میں ڈیرے لگے تب سے اب تک ہماری سب کی خوراک وغیرہ کا بندوبست کالی کمبلی والے بابا رام ناتھ جی منیجر کلکتہ چھیتر رشی کیش کرتے رہے اور انہوں نے اپنا نوکر (رسویا) ہمراہ بھیجکر ایسا اعلےٰ انتظام کررکھا تھا کہ ہم میں سے کسی کو بھی کسی طرح کی تکلیف ہونے نہیں پائی تھی بلکہ علاوہ بھکشا کے آرام کے اور کئی طرح کے ضروری آرام بھی انہوں نے اس جنگل میں مہیا کردیئے تھے۔ مگر جب سوامی جی مہاراجہ صاحب ٹہری کے مہمان ہوگئے تو وہ پہلا انتظام سب بند پڑگیا کیونکہ مہاراجہ صاحب بہادر نے یہ کُل انتظام اپنے اوپر لے لیا تھا لیکن وہ سابقہ رسویہ یعنی سوامی رام ناتھ جی کا نوکر برائے

خدمت سوامی جی کے ہمراہ ہی رہا۔

ٹیہری سے واسشٹ آشرم کو چلنے کے کچھ دن پہلے سوامی جی کو دھرم سبھاؤں کے سالانہ جلسوں پر درشن دینے کی ایک دو تاریں موصول ہوئیں۔ مگر ایکانت ابھیاس (خلوت نشینی) کی لٹک و لطف نے سوامی جی کو اپنا ایسا ملا و شیدا بنا لیا تھا کہ اب انہیں جنگل چھوڑ کر بستی میں رہنا یا شہروں میں آنا بالکل گوارا نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے تنہائی پسند و اُپرام وِل رام نے اپنی جگہ پر نارائن کو اُن جلسوں میں حاضر ہونے کو بھیج دیا اور آپ تن تنہا وہی سابقہ رسویا ہمراہ لے کر ماہ مارچ ۱۹۰۶ء میں واسشٹ آشرم کو چلے گئے اور وہاں پہنچکر شری واسشٹ منی جی کی گپھا میں آسن جما دئے۔

بھکشا میں بد انتظامی

بھارت ورش کی بدقسمتی سے سوامی جی کی بھکشا (خوراک) کا انتظام وہاں واسشٹ آشرم میں کسی نہ کسی سبب سے کچھ ایسا بُرا ہُوا کہ وہاں پہنچنے کے تھوڑے ہی دن بعد جسم رام سخت بیمار ہو گیا اور غریب رسویا بھی اسی بد انتظامی کا شکار ہو کر بیماری کے بستر پر لیٹ گیا۔ نارائن کو میدانوں میں آئے ابھی ایک ماہ ہی گزرا تھا کہ خط ملا کہ "سوامی رام سخت بیمار رہیں اور اُن کے بھوجن (بھکشا) کا بندوبست بدقسمتی سے بہت خراب ہُوا ہے وغیرہ وغیرہ"۔ اس خط کو پانے کے بعد سوامی جی کے بارہ میں اور بھی بہت سی افواہیں سُننے میں آئیں جس سے نارائن کو جھٹ واپس جنگلوں میں جانا پڑا۔ اور تمام جلسوں سے جلد فارغ ہو کر ماہ مئی ۱۹۰۶ء کے شروع میں نارائن وہاں واسشٹ آشرم

میں پہنچا۔ پہنچتے ہی اگرچہ سوامی جی کو ایک پتھر کی شلا پر تندرست بیٹھے پایا مگر جسم اس قدر کمزور و لاغر کہ دُور سے پہچانا نہیں جاتا تھا۔ اس پہاڑ میں علاوہ گیہوں کے اور کئی طرح کے اناج بھی پیدا ہوتے تھے جو پہاڑی لوگوں کے تو مزاج کے موافق تھے مگر میدانوں کے لوگوں کے نہیں۔ اور بھکشا (خوراک) میں اس قسم کا ملا جلا آٹا آتا تھا کہ جو بھی ہم میں سے اُسے کھاتا بستر پر لیٹ جاتا۔ اُس خوراک کے کھانے سے نارائن بھی وہاں پہنچنے کے دو روز بعد چت لیٹ گیا اور بخار سے خوب مٹ بھیڑ ہوئی۔ جب ہوش آیا تو ہم سب نے یہ سمجھ کر کہ "شاید یہاں کی آب و ہوا ہی ہمیں موافق نہ آتی ہو اور بھوجن میں کچھ نقص نہ ہو" وہ مقام ہی چھوڑ دیا اور وہاں سے بہت دور جا کر آپس میں چھ یا سات میل کے فاصلے پر بطور تجربے کے رہنے لگے۔ نارائن نے تو اس بلندی سے نیچے اُتر کر شری بھر گو گنگا کے کنارے یعنی وہاں سے پانچ میل کے فاصلہ پر ڈیرے جمائے اور رام نے اُس بلندی سے بھی چند میل اور اوپر جا کر ایک غار (گپھا) میں اپنا دربار لگایا۔ اسی جگہ کو سوامی جی نے اپنے چند ایک خطوں میں (Garden of Fairies) پریوں کا باغ یا سیر گاہِ حوراں لکھا ہے۔ مقام کی تبدیلی کے ساتھ نارائن نے تو اپنا علیحدہ انتظام خوراک بھی کر لیا تھا جس سے صاف و شستہ اناج مہیا ہونے لگا مگر رام مہاراج نے انتظام کو بدلنا منظور نہ فرمایا اور اُسی قسم کا ملا جلا ناموافق اناج ان کو مہیا ہوتا رہا۔ نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ نارائن تو بالکل تندرست و طاقتور ہو گیا مگر رام باوجود تبدیلیٔ مقام (آب و ہوا) کے پوری صحت و طاقت جسم کی دیکھنے نہ پائے۔ جب اُس خوراک سے جسم روز بروز لاغر و ناتواں ہونا شروع

ہُوا تو رام نے اناج کھانا بالکل چھوڑ دیا اور محض دُودھ پر ہی دن کاٹنے شروع کر دئے جس کا ثمرہ یہ ملا کہ جسم بیمار رہنا تو بیشک بند ہو گیا مگر لاغر ویسے کا ویسا ہی رہا۔ اپنی پہلی طاقت پر آنے نہ پایا۔

مسٹر پورن کا وشسٹ آشرم میں پہنچنا

جس گپھا میں سوامی جی مہاراج رہتے تھے وہ قریباً بارہ سو فیٹ کی بلندی پر تھی اُس گپھا کے اوپر ایک اور غار تھی جس میں ایک بڑا اژدہا رہتا تھا۔ اور سوامی جی کی گپھا کے آگے ایک گھاٹی پڑتی تھی اور گھاٹی گزر کر عین مقابل بلندی پر ایک دُوسری غار تھی جس میں شیر نر براجمان تھے جو گاہے گاہے اپنے گھر میں رام کے درشن کر لیتے تھے اور کبھی رام کی گپھا کے آگے سے بھی اپنی تیزی میں گھوم جاتے تھے۔ گپھا کا مُنہ بہت فراخ تھا۔ نہ کسی جانور سے وہ محفوظ ہو سکتی تھی اور نہ بارش سے۔ خیر جنگل کے جانور تو رام کے بہت پیارے بلکہ رام رُوپ تھے اُن سے محفوظ ہونے کی رام کو چنداں ضرورت نہیں تھی اور نہ رام کی خلاف مرضی وُہ کچھ کر سکتے تھے۔ البتہ جب بارش زور سے ہوتی اور اُس کی بوچھاڑ سے تمام کپڑے و صندوقِ کتب گپھا کے اندر بھیگ جاتے تو کتابوں کے خراب ہونے اور اُنکے درست کرنے میں وقت کے ازحد ضایع ہونے کا خیال رام کو بیشک بہت آجایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ جب لگاتار بارش کئی روز تک ہوتی اور گپھا کے اندر بہت پانی آجانے نے تمام صندوق و کپڑے تر بتر ہو گئے جس سے اُن کو ایک لمحہ بھر بھی ان دِنوں سونے

کا موقعہ نہ ملا تو رام کو لاچار وہ گپھا چھوڑنی پڑی اور اُس بلندی سے چند میل نیچے اُتر کر بڑے فراخ میدان میں آ ڈیرے جمائے۔ اب تو ادھر کے گوالہ لوگ جو گاہے گاہے رام کے درشن کے لئے اس بلندی پر آجایا کرتے تھے رام کے بڑے بھگت و عاشق ہو گئے تھے رام کو میدان میں اُترا دیکھکر اُن کے آرام کا تردد کرنے لگے۔ اور رام کی منشا وہاں ہی رہنے کی سُنکر اُن کے آرام کے لئے ایک محفوظ کُٹیا چند گھنٹوں کے اندر اندر سب نے مل کر تیار کر دی ✤ اُس کُٹیا میں رام کو داخل ہوئے چند دن ہی گزرے تھے کہ پیارے پُورن جی معہ ایک دو ہمراہی (پنڈت جگت رام جی اور ہری شرما جی) کے رام درشن کے لئے آپہنچے پنڈت جگت رام جی تو پُورن جی کے ساتھ ہی وارد ہوئے تھے پنڈت ہری شرما جی کے خوف سے راستے میں ہی پیچھے رہ گئے تھے اس لئے ایک روز بعد وہاں آئے۔ ان دنوں رام نے تو اناج کھانا چھوڑا ہوا تھا اور جیسا کہ اوپر ذکر آیا ہے کہ وہ صرف دُودھ پر گزارہ کرتے تھے مگر ان نو وارد پیاروں کو اس امر کا علم نہ تھا۔ جب کھانا کھانے کا وقت آیا تو اتفاق سے مارے محبت کے انہوں نے یہ اصرار کیا کہ پہلے رام بھکشا کر لیں تو بعد ازاں ہم بھوجن کریں گے۔ ورنہ نہیں ✤ اس محبت بھرے اصرار پر تھوڑا سا اناج رام نے بھی کھا لیا اور اسی طرح چند دن تک وہ ان نو وارد پیاروں کی خاطر تھوڑا تھوڑا اناج کھاتے رہے جس سے تھوڑے دن بعد پھر رام کو بدہضمی و بخار نے آگھیرا۔ اور جب ان پیاروں کو اس بدہضمی اور بُخار کا سبب معلوم ہوا تو پھر انہوں نے رام کو اناج کھانے کے لئے مجبور نہ کیا اور رام اپنا وہی دُگدھاہار (دودھ پان) ہی کرتے رہے ✤

نارائن جس مقام پر اُن دِنوں رہتا تھا وہ رام کی کٹیا سے کوئی چھ میل کے فاصلہ پر تھا۔ اور بموجب حکم وہ کبھی کبھی اتوار کو اُن کے پاس آیا کرتا تھا۔ مگر جب پُورن جی اُن کے پاس آئے تو رام نے فوراً آدمی بھیجکر نارائن کو بُلوا بھیجا اور تا قیام ان نووارد پیاروں کے نارائن کو بھی اپنے پاس ٹھہرنے کا حکم دیا۔

پیارے پُورن جی کا قیام اور ہری شرما کی روانگی

پنڈت ہری شرما اپنی بدنصیبی سے اول تو راستے میں ہی پست ہمتی کا شکار ہو کر دو دفعہ واپس لوٹ گیا تھا۔ صرف مسٹر پُورن کی حوصلہ افزائی۔ مدد اور گرفتِ محبت سے بمشکل تمام اتنی دُور تک پہنچا تھا۔ مگر ابھی آئے انہیں ایک دن مُشکل سے ہی گزرا ہو گا کہ گھر کے تفکرات نے اُن کے دِل کو ایسا سخت گھیر لیا کہ سب کے سامنے اپنے خانگی تفکرات کا ہی تذکرہ کرنے لگ پڑا۔ اور جب اپنے کمزورِ دِل سے مجبور ہو کر ان فکروں کی کہانی رام کو بھی انہوں نے سُنائی تو رام نے اُن کو جھٹ گھر واپس جانے کی صلاح دی جس پر وہ فوراً (یعنی وہاں آنے کے دو روز بعد ہی) گھر کو چلدیئے۔ اور پیارے پُورن جی معہ اپنے ہمراہی پنڈت جگت رام کے قریباً ایک ماہ تک وہاں رام کے پاس رہے۔

رام کی واشِسٹ آشرم سے واپسی

اُس پربت میں اناج کچھ ایسی عجیب قسم کا مہیا ہوتا تھا کہ ہر نووارد پر اپنا اثر پہنچائے بغیر نہ رہتا تھا۔ پیارے پُورن جی اور اُن کے ہمراہی بھی اس اثر کے شکار ہو کر

بستر پر لیٹ گئے۔ اور کئی دن تک بخار سے مُٹ بھیر کرتے رہے۔ اس طرح جب ہم سب لوگ بوجہ عجیب خوراک کے وہاں پہنچے بعد دیگرے بیمار ہونے لگے اور سوامی جی کا جسم بھی ٹھیک تندرست و طاقتور ہوتے نہ پایا تو ہم سب نے سوامی جی سے باادب یوں التجا کی کہ "یا تو اس غیر موافق خوراک کا آنا بند کر دیا جاوے اور نارائن کو اجازت دی جاوے کہ وہ گاؤں سے شُدھ (صاف) اناج کی بھکشا سب کے لئے مانگ لایا کرے۔ یا آپ نیچے ٹیہری یا کسی اور شہر میں چلیں جس سے غیر موافق خوراک کا آنا خود بخود بند ہو جائے۔ ورنہ ہمیں اجازت دیں کہ کسی اور لائق و محبّت بھرے رام بھگت کے ذریعے اعلیٰ خوراک کے یہاں ہم پہنچانے کا انتظام کر دیں" + اس التجا پر سوامی جی نے نیچے ٹیہری قصبہ تک اُترنا تو منظور فرمایا اور اس سے آگے کسی دوسرے شہر میں جانا پسند نہ کیا + سوامی جی کی اس منظوری پر نارائن نے سوامی جی کے کُل اسباب کے لیجانے کا بندوبست کرنے کے لئے ٹیہری جانے کا خیال کیا۔ پیارے پورن جی کی چھٹی بھی ختم ہونے والی تھی۔ اُنہوں نے ویسے بھی جلد واپس ہونا تھا مگر اس موقعہ کو پاکر نارائن کے ہمراہ واپس ہونا واجب سمجھا اور رام جی نے بھی اُنہیں ایسی ہی صلاح دی۔ اس طرح ہم سب رام مہاراج کی اجازت سے رخصت ہوئے۔

پیارے پورن کی واپسی

جب اس طرح سے اجازت پاکر ہم سب لوگ واسشٹ آشرم سے کوچ کرنے لگے تو سوامی رام بھی پورن جی کو آخری الوداع کہنے کے خیال سے ہمارے ساتھ ساتھ ہو لئے اور قریب ایک میل تک آہستہ آہستہ چلتے آئے۔ راستے میں بہت پریم بھرے اور میٹھے گرول کو ملانے

والے شبدوں سے پُورن جی کو یوں مخاطب ہُوئے کہ "پیارے! رام کی حالت تو تم دیکھ ہی رہے ہو۔ اس کی تواب قلم بند اور زُبان گُنگ شاید جلد ہو جائیگی۔ کیا معلوم رام کا شاید دوبارہ ملنا اور رسیدانوں میں بھی آنا ہو سکے یا نہ۔ اب آپ لوگ ہی خود رام بنیں اور رام میں غرق ہو کر لکھیں پڑھیں اور سب کام کریں۔ رام سے آئندہ اب کچھ توقع مت رکھیں"۔ اتنا سُننا تھا کہ پُورن جی کے چشم پریم آنسوؤں سے تر بتر ہو گئے۔ آنسو روپی موتی ایک دو کر کے ابھی نیچے زمین پر ٹپکنے ہی لگے تھے کہ رام فوراً پچھلے پاؤں واپس لوٹ گئے اور آن کی آن میں ہماری نظر سے غائب ہو گئے۔

اس پر پُورن جی کا آنسوؤں سے مُنہ دُھل گیا۔ اور آنسوؤں کا تار ایسے زور سے بندھا کہ کئی گھڑیوں تک ٹوٹنے نہ پایا بلکہ بہت سا راستہ انہی آنسوؤں کی برشا میں ہی طے ہُوا۔ اور بڑے وقفہ کے بعد اُن کے دل نے حوصلہ پکڑا۔

جُملہ معترضہ قُدرت نے اس وقت یہ دلسوز نظارہ شاید اسی لئے پیدا کیا ہوگا کہ یہ پُورن جی کی آخری ملاقات ہونی تھی کیونکہ اس کے بعد جیتے رام کے درشن اُن کو ہونے نہیں پائے۔ یا شاید اس لئے برپا کیا ہوگا کہ پُورن جی کے دلی عشق کی یہاں تک ہی انتہا ہونی تھی کیونکہ اس کے بعد رام کے ساتھ پُورن جی کے عشق کا پارہ بجائے چڑھنے کے دن بدن نیچے اُترتا گیا۔ بلکہ یہاں تک اُتر گیا کہ وہ آنکھیں جو رام سے جُدا ہوتے وقت آنسوؤں کی مُنیانی لے آئی تھیں آج اُس سے ملنے یعنی تعلق رکھنے میں مرجھاتی و شرماتی ہیں اور (اُس رام سے اب) جدا لیتے

لاتعلق ہونے میں بجائے رونے کے کھلتی و خوش ہوتی ہیں۔ اور وہ زبان جو رام کی حمد و ثنا میں تر بتر رہتی تھی اور اپنے آپ کو رام کا مقلد و عاشق کہنے میں فخر کرتی تھی آج اُس کی حمد و ثنا تو درکنار اس کے برخلاف بلا روک کچھ نہ کچھ کہدینے کو تیار رہتی ہے۔ اور "پورن کا رام سے کوئی تعلق نہیں" ایسا عوام میں اظہار دینے میں بھی خوشی و فخر مانتی ہے۔ اور وُہ دِل جو رام پر شیدا ہُوا ہُوا اپنے آپ کو رام کا مُرید و بھگت مانتا تھا اور کسی طرح کی تنگ خیالی فرقہ بندی اور تعصب کو پسند کرنا تو درکنار اپنے میں دخل ہونے کی بھی اجازت نہیں دیتا تھا آج وہ اپنے آپ کو تت خالصہ یعنی محض گرنتھ صاحب کا مُرید ماننے میں محظوظ ہوتا ہے۔ اور جو گرنتھ صاحب کے علاوہ کسی اور پُستک و مُرشد کے پیرو کار ہیں اُن کو کافر نالایق۔ احمق و ٹھگ وغیرہ ٹھہرانے میں پس و پیش نہیں کرتا۔ (پس و پیش تو کہاں بلکہ ایسا ٹھہرانے اور ماننے میں فخر کرتا ہے) + ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے اس چنچل دِل کے طرح طرح کے انقلاب دکھانے کے لئے ہی شاید قدرت نے یہ نظارہ برائے سبق دہی باندھا ہوگا +

ٹیہری میں پُورن جی کا لیکچر

خیر جب اس دِل کھبرانے والے نظارہ سے رُخصت ہوکر ہم آگے بڑھے اور دو دن کے لگاتار سفر کے بعد ٹیہری پہنچے تو وہاں کے ہائی سکول میں پُورن جی کا بڑا موثر لیکچر ہُوا۔ لیکچر کے دوسرے دن پُورن جی واپس مصوری روانہ ہوئے اور نارائن واسشٹ آشرم سے رام کا اسباب اُٹھوانے کے بندوبست میں مشغول ہوگیا۔ سب طرح سے

انتظام کرنے کے بعد نارائن واپس وسسٹ آشرم میں پہنچا + اور سوامی جی مہاراج کو وہاں سے روانہ کرکے اُن کے پیچھے اُن کا اسباب (یعنی کتابوں کے بہت سے صندوق) بھیجتا رہا + اسطرح شروع ماہ اکتوبر ۱۹۰۶ء میں سوامی جی مہاراج ہفتہ کے اندر اندر ٹہری آگئے اور نارائن کُل صندوقِ کُتب و دیگر اسباب قُلیوں پر روانہ کرنے کے بعد وہاں سے چلا تھا اس لئے سوامی جی سے چار پانچ دن پیچھے پہنچا - اور مہاراجہ صاحب بہادر ٹہری کے سیما سُو باغیچہ میں جہاں کہ سوامی جی وسسٹ آشرم کو جاتے وقت اتارے گئے تھے اُسی میں اُنہیں ٹھہرا اُترے پایا - اور وہیں نارائن بھی اُن کی خدمت میں قریباً دو ہفتہ تک رہا

ٹہری شہر کے قُرب و جوار میں رام کا ایکانت ستھان چُننا

وسسٹ آشرم سے واپس آئے قریباً دو ہفتے ہی گزرے ہونگے کہ رام کے دل میں پھر زور سے ایکانت نواس (خلوت نشینی) کی ترنگ اُٹھی - اس ترنگ پر رام کو ایسا مقام چُننے کی سُوجھی کہ جو ہر موسم میں قابلِ رہائش ہو اور ٹہری قصبہ کے گرد و نواح ہوتے ہوئے بھی ازحد ایکانت (خلوت گاہ) ہو تاکہ گھڑی گھڑی مقام بدلنا نہ پڑے + سوامی جی کے قالب کی حالت چونکہ اب بہت بڑھی چڑھی یعنی معراج پر تھی اس لئے ایسا مقام وہ چُننا چاہتے تھے کہ جہاں سے پھر اُن کو تا دمِ آخرین ہلنا نہ پڑے - ساتھ اس کے گنگا کا کنارہ اُن کو ازحد پیارا تھا اور گنگا رانی سے عشق اس قدر تھا کہ چند ماہ سے زیادہ

اُن کا دِل اُس کی فرقت گوارا نہ کرتا تھا اس لئے گنگا کے کنارے پر بہت سے ایکانت استھان (خلوت گاہیں) اُنہوں نے ملاحظہ فرمائے۔ آخر کار مالیدیول گاؤں کے نزدیک ایک مقام پسند آیا جہاں پر اب رام مٹھ واقع ہے۔ یہ مقام قریباً ایک سو برس سے بڑے بڑے مشہور مہاتماؤں کی خلوت گاہ بنا ہوا تھا۔ اس جگہ ایک مشہور سنیاسی مہاتما کیشوانند جی نے قریباً پچاس برس تک لگاتار ایکانت نواس کیا۔ اور اسی مقام پر ایک سو برس سے زیادہ عمر ہو گئے کے بعد اُنہوں نے شریر تیاگا۔ بعد ازاں اُن کے لائق شش و گورو بھائی بیس بیس برس کے قریب یہاں ایکانت ابھیاس کر کے شریر چھوڑ گئے۔ اس طرح قریب ایک سو برس سے یہ ایکانت استھان بڑے بڑے مشہور اُداچیت اور ایکانت نواسی مہاتماؤں کے استعمال میں آتا رہا تھا۔ اور اُن کی کٹیاؤں کے نشان بھی ابھی تک موجود تھے بلکہ ایک کٹیا قابلِ رہائش ابھی تک تھی۔ یہ سب دیکھ کر سوامی رام کا دِل بھی یہاں رہنے کو بھر آیا۔ علاوہ مذکورہ بالا خوبیوں کے اور جن پہلوؤں سے یہ مقام رام کے پسند آیا تھا وہ یہ ہیں:۔

کہ یہاں گنگا رانی بجائے جنوب کے شمال کو بہتی ہے جس سے وہ اُتر واہنی کہلاتی ہے۔ دوسرے برلب گنگ اتنا فراخ و ہموار میدان ہے کہ جو پہاڑوں میں ملنا از حد دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکنات سے حاصل ہوتا ہے۔ تیسرے عام سڑک اور گاؤں سے قریب ایک میل کے فاصلہ پر یہ مقام ایک کنارے پر جو تینوں اطراف سے گنگا سے گھر جانے کے باعث بصورت جزیرہ نما ہے واقع ہے۔ ان تمام خوبیوں سے رام کا دِل متاثر ہوا!

ہی تھا کہ اپنے ہمراہیوں کو ایک چھوٹی سی کُٹیا اپنے لئے بنوانے کا ارشاد فرمایا۔ اور اُس کُٹیا کا نقشہ بھی اپنی قلم سے کھینچکر اُن کے حوالہ کر دیا ٭

ایکانت ستھان میں مہاراجہ صاحب بہادر ٹیہری کا رام کے لئے کُٹیا بنوانا

جونہی کہ اس ایکانت استھان کے انتخاب و پسندیگی کی خبر اور اُس پر ایک کُٹیا بنوانے کے لئے ارشادِ رام کی اطلاع مہاراجہ صاحب بہادر کے کان تک پہنچی فوراً اُنھوں نے سوامی جی کے ہمراہیوں کو اپنی طرف سے کُٹیا بنوانے سے روک دیا اور اپنے ملازم ڈپبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ کے سپرنٹنڈنٹ صاحب) کو بھیجکر سوامی جی کے نقشہ کے مطابق کُٹیا جلد بنوانے کا پختہ انتظام کر دیا۔ بلکہ دوسرے ہی دن سے ریاست کی زیرِ نگرانی کُٹیا بننی شروع ہو گئی ٭ مہاراجہ صاحب بہادر کی اس قابلِ تعریف بھگتی کو دیکھکر رام کا دِل ایسا بھر آیا کہ مارے پریم کے یُوں لہرانے لگ پڑا کہ ”بس اب رام ایسے پریم و بھگتی مجسّم راجہ صاحب کی ریاست چھوڑ کر کہیں نہیں جائیگا بلکہ تا دمِ آخریں اسی مقام پر ایکانت نواس کریگا“۔

نارائن کیلئے رام مہاراج کا ایکانت ستھان چُننا

جب رام نے اپنے لئے ستھان پسند کر لیا اور وہاں کُٹیا بننی بھی شروع ہو گئی تو نارائن کے لئے الگ ایکانت ستھان چُننے کا انہیں پھر خیال آیا۔ مقام ہذا سے قریباً تین میل کے فاصلہ پر برلبِ گنگ ایک بڑی گپھا بروگی نام سے ہے

جہاں سوامی جی مہاراج معہ اپنے خدمتگار ناراین کے سنہ ۱۹۰۱ء میں کچھ ماہ اکٹھے رہ چکے تھے۔ جب ناراین کے لئے تنہا مقام کے انتخاب پر سوچا جا رہا تھا تو تھوڑی دیر کی غور کے بعد رام کو اُس گپھا کا خیال پھر آیا۔ اور ناراین کے نام جھٹ یہ حکم نازل کر دیا کہ "بروگی گپھا ناراین کے ایکانت کے لئے نہایت موزوں خلوت گاہ ہے اس لئے جب تک رام ادھر (مالیدیول گاؤں کے قریب) رہے تب تک ناراین وہاں بروگی گپھا میں ایکانت ابھیاس کرتا رہے۔ اگر رام کو نارائین کی خدمت کی اچانک ضرورت پڑیگی تو خود وہ بُلا لیا کریگا ورنہ نارائین صرف اتوار کے اتوار خود حاضر ہو کر خدمت کے لئے بھی دریافت کر سکتا ہے اور ہفتہ وار ست سنگ سے بھی لابھ اُٹھا سکتا ہے۔"

ایکانت ستھان کے لئے نارائین کی روانگی

یہ حکم رام نازل ہوا ہی تھا کہ نارائین کو جھٹ اُس گپھا میں پہنچنے اور اُسے اپنے رہنے کے قابل درست کروانے کی تاکید ہوئی۔ جس پر نارائین دوسرے دن ہی جھٹ اپنا بستر باندھ گپھا کی طرف جانے کے لئے تیار ہو گیا اور جب رام مہاراج سے رخصت ہونے کی اجازت مانگنے گیا تو بجائے رخصت دینے کے آپ (خود اگرچہ اُس وقت ننگے سر اور ننگے پاؤں تھے مگر سیر کا ارادہ ظاہر کر کے) نارائین کے ساتھ ساتھ ہو لئے اور ایک میل سے بھی زیادہ تک چلتے گئے۔ سلاشو باغ سے دُور نکل جانے کے بعد راستے میں سڑک پر ہی رام مہاراج نارائین سے یوں مخاطب ہوئے کہ:۔ "دیکھو بیٹا! شاید جلدی ہی رام کی زبان گنگ اور قلم تنگ ہو جائے یعنی لکھنا پڑھنا اور بولنا

رام کا شاید جلدہی اب بند پڑ جائے جسم تو تم دیکھتے ہی ہو کہ کمزور اور لاغر ہو گیا ہے۔ اور ون بدن کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ اور جیت پرتی بھی دنیا سے اب اتنی اپرام (کنارہ کش) ہو گئی ہے کہ کسی دنیوی کام کو ہاتھ لگانے کا بھی دل نہیں کرتا۔ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ اب رام شاید کبھی بھی میدانوں میں نہ اترے۔ قلم اور زبان تو بند ہونے لگ ہی پڑے ہیں مگر معلوم ایسا بھی ہو رہا ہے کہ جسم رام اب جلدہی بے حس وحرکت (جڑ مثل) سوک اسی شاید ہو جائیگا اور گنگا رانی کا کنارہ اب کبھی نہیں چھوٹیگا۔ جہاں کہیں سے رام کو بلاوا آویگا وہاں سب جگہ با ندیہلے کے تم ہی بھیجے جاؤ گے اس لئے اے پیارے! جاؤ۔ گپھا میں خوب ایکانت ابھیاس (تخلیہ نشینی) کرو۔ روز بروز اصل رام میں غوطے لگا کر ویدانت مجسّم ہو کر نکلو کسی قسم کا غم فکر مت کرو ہمیشہ اپنے میں اور ہر جگہ رام کو اپنے ساتھ سمجھو۔ اپنا تن من دھن کُل کا کُل رام کا جانو۔ اور رام کو اپنا عین تن من بنا لو۔ اور اس طرح رام مجسّم ہو کر باہر آؤ"۔ ایسا پُر اثر اور دلسوز اُپدیش سنتے ہی نارائن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور پُرنم آنکھوں سے رخصت ہونے کے لئے قدموں پر گرنے ہی لگا تھا کہ رام کی آنکھوں سے بھی آنسو ٹپک پڑے۔ نارائن کو اوپر اٹھا کر جھٹ کر بغل گیر ہوئے اور کہا۔ "بیٹا! گھبرانا نہیں۔ گپھا میں ایکانت (تنہا) رہ کر ابھیاس و مطالعہ خوب کرنا۔ وِرد ذات (آتم چنتن) میں خوب مشغول رہنا۔ اور ہر وقت پرتی کا قیام اپنے سوروپ (ذات) میں رکھنا مضمون خودمستی و مسلک عروج جو ابھی لکھا جا رہا ہے جب مکمل ختم ہوگا برائے نقل ثانی فوراً آپ کو بلا لیا جائیگا۔ اور جب کٹیا

کے تیار ہونے پر رام مالیدیول گاؤں کے نزدیک آجاویگا تو تم بلاشبہ ہفتہ وار اتوار کے دن رام کے پاس آتے رہنا۔ رام کی جسمانی فرقت کا زیادہ خیال دِل میں مت بھڑکنے دینا۔ رام کا جسم تو اب بےحس وحرکت ہونے والا ہے تم اس جسم کی خدمت کا خیال اپنے دِل میں غالب مت ہونے دینا محض اپنی ذاتی ترقی کا خیال ہر وقت مدِ نظر رکھنا۔ اب کسی کا بھی سہارا مت لو۔ اپنے پاؤں پر آپ کھڑا ہونا سیکھو۔ ہر طرح سے خود ودیانت مجسم بنو۔ اور اپنی ذات پر ورِدھ وشواس (حق الیقین) سے مقیم ہو وو۔"

برروگی گپھا میں نارائن کی ہایش

برروگی گپھا (غار) میں نارائن کو آئے ابھی محض پانچ دن ہی ہوئے ہونگے کہ سوامی جی سے اُن کا رسویا شکروار کو یہ سندلیسہ (رقعہ) لے کر آیا کہ "جو مضمون رسالہ زمانہ کے لئے "خودہستی ومسلک عروج" کے عنوان سے لکھا جارہا تھا وہ بہت جلدی ختم ہونے والا ہے اس لئے آپ اتوار کے دِن ضرور آجانا اور اسکی صاف نقل کرکے رسالہ زمانہ کو یا جس دوسرے رسالہ کو تم بھیجنا بہتر سمجھو اُس کے نام ارسال کرجانا۔"

جسمِ رام کے گنگا میں بہنے کی اطلاع

مذکورہ بالا پیام کے پانے پر نارائن نے بموجب ارشادِ رام اتوار کو اُن کی خدمت میں تو خود حاضر ہونا ہی تھا مگر اُس سے ایک دن پہلے یعنی سنیچر (اردہفتہ) کی شام کو مہاراجہ صاحب بہادر کے چپراسی نے آکر یہ اطلاع دی کہ "سوامی جی کا شریر گنگا میں اچانک

آج بہہ گیا ہے اور سب لوگوں نے اس حادثہ کی اطلاع دینے کے لئے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے"۔ اتنا سُننا تھا کہ نارائن اپنے سب کام بند کر کے جھٹ اُسی دم ٹہری کی طرف دوڑا اور رات کے آٹھ بجے سے پہلے پہلے ٹہری قصبہ میں پہنچا۔ سب رام پیارے اس اچانک حادثہ کا تہ دل سے افسوس و غم کر رہے تھے نارائن بھی اُن کے سبب سے اُس بیماری میں مُبتلا ہو گیا۔ آخر ہوش آنے پر سوامی جی کے رسویا کو بُلایا جو ایک نوجوان لڑکا تھا اور پہلے نارائن کے پاس کھانا بنانے کا کام کیا کرتا تھا۔ اُس کے ملنے پر مفصلہ ذیل حالات معلوم ہُوئے:۔

رسویا کا بیان بہ بارہ بہہ جانے جسم رام

سوامی جی اور میں (رسویا) ہر دو اکٹھے گنگا سنان کرنے گئے تھے۔ میں تو اُن کے حکم سے جھٹ سنان کر کے گنگا کے کنارے بیٹھ گیا اور سوامی جی ورزش کرتے رہے۔ اور قریباً پندرہ منٹ تک پتھر دل سے خُوب ورزش کرنے کے بعد گنگا میں سنان (غُسل) کے لئے داخل ہُوئے۔ بڑے تیز بہاؤ کی جگہ پر جا کر نہانے لگے۔ جل سوامی جی کی گردن سے کچھ نیچے تک تھا۔ میں نے عرض کی کہ مہاراج! آگے تیز بہاؤ ہے وہاں مت جائیے۔ مجھے جواب دیا کہ پیارے! کوئی ڈر نہیں۔ ہم تیرنا جانتے ہیں۔ سوامی جی اُسی تیز بہاؤ کی جگہ پر جل میں خوب جمے کھڑے رہے۔ ہاتھ پاؤں خوب ملنے کے بعد وہاں ایک ڈُبکی لگائی۔ اس طرح قریباً پانچ منٹ وہاں ہی کھڑے رہے ہوں گے کہ دُوسری ڈُبکی لگائی۔ اتنے میں پاؤں کے نیچے سے ایک بڑا

پتھر بسبب سخت تیز بہاؤ کے نکل گیا۔ پتھر نکلتے ہی پاؤں پھسل گیا۔ پاؤں پھسلنے سے جب اس تیز بہاؤ میں پھر برقرار کھڑے نہ ہو سکے تو بہاؤ اُن کو بہا لے گیا۔ بہاؤ کے زور سے بہے جانے پر آگے جا کر اُن کا جسم ایک بھنور میں پھنس گیا۔ میں اس ماجرہ کو دیکھکر گھبرایا۔ سوامی جی مہاراج نے بھنور میں سے آواز دی کہ "پیارے! گھبراؤ نہیں۔ ہم ابھی تر کر آتے ہیں۔" میں اُنکو بھنور سے باہر نکلنے کی کوشش کرتے کچھ منٹ تک دیکھتا رہا۔ جب وہ کوشش سے کامیاب ہوتے نظر نہ آئے۔ بلکہ ہر بار جب بھنور سے باہر نکلنے کے لئے کشمکش کرتے تو بہاؤ کا رُخ اُن کو بار بار بھنور میں لیجاتا۔ جوں جوں وہ ناکامیاب ہوتے گئے میرے حواس باختہ ہوتے گئے۔ میں گھبرایا گھبرایا کنارے کے اِدھر اُدھر اور اوپر نیچے بھاگا اور مدد کے لئے لوگوں کو بڑے زور سے پکارا۔ مگر بدقسمتی سے باغ میں اُس وقت کوئی آدمی نہ تھا کیونکہ سب لوگ مہاراجہ صاحب بہادر ٹہری کے استقبال کے لئے گئے ہوئے تھے۔ (اتفاق سے مہاراجہ صاحب اسی روز مین دوپہر کے وقت اپنے گنگوتری کے سفر سے واپس ٹہری راجدھانی میں آ رہے تھے)۔ اس طرح بہت چلّانے پر بھی کوئی مدد کے لئے نظر نہ آیا + سوامی جی نے اتنے میں بڑے زور سے اُس بھنور میں غوطہ لگایا۔ اُس غوطہ لگانے سے وہ اُس بھنور سے تو نکل گئے مگر مین بیچ منجدھار میں آ پڑے:: اتنی دیر یکہ کشمکش کرتے رہنے سے اُن کا جسم تھک گیا کیونکہ لاغر و کمزور تو وہ بہت ہو چکا تھا۔ اس لئے بھنور سے باہر نکلتے ہی عین منجدھار میں اُن کا دم ٹوٹ گیا۔ اور منہ میں تھوڑا تھوڑا پانی بھرنے لگ گیا۔ جب رام نے دیکھا کہ جسم اب پانی کے قابو ہو کر چلنے لگا ہے تو لاپرواہ ہو کر

یُوں بولے کہ "چل پھر ماں کو یاد کر۔ اگر تیری قسمت اسی طرح چلنے کی ہے تو چلا چل"۔ اس طرح کہکر ایک دو دفعہ زور سے اوم اُچارن کیا۔ اوم اُچارن کرنا تھا کہ مُنہ میں پانی زور سے بھر گیا۔ پھر آہستہ آہستہ لمحہ لمحہ کے بعد اوم کی آہستہ آہستہ آواز سنائی دی۔ اور جسم منجھدھار میں زور سے بہنا شروع ہو گیا۔ جُوں جُوں جسم بہتا گیا رام تُوں تُوں اپنے ہاتھ پاؤں کو سمیٹتے گئے اور برتی دھیان میں لین (محو) کرتے گئے۔ آخر کار کوئی دو سو فٹ کے فاصلہ پر پربت کی ایک گپھا میں جہاں منجھدھار کے تیز بہاؤ سے سخت بھنور بنا ہُوا تھا۔ پانی نے وہاں جسم کو دبا دیا۔ جُونہی کہ جسم رام گپھا میں داخل ہو کر جل کے تلے بیٹھا تھا فوراً توپیں دگتی سُنائی دیں۔ یہ توپیں ویسے تو مہاراجہ صاحب بہادر ٹہری کیلئے اپنی راجدھانی میں قدم رکھنے کی سلامی میں دگی تھیں لیکن عین اُسی وقت اتفاق سے سوامی جی کے جسم نے جہانِ فانی سے کوچ کیا۔ اس لئے عین جسم رام کے دائمی کوچ پر توپوں کا دگنا دوہرا مطلب براری کر گیا۔ اس طرح جسم رام بھارت ورش بلکہ کُل دنیا سے ہمیشہ کے لئے آن کی آن میں غائب ہو گیا اور لاکھوں بلکہ کروڑوں کو اپنی فُرقت کے غم میں رُلا گیا۔

جسم رام کے غائب ہونے پر نارائن کی قلبی حالت

رسویا کے اس درد انگیز بیان کو سُننے سے چت کو نہ صرف سخت چوٹ ہی لگی بلکہ کئی خیالوں کے غالب آنے سے اُتاؤلا باؤلا سا ہو گیا۔ اوّل تو یہ سب ماجرا نارائن کی غیر حاضری میں وقوع میں آیا جس سے

دِل بہت پشیمانی (پشچاتاپ) کر رہا تھا۔ دویم یہ بیان کہ "رام کی مرضی کے خلاف جسم رام پانی کی لہروں کے قابو میں آکر بہے گیا" دِل کو نہایت سخت دُکھ دے رہا تھا کیونکہ ودیانت کا یہ دعوے ہے کہ عارف کامل (برہم نشٹھ مہاتماؤں) کا جسم بھی بغیر اُنکی اجازت (حکمِ ناطق) کے رحلت جاودانی نہیں کرتا۔ اس طرح مختلف قسم کے خیال اُمنڈ اُمنڈ کر دِل کو گھایل کرتے تھے۔ اور نارائن پاگلوں کی طرح گھومتا ہُؤا کبھی کبھی اپنے دِل سے یُوں پوچھتا کہ "رام کی اپنی مرضی کے بغیر تو جسم موت کے قابو میں آ ہیں سکتا تھا۔ بھلا مُردہ جل کی لہروں کے قابو میں کیسے آگیا؟ کیا رام کا حکم زبردست ہے یا مُردہ جل کا بہاؤ؟ رام تو ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے "کہ موت کو موت نہ آجائیگی اگر رام کا قصد کرکے آئے گی"۔ "رام کا جسم کبھی نہیں چھُوٹیگا جب تک بھارت بحال نہ ہوگا"۔ "موت کی ہے طاقت رام کے حکم بغیر دم مارنے کی"۔ "پر ہاے! یہ سب برعکس ہی دکھائی دیا۔ کیا رام کا سب کہنا بے سود ہی نکلا ہے"۔ اس قسم کے خیالات کے غالب ہونے پر کبھی کبھی دِل ودیانت پر نقطہ چینی کرنے لگ پڑتا۔ کبھی رام پر۔ اور کبھی اپنے پاگل پن پر۔ دن رات انہی توہمات وخیالات میں ایسا مستغرق ومغلوب رہتا کہ سوامی جی کے مقام رہایش پر بھی قدم نہ رکھتا۔ اگر پاگلوں کی طرح گھومتے گھومتے اُدھر آنکلتا تو سوامی جی کے رہنے کے کمرے کو بھی نہ کھولتا۔ اور اگر کسی سخت ضرورت کے آپڑنے پر کمرہ کھولا بھی جاتا تو رام کے صندوق وغیرہ کھول کر دیکھنا تو درکنار بلکہ جو قلمی کاغذات رام کے میز پر پڑے تھے اُن کو کھول کر دیکھنے کو بھی دِل تیار نہ ہوتا۔ صرف صندوقوں وکاغذوں کی شکل دیکھکر ہی دِل پُرنم آنکھوں سے رو

ہو کر یوں پکار اٹھتا کہ "ہائے! یہ سب نوٹ اور قلمی نسخہ جات ویسے کے ویسے اُدھورے رہ گئے اب کون رام کی جگہ ان کو آ کر ست وسُسر ور چت سے ملاحظہ فرما کر عمدہ شکل میں مرتب کریگا؟" چت نہ تو سوامی جی کے کمرے کی طرف جانے دیتا۔ نہ اُن کی کسی پستک نوٹ۔ یا قلمی کاغذ کو دیکھنے یا پڑھنے کے لیئے تیار رہتا۔ اگر بستی میں جاتا تو رام بھگت غم و افسوس کی چرچا ئے بیٹھے جس سے خواہ مخواہ دِل مغموم ہو جاتا۔ اگر جنگل میں گھومتا تو ہزار قسم کے خیالات اُمنڈ اُمنڈ کر دل کا شکار کر لیتے۔ غرضیکہ کسی طرح سے دِل کو چین نہ ملتا۔ اسی طرح کئی دن تک سوامی جی کے مقام رہائش سے باہر گنگا کے کنارے پاگلوں کی طرح نارائن گھومتا رہا۔ نارائن کو رام کے جسم چھوڑنے سے اتنا دُکھ یا غم نہیں ہوتا تھا جتنا کہ اُن کے کلام کی ناپائداری و نا راستی کے نظر آنے میں ہوتا تھا کیونکہ جب سے نارائن کو رام کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہُوا تھا رام ہمیشہ یہی کہتے چلے آ رہے تھے کہ "جب تک رام خود نہیں چاہیگا جسم رام ہرگز ہرگز نہیں چھوٹیگا۔ وغیرہ وغیرہ"

رام کا آخری مضمون معہ پیغام بنام موت پانا

جب ایسے پاگل مغموم اور افسردہ دِل سے گھومتے گھومتے نارائن ایک دن قصبہ ٹہری میں آنکلا تو اتفاق سے پیارے پورن جی وہاں آپہنچے اور نارائن سے بھی زیادہ پژمردہ دل ہُوئے ملے ملنے کے چند لمحہ بھر بعد کہنے لگے کہ "جسم رام کا اس طرح سے ایک چھوٹی سی ندی کے قابو میں مجبور ہو کر رحلت کر جانا رام کے

کئی کلاموں و تحریروں کو جھوٹا و غلط ثابت کر رہا ہے اس لیے دل اب ایسا یست و مُشرک ہو گیا ہے کہ رام کی باقیماندہ تحریروں و باتوں پر بھی یقین کرنے کو تیار نہیں ہوتا بلکہ رہا سہا نسخہ بھی ملیامیٹ ہوئے جا رہا ہے"۔ نارائن نے بھی اپنی قلبی حالت سے اُن کو آگاہ کیا۔ اس طرح باہم بات چیت ہوتے ہوئے جب پُورن جی کو یہ معلوم ہُوا کہ نارائن مارے چوٹ اور دیوانگی کے ابھی تک رام کی پُستکوں اور کاغذوں تک کو چھُونے نہیں پایا۔ اور نہ اُس آخری مضمون کو کہ جس کی صاف نقل کرنے کے لیے رام مہاراج نے نارائن کو دو دن پہلے بلا رکھا تھا ابھی تک نظر بھر کر دیکھ سکا۔ تو اُنھوں نے نارائن کو رام کے مقام رہائش پر جانے کے لیے اُکسایا اور رام کی پستکوں و کاغذات کو دیکھنے و سنبھالنے کی اتنی تاکید کی کہ اُسی رات کو وہ نارائن کو وہاں لے گئے اور رات بھر ہم ہر دو وہیں رام کے کمرے میں سوئے۔ صبح نکلتے ہی ہم رام کے کاغذات و صندوقوں کا باغور ملاحظہ کرنے لگے۔ میز پر کی ایک دو کُتب و کھُلے کاغذات دیکھنے کے بعد وہ آخری مضمون "بعنوان خود مستی و تنگ عروج" جس کی خاطر نارائن بُلایا گیا تھا ہمارے ہاتھ میں پڑ گیا۔ یہ قلمی مضمون ابھی تک بالکل ناصاف و بے ترتیب تھا۔ اس لیے کسی ورقے پر صفحے نہیں دیئے گئے تھے۔ تاہم جو بھی ورقہ ہمارے ہاتھ پڑا اُسی کو پڑھنا شروع کر دیا۔ اس طرح دو یا تین ورقوں کے پڑھنے کے بعد ایک ورقہ ذرا زیادہ جلی قلم سے صاف لکھا ہُوا نظر میں پڑ گیا۔ اُس ورقہ پر بمفصلہ ذیل فقرہ ذرا کٹا ہُوا تاہم صاف بایں عبارت پایا۔ "برہما۔ وِشنو۔ شِو۔ اِندر۔ گنگا۔ بھارت!

اے موت! بیشک اُڑا دے اس ایک جسم کو۔ میرے اور اجسام ہی مجھے کچھ کم نہیں۔ صرف چاندی کی کرنیں۔ چاندی کی تاریں پہن کر چین سے کاٹ سکتا ہوں۔ پہاڑی ندی نالوں کے بھیس میں گیت گاتا پھرونگا۔ بحر مواج کے لباس میں میں ہی لہراتا پھرونگا۔ میں ہی باد خوش خرام نسیم مستانہ گام ہوں۔ میری یہ صورت سیلانی ہر وقت روانی میں رہتی ہے اس روپ میں پہاڑوں سے اُترا۔ مرجھاتے پودوں کو تازہ کیا۔ گلوں کو ہنسایا۔ بلبل کو رُلایا۔ دروازوں کھٹ کھٹایا۔ سوتوں کو جگایا۔ کسی کا آنسو پونچھا۔ کسی کا گھونگھٹ اُڑایا۔ اس کو چھیڑ۔ اُس کو چھیڑ۔ تجھکو چھیڑ۔ وہ گیا۔ وہ گیا۔ نہ کچھ ساتھ رکھا۔ نہ کسی کے ہاتھ آیا۔" (آخری سطر کے تلے موٹی لکیر کھینچی ہوئی تھی اور اوپر صرف برہما۔ وشنو۔ وغیرہ ناموں کی سطر درج تھی)

سوامی جی کے دیگر قلمی نسخے

ایسے ملک الموت کے نام مذکورہ بالا لکھے ہوئے فقرہ کو پڑھ کر ہم ہر دو کے کل وہم و گمان کافور ہو گئے اور دل کے سب دُکھڑے دُور ہو گئے۔ جھٹ ٹھکانہ پر آ گیا۔ بلکہ جسم رام کی رحلت کر جانے کا واقعہ بھی بھول گیا۔ اب عقل کا احول پن کہاں ہے؟

جس قدر زور سے دل پژمردہ ہو کر ویدانت سے منحرف ہوتا جاتا تھا اُس سے بھی دگنے زور سے اب محظوظ ہو کر ویدانت کی سچائی کا مداح و عاشق ہونے لگ پڑا۔ اس طرح جب دل نے قرار و شانتی پکڑی تو پھر سب صندوق سوامی جی کے یکے بعد دیگرے باغور دیکھنے کے لئے کھولے۔ علاوہ بیسیوں مطبوعہ شدہ اور نئی کتب کے اُن تمام انگریزی

لیکچروں کی ٹائپ کاپیاں بھی نکلیں جو سوامی جی ممدوح نے امریکہ میں اپنے عرصۂ قیام میں وہاں مختلف جگہوں میں دئے تھے۔ اور تو سب کتب وغیرہ نارائن کے پاس ہی محفوظ رہے مگر یہ تمام قلمی نسخہ جات یعنی انگریزی لیکچروں کی کاپیاں پیارے پورن جی برائے ترتیب و اشاعت نارائن سے لیکر اپنے ہمراہ لاہور لے گئے اور محض اُردو کا آخری قلمی نسخہ (یعنی مضمون خودمستی و مسلکِ عروج) برائے ترتیب و صاف نقل نارائن کے پاس رہا۔

نوٹ: ان قلمی نسخوں کو لیکر پیارے پورن جی جب لاہور پہنچے تو اُس کے تھوڑے عرصہ ہی بعد اُن کو ڈیرہ دون میں ایک صابن کے کارخانہ چلانے کی شراکت مل گئی۔ اور بعدازاں وہ وہاں کے فارسٹ کالج میں عارضی ملازم ہوگئے جس سے وہ پھر ڈیرہ دون میں ہی رہنے لگ پڑے۔ سوامی جی کی انگریزی تقریروں کے مرتب و طبع کرنے کے لئے فنڈ کی اپیل پبلک میں کرنا واجب نہیں سمجھتے تھے اور نہ وہ خود کسی کو زر کی مدد کے لئے تیار کر سکے لہٰذا نارائن کی معرفت روپیہ کا ڈیرہ دون میں ہی انتظام کیا گیا۔ لالہ بلدیو سنگھ صاحب رئیس و بابو جیوتی سروپ صاحب پلیڈر و پریزیڈنٹ آریہ سماج ڈیرہ دون و دیگر ایک دو اور بھگتوں نے ملکر اس پبلکیشن کے لئے سب خرچ برداشت کرنے کا ذمہ اپنے اوپر لیا اور پیارے پورن جی نے ان تقریروں کو مرتب کرکے شایع کرنے کی ذمہ واری اپنے کندھے پر لے لی مگر اس انتظام کے چند ماہ بعد ہی پورن جی کی مذکورہ بالا اصحاب میں سے ایک دو پیاروں کے ساتھ اَن بَن سی ہوگئی جس سے سب انتظام ڈھیلا پڑ گیا اور پورن جی نے ایک برس ویسے ہی گزار دیا۔ جب بعد ایک برس ایکانت سیون کرنے کے نارائن نیچے میدانوں میں اترا تو پورن جی نے اپنی ناکامیابی کا حال سنا

آخری مضمون کے ختم کرنے کا وقت

یہ خودمستی کا آخری مضمون جس میں رام نے ملک الموت کے نام اپنی قلم سے حکم صادر فرمایا تھا رام کی میز پر کھلے ورقوں میں بے ترتیب ملا تھا۔ جب اس کے بارہ میں رام کے رسویا سے دریافت کیا گیا تو اُس نے مفصلہ ذیل جواب دیا۔

"گنگا کنارے جانے سے چند گھنٹے پیشتر سوامی جی اِن کاغذوں پر کچھ لکھ رہے تھے۔"

گرو وہ سب کام نارائن کے ذمہ سونپ دیا اور آپ بوجہ تنگئ وقت وزروغیرہ کے اس اہم و ضروری کام سے دست بردار ہو گئے۔ اور ۱۹۰۸ء کے شروع میں کل نسخہ جات نارائن کے حوالہ واپس کر دیئے۔ نارائن نے بھی کل قلمی تقریروں کو پُورن جی سے لیکر ان کی اشاعت وغیرہ کا کل بوجھ قدرت پر پھینکدیا۔ اور بغیر کسی طرح کے فکر و خیال کے اُن قلمی نسخوں کو برائے مطالعہ اپنے دورہ میں ساتھ ساتھ لئے پھرتا رہا۔ مئی ۱۹۰۹ء میں شملہ پہاڑ کو جانے کے خیال سے **نارائن** کو کالکا کے نزدیک مہاراجہ صاحب بہادر والئے ریاست پٹیالہ کے پنجور باغ میں ایکانت رہنے کا اتفاق لگا۔ باغ نہایت ہی عمدہ تھا اور اس میں ایک مکان شیش محل کے نام سے مشہور ہے جس کے اوپر نارائن کی رہایش تھی۔ اُن دنوں ماسٹر امیر چند جی بیٹنہ اور ست سنگ کرنے کے خیال سے کچھ عرصہ تک وہاں آکر نارائن کے پاس ٹھہرے۔ درمیان ست سنگ کے انہیں سوامی رام کی کچھ قلمی تقریروں کے سُننے کا اتفاق لگا۔ آپ اُن ناصاف تقریروں سے ایسے محظوظ ہوئے کہ آپ نے اُن نسخہ جات میں سے کچھ حصہ یعنی محض ۵۰۰ صفحے کی جلد چھاپنے کیلئے نہ صرف استدعا و تاکید کی بلکہ اُس جلد کے چھاپنے اور کل خرچ کا بوجھ بلا درخواست لئے آپ اپنے اوپر لینے کی خواہش ظاہر کی اور قریب لاگت خرچ پر جلد کو لوگوں میں بانٹنے کا ذمہ لیا۔ اس طرح جب اُن کی مدد و حوصلہ فزائی سے جلد

جس وقت یہ کاغذ سوامی جی کے ہاتھ میں تھے اُنکا چہرہ مست و منور اور سُرخ تھا۔ آنکھوں سے موتیوں کی لڑی کی طرح آنسو ٹپکتے تھے۔ قلم و جسم اِس مضمون کے لکھنے میں ایسے مصروف تھے کہ ایکبار بنے ہُوئے تھے۔ اور دِل دھیان میں ایسا (محو و مستغرق) تھا کہ دین و دُنیا سے پرے ٹپا ہُوا نظر آتا تھا۔ مَیں کتنی دیر تک پاس کھڑا رہا۔ مگر میری طرف نظر تک نہ کی۔ گیارہ بجنے والے تھے مَیں اطلاع دینے آیا تھا کہ بھکشیا (کھانا) تیار ہے۔ کچھ منٹ بعد آپ سمادھی (دھیان) میں ایسے محو مدہوش ہو گئے کہ قلم بھی ہاتھ سے گر گئی۔ پھر کاغذ بھی چھوٹ گیا۔ دبی زُبان سے

اول مکمل چھپ گئی تو جلد اوّل کے مکمل ہونے پر ماسٹر صاحب نے یہ خواہش ظاہر کی کہ مجھے رام کے کلام کے شائع ہونے کی از حد خوشی ہُوئی ہے۔ اگر آپ جلد یا بہت جلد لوگوں میں محض لاگت خرچ پر فروخت کروا دیں گے تو مَیں وصول شدہ رقم کو ہرگز اپنے استعمال میں نہیں لاؤں گا بلکہ فوراً کلام رام کی دوسری جلد کے شائع کرنے میں صرف کر دُوں گا۔ اور اگر اسی طرح آپ (ناظرین) کی مدد سے جلدوں کے فروخت ہونے پر وصُول شدہ رقم سے کُل کلامِ رام سلسلہ وار شائع ہو کر پبلک میں پہنچ جائیگا تو میں اپنے آپ کو نہایت خوش قسمت سمجھونگا۔" ماسٹر صاحب کی یہ دلی خواہش سُنتے ہی ناظرین کی طرف سے لوگوں کو بذریعہ پرائیوٹ خطوط اطلاع دی گئی کہ وہ جلد اوّل کی کُل کاپیوں کو محض لاگت قیمت پر فوراً خرید لیں تاکہ رقم کے وصُول ہونے پر دوسری جلد بھی اِنہی کی مدد سے مطبع میں دیجائے۔ اِس اطلاع پر رام بھگتوں نے محض دو ہفتوں کے اندر اندر قریباً ... جلدیں خرید کر کے ماسٹر صاحب کی بڑی حوصلہ افزائی کی۔ اور کُلیات رام کی دوسری جلد اس طرح چند ہفتوں کے اندر ہی اندر برائے اشاعت مطبع میں دی گئی۔ اسی طرح تیسری جلد دوسری جلد کے شائع ہونے کے فوراً بعد حوالہ مطبع ہوئی اور یہی کیفیت چوتھی جلد کے

میں نے عرض کی کہ مہاراج! بھکشیا تیار ہے۔ مگر کچھ جواب نہ ملا۔ چونکہ دوپہر کا وقت ہو رہا تھا۔ مجھے بھی بھوک نے ستایا ہوا تھا۔ کچھ عرصہ تک تو میں صبر سے خاموش کھڑا رہا مگر بہت دیر تک مجھ سے چپ نہ رہا گیا۔ اِس لیئے چند منٹ کے بعد پھر عرض کی کہ کھانا تیار ہے (اِس دفعہ پہلے کی نسبت جو ذرا زور سے بولا تھا) سوامی جی نے میری آواز سن کر آنکھیں کھولیں اور پوچھا "پیارے! کیا کہتے ہو؟" بجواب عرض کی کہ مہاراج گیارہ بج چکے ہیں اور بھکشیا آپ کی باٹ تاک رہی ہے۔ ارشاد فرمایئے کہ آپکے نہانے کی خاطر جل اوپر لے آؤں۔ یا آپ خود گنگا تیر (کنارے) پر جا کر شنان کرینگے مسکرا کر بولے کہ "تم نے ابھی تک کچھ کھایا ہے یا نہیں" بجواب عرض کیا کہ "مہاراج آج میں بھی شنان کر کے کھانا کھاؤنگا۔ آپ کو شنان کرا کر میں نے نہانے کا خیال کیا تھا۔ اِس لیئے میں نے ابھی تک کچھ نہیں کھایا" میرے اِس جواب پر سوامی جی بہت ہنسے۔ اور تعجب سے پوچھا کہ "پیارے! آج تمہارے* شنان کا کیا سبب ہے؟" میں نے عرض کی کہ "مہاراج! پہلے تو آج دیپ مالا (دیوالی) ہے۔ دوسرے سنکرانت

ساتھ گذری۔ اِس طرح ماسٹر صاحب کی ہمت اور رام کی کرپا سے اِس کُل اشاعت کا اہم کام تکمیل پا گیا۔ اور آج چار جلدوں میں یہ کُل تقریرات و یادداشتِ رام ہمپیریل بکڈپو چاندنی چوک دہلی کے پتہ پر سے ملتی ہیں۔ اور اسکے علاوہ لکھنو۔ فیض آباد وغیرہ اور مقامات سے بھی یہ سب کتب مل سکتی ہیں

*ٹیھری پہاڑ میں لوگ عموماً اور متواتر شنان نہیں کرتے۔ خاصکر سردی کے موسم میں تو کئی کئی ہفتے لوگوں کو شنان کئے ہو جاتے ہیں۔ اوروں کا تو بھلا کیا کہنا خاص براہمن لوگ بھی گاؤں میں مقررہ دنوں یا تیواروں پر ہی موسم سرما میں نہایا کرتے ہیں۔ قصبہ ٹیھری سے دو میل کے فاصلہ پر ایک پٹیار گاؤں ہے جو معافیداروں کا ہے۔ رسویا اُس گاؤں کا براہمن تھا جسکی عادت اپنے گاؤں کے لوگوں کیطرح کئی کئی دنوں کے بعد نہانے کی تھی۔ اسلیئے اُسکے نہانے کی خبر سوامی جی کو ہنسانے اور تعجب کرنے کا باعث ہوئی۔

اور تیسرے اادتیہ۔ اِس لئے ایسے پرب کے دن میں شنان کرکے ہی بھوجن کروں گا!" کچھ دن سے سوامی جی کے پاؤں پر ورزش کرتے وقت ایک پتھر سے چوٹ لگی ہوئی تھی۔ اِس لئے وہ اُوپر گنگا جل منگوا کر شنان کرا کرتے تھے۔ مگر میرے اِس جواب کے سُننے پر اُنہوں نے بھی اُوپر کمرے میں جل منگوا کر شنان کرنا نہ چاہا بلکہ مسکراتے ہوئے کہا کہ "اوہو! آج ایسے بھاری پرب کا دن ہے۔ چلو آج رام بھی گنگا کنارے جا کر شنان کریگا۔ آؤ! ہم دونوں اکٹھے ہی چلیں۔ اِس طرح ان کاغذات کو میز پر چھوڑ کر سوامی جی گنگا کنارے شنان کرنے کو چل دیئے۔ اور میں بھی بموجب حکم ہمرکاب ہو لیا جسکے چند منٹ بعد رام کے بہہ جانے کا حادثہ ہوا۔

باعثِ غرق درآبِ گنگ

رسوئیا کے بیان سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ بروقت تحریر مضمون سوامی جی کے قلب کی عجیب حالت تھی۔ یا تو نہایت کمزور لاغر بدن کو کسی کی خدمت کے کار آمد نہ دیکھ کر دِل اُس سے ایسا منحرف ہوا تھا کہ اُسکے ساتھ وہ تعلق رکھنے کو بھی تیار نہیں ہوتا تھا جس سے موت کو رام نے خود بلایا اور شریر کو اُڑا دینے کی اجازت دی۔ یا رام کے اندر نجانند (ذاتی سُرور) کا بحر اتنا اُمڈا ہوا تھا کہ دُنیوی آنند اُسکے آگے ہیچ نظر آتا تھا جسکے سبب سے رجحان دل دُنیا دامنی سے قطعی ہٹ گیا۔ اور وہ اپنے ذاتی آنند میں اتنا محو و مستغرق ہوا کہ دُکھوں کی کان رُوپ جسم کے ساتھ اب تعلق رکھنا اُسکے لئے دوبھر سا ہو گیا۔ جسکے باعث رام نے موت کو بُلوا کر جسم کو اُڑوانا چاہا۔ اور یا جیسے شری سوامی شنکر آچاریہ جی نے واجب سمجھ کر اپنے جسم کو جان بُوجھ کر اڑا دیتا تھا یعنی برفوں میں گلا دیا تھا۔ اسی طرح سوامی رام نے بھی اپنے اِس جسم کو لاغر ضعیف دیکھ کر

مناسب موقعہ سمجھ کر اسکو اارا تواحوالۂ گنگ کر دیا۔ اگرچہ لہروں کے قابو سے نکلنے کی کوشش کرنا اِس آخری نتیجہ کو پایۂ ثبوت تک زور سے نہیں پہنچاتا"۔

خیر نتیجہ اب خواہ کچھ ہی نکالا جائے۔ رام مہاراج کا یہ نہایت مفید جسم عین دیوالی کے دن یعنی ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۶ء مطابق کاتک بدی اماوسیہ سمت ۱۹۶۳ کی دوپہر کو مہاراجہ صاحب ٹہری کے سملاسُو باغ کے تلے بھِرگو گنگا میں بہہ گیا۔ اور سب کو فرقتِ جاودانی دیگیا۔

سوامی جی کی نعش

بوجہ سرد جل و موسم سرما کے سوامی جی کا جسم پانی میں جلد پھول کر باہر نہ نکل سکا۔ حالانکہ پانی بھرگو گنگا کا اُس بڑی گنگا بھاگیرتی کے جل سے قدرے گرم تھا۔ تاہم نعشِ رام ایک ہفتہ کے بعد سطحِ آب پر تیرتی ہوئی پائی گئی۔ نعش جب کنارے پر لائی گئی تو جسم بالکل حالتِ سمادھی میں تھا۔ ہر دو بازو ایک دوسرے پر آلتی پالتی لگائے ہوئے تھے۔ آنکھیں بند۔ گردن کھڑی اور سیدھی۔ منہ اوم بولتے بولتے کھلا ہوا ہو بہو ایسے کھلا ہوا جیسے دورانِ گفتگو یا لوگوں کے سامنے لیکچر میں اوم بولتے وقت کھلا کرتا تھا۔ گویا اس وقت بھی رام منہ سے اوم بولتے نظر آتے تھے۔ اور ٹانگیں ایک دوسرے پر ٹیڑھی کی ہوئی تھیں۔ باوجود آٹھ دن تک پانی میں غرق رہنے کے جسم آبی جانوروں سے بچا رہا۔ اِس بھولی بھالی شِو سمادھی کی حالت میں نعش کو دیکھ کر سب لوگوں نے اوم کا نعرہ لگایا۔ اور پھر ایک بڑے صندوق میں بند کر کے اُسے بڑی گنگا (بھاگیرتی) کے حوالہ کر دیا۔

ریاست کے سب دفتر بند

مہاراجہ صاحب بہادر ٹہری جنکو

کہ سوامی جی مہاراج سے ازحد محبت اور بھگتی تھی اور جنہوں نے سوامی جی کے بہے جانے کی خبر سنکر اتنا افسوس کیا تھا کہ اُس دیوالی کی رات کو اپنے محل میں گھنٹوں تک دیپ مالا بند کر رکھی تھی۔ جب نعش باہر نکل آئی اور ایک ارتھی (لمبے صندوق نما) میں بند کر کے بھاگیرتھی گنگا کے کنارے لیجائی جانے لگی تو اُنہوں نے اپنے سب دفتر اُس روز بند کر دیئے تاکہ سب لوگ جو رام سے سچا عشق رکھتے تھے اِس آخری موقع پر رام کے درشن کرنے سے محروم نہ ہونے پائیں۔ اِس طرح اِس چھوٹے سے قصبہ (ٹیہری) میں بیسیوں آدمی ارے عشق کے نعش کو کندھے پر اُٹھاتے ہوئے اور خوشی سے اوم کا نعرہ اُچارن کرتے ہوئے بڑے جلوس کے ساتھ اُسے بڑی گنگا کے کنارے لے آئے اور بموجب طریقۂ سنیاس آشرم نعش کے صندوق میں پتھر بھر کر اُسے دوبارہ حوالۂ گنگ کر دیا۔

نعش کا صندوق سے نکل جانا

رام کی نعش کو ایک صندوقچے میں بند کر کے دوبارہ حوالۂ گنگ کرتے وقت غلطی یہ ہوئی کہ پتھر صندوق سے باہر لٹکائے جانے کی جگہ صندوق کے اندر رکھدیئے گئے۔ جس سے صندوق گنگا میں ڈوبنے نہ پایا بلکہ تیز بہاؤ کے ساتھ بہنے لگ پڑا۔ اور گنگا گھاٹ سے کوئی سو فیٹ کے فاصلہ پر جاکر ایک بڑی چٹان سے جو جل کی تیز دھارا کے بیچ میں تھی اٹک گیا۔ مشکل تمام نارائن اپنی جان کو ہاتھ پر رکھ کر اُس خطرناک جگہ پر تیر کر چلا گیا۔ جب صندوق کو اُس چٹان کی روک سے ہٹا کر پانی کی دھارا میں ڈالنے لگا تو صندوق اُلٹ کر پھٹ گیا۔ جس سے نعش معہ پتھروں کے باہر نکل کر نیچے جل میں بس پتھروں کے زور سے دب گئی۔ سب نے کہا رام کی ایسی ہی

خواہش تدت سے تھی۔ آپنے تو مفت اُسے صندوق میں بند کرنے کی تکلیف اُٹھائی۔ رام تو اسی قدرتی حالت میں گنگا کی لہروں پر سواری کرنا چاہتے تھے۔ اسی حالت میں گنگا سے وصل کرنا اور اُسکی مچھلیوں کی بھینٹ ہونا اُنہیں بھاتا تھا۔ اسی لئے رام نے کئی بار اپنی نظم و نثر میں یوں تحریر فرمایا تھا:۔ تیریاں لہراں رام اسوار گنگا رانی

Come fish come dogs, come all who please
Come powers of nature, bird and beast,
Drink deep my blood, my flesh do eat,
O come, partake of marriage-feast.

گنگا تیتھوں صدبلہارے جاؤں (ٹیک)
ہاڑ چام سب وار کے پھینکوں یہی پھول بتاشے لاؤں
من تیرے بندرن کو دیدوں۔ بدھ دھارا میں بہاؤں
پاپ پُن سبھی سُلگا کر۔ یہی تیری جوت جگاؤں
تجھ میں پڑوں تو تُو بن جاؤں۔ ایسی ڈُبکی لگاؤں
رمن کروں ست دھاراما میں نہیں تو نام نہ رام دھراؤں"

رام بادشاہ اپنے اِس وصل سے پہلے کئی دفعہ یہ بھی لکھ چکے تھے کہ "اگر رام کے چرنوں میں گنگا نہ ہی تو رام کا جسم گنگا میں ضرور رہے گا"۔ مگر اہا ہا۔ ویدانت کے شیر رام نے دونو باتیں عملاً سچ کر دکھائیں۔ شک و شبہ کی گنجایش باقی نہ رہی۔ اپنے پاؤں سے دُنیا کے تختے پر پھر کر اُپدیش روپی گنگا کو انسان کے دلوں میں بہا دیا۔ اور لاکھوں آدمیوں کو علاوہ اپنی طاقت گویائی کے اپنی مثال دکھادی۔ اور جسم کو ہڈیوں کو گوشت پوست کو گنگا میں

مچھلیوں کی بھینٹ کر دیا +

جسم رام کی فرقت دائمی پر اظہار افسوس کے جلسے

جسم رام کے ناگہانی رحلت کر جانے کی خبر آنا فانا ہندوستان اور دیگر ممالک میں پھیل گئی اکثر پاٹھشالائیں اور سکول اس وقت بند ہو گئے۔ مختلف شہروں میں ماتم کے جلسے کئے گئے تمام اخبارات نے بلالحاظ مذہب و ملت کے سوامی جی کی اس فرقت دائمی (ناگہانی موت) پر افسوس صدقیں ظاہر کیا۔ لاہور میں ایک عظیم الشان جلسہ مشن کالج کے وسیع ہال میں ہوا مجمع اسقدر تھا کہ ہال سے باہر دروازوں میں بھی کھڑے ہونے کی جگہ نہ تھی۔ کئی لوگ تو بوجہ کھڑے ہونے کی جگہ نہ پانے کے مایوس ہو کے واپس ہو گئے۔ جلسہ میں ہندو، مسلمان اور عیسائی بزرگوں نے یکساں ماتمی تقریریں کیں۔ پیارے پورن جی کی بھی چند منٹ بڑی دلسوز تقریر زار و قطار روتے ہوئے ہوئی تھی۔ کالج کے پرنسپل ڈاکٹر ویگ بھی دوران تقریر میں رو پڑے۔ فرمایا کہ پروفیسر تیرتھ رام نے معمولی زندگی سے لیکر زندگی کے آخری مرحلے سنیاس تک صرف اپنی سعی و کوشش سے اپنے آپ کو پہنچایا میرا بھی ایک شاگرد داصلی ہے جس نے دنیا میں اپنی تعلیم کا عملی پہلو دکھایا۔

ہندوستان کے سینکڑوں شہروں کے علاوہ جاپان و امریکہ میں بھی دفات رام پر ماتم کے جلسے ہوئے۔ حقیقت میں مہاپرش وہی ہے جسکی ثنا میں تمام مذاہب ایک زبان ہوں۔ امریکہ سے سنت نہال سنگھ جی لکھتے ہیں کہ "سوامی رام تیرتھ نے اپنی فصاحت و بلاغت و خوشگوار تقریروں سے امریکہ میں سوامی وویکانند کے بعد ایک خاص حلقہ پیدا کیا۔ گو سوامی رام رحلت کر گیا ہے مگر جاپان و امریکہ میں اپنے معتقدوں کے

دل میں آخر دم تک زندہ رہیگا۔" مسنر ز ولیمین سوامی جی کے دیہانت کی خبر پاکر امرتسر سے لکھتی ہیں کہ "پیارے پورن کا مضمون پنجاب کے مہاتما سوامی رام کے بارے میں بڑی دلچسپی سے پڑھا گیا۔ اور پریم کی آگ میرے دل و جان میں بھڑک اٹھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پیارا اور پوتر شبد اوم رام کے مکھار بند (دہانِ مبارک) سے اچارن ہو رہا ہے اور یہ آواز نکل رہی ہے "میں مر نہیں سکتا۔ میں مرا نہیں ہوں"۔ "اندر کی زندگی (آتما) کا جاننا ہی آنند کا جیون ہے۔ روح تو صرف روح ہی کو جانتی ہے۔ دیش اور کال یعنی زمان و مکان موت تک بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔

"روح بڑے شوق کے ساتھ اس ایک بڑی حقیقت کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی ہے۔ مہاتما رام کا یہ اپدیش ہے (جب میں ان پیارے خطوں کو جو میرے پاس رام نے وقتاً فوقتاً بھیجے تھے دیکھتی ہوں تو میرے دل و دماغ میں تازگی آجاتی ہے) ان انمول چٹھیوں میں بہت کچھ ہے۔ لکھے ہوئے لفظوں سے بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے وہ روح چمکتی ہے جو میرے کُل وجود کو حقیقتِ مطلق سے منوّر کر رہی ہے۔ سوامی رام کے انمول پتر میرے سنساری (دنیوی) مارگ (راستہ) میں روشنی کا کام دیتے ہیں۔ اور مجھ میں اور میرے چاروں طرف ایک پریم کی تھرتھراہٹ سی پیدا کر دیتے ہیں۔ کیسے مبارک وہ دست و دماغ تھے جنہوں نے انکو دیکھا۔ روح کا کام اسی بات میں ہے کہ محسوس تو ہو مگر بیان میں نہ آسکے۔ رام کے خطوط اس حقیقت کے خاموش پیغام ہیں۔ جو روح میں خوشی کی سنساہٹ سے ہلچل مچا دیتے ہیں۔ وہ پردے کے پیچھے سے بول رہے ہیں۔ اس روح کے اندر سے (جس نے دنیوی زندگی سے قطع تعلق کر دیا ہے) باتیں کر رہے ہیں۔ اُسنے ایسی سادہ (سادھارن) زندگی بسر کی کہ وہ ہمیشہ کے لئے

عالمگیر زندگی کا مظہر ہو گیا۔"

اگر مجھے خواہش ہے تو یہ ہے کہ اُس مبارک حقیقت کو جسے رام نے سکھلایا اور اپنے جیون (عملی زندگی) میں ڈھال کر دکھلایا (یعنی رام کی کتھنی اور کرنی کو) زیادہ سے زیادہ جانوں اے میرے اِدھر اُدھر گھومتے ہوئے سنکلپو (خیالو) کو تو جب تک کہ اوم ہیں لے نہ ہو جاؤ۔ جُوں جُوں ہم اس قانونِ الٰہی (خدا) کو سمجھتے جاتے ہیں تُوں تُوں راز کھلتے چلے جاتے ہیں۔ جب کبھی میں ایسی ویسی باتیں پوچھتی تھی تو مہاتما رام یُوں کہا کرتے تھے۔

تاتا! اِن باتوں کو جاننے دو ہم تو ایشور یعنی ست کو جاننا چاہتے ہیں۔ جب ہم ایشور کو جانیں گے تب آپ کو پہچانیں گے۔ اور جب آپ کو جانیں گے تب ہی ایشور کو پہچانیں گے۔"

اے پیارے ہندوستانیو! دو برس یا کچھ اُوپر کا زمانہ جو میں نے آپ لوگوں کے ساتھ گذارا ہے اُسکی پیاری یاد میرے لئے متبرک ہے۔ کوئی دُنیوی تعلقات میری زندگی میں ایسے نہیں ہیں کہ جن کا اسوقت کے تجربہ سے مقابلہ کیا جائے۔ مغرب جو کچھ ہے اُسکی ایک روح نے مادرِ ہند کے گرمجوش سینہ پر آرام کیا۔ اے میرے ہند کے پیارو! پریم کرو۔ چاہے ہمارے جسم اس کُرۂ زمین کے مختلف اطراف میں چلے ہی کیوں نہ جائیں۔ پر ہماری رُوحیں لامحدود محبت و معرفت کی برکت یعنی اننت پریم و گیان کی آنند میں ملتی رہیں۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ ہزاروں میں صرف شاید ایک سچائی کے لئے کوشش کرتا ہے۔ اور کہیں کہیں ایک آدھے ایسے دکھلائی پڑتے ہیں جو ہمارے عالی ہمت رام کے کچھ کچھ مشابہ ہوں۔ میں ہندوستان میں کچھ ایسے آدمیوں سے ملی جو سمجھ دار تھے۔ وہ لفظوں کی تعریف نکرتے تھے بلکہ معنوں کی۔ اور اپنی خودی کو دُور رکھ کے کرم کو مقدم سمجھتے تھے۔ اُنکی متنقل رُوحیں مُردہ ماضی کی اُلجھی ہوئی پابندیوں کو توڑ چکی ہیں۔ ہم رُوحانی ترقی اور انکشاف کے لئے اکثر دھیان میں بیٹھتے ہیں اور کبھی کبھی متبرک

و مبارک نروان کے بارہ میں بات چیت کرتے ہیں اور میٹھے آنند و ایک اوم کو اُچارن کرتے کرتے اِس مبارک نروان تک پہنچ جاتے ہیں۔ کیا یہ تعجب کی بات ہے کہ اگر میں اِس ملک کو پیار کروں جہاں جاکر مہا پوتر اور بہت ہی گہرا پریم میرے دل میں پرگٹ ہو گیا؟ پیارے ہندوستانیو! ہم دل میں تم سے ملتے ہیں۔ ہم آنند میں ہیں بلکہ پریم مجسم ہی ہیں۔ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہُوں۔ (دشوریانند۔ عرف ایو۔ اے۔ ولمن۔ از امریکہ ممالک متحدہ)

امریکہ میں ڈینور کے کولاراڈو اخبار نے حسب ذیل سطور سوامی رام کے دیہانت کے بعد شائع کی تھیں:۔ وہ قدر اور عزت جو سوامی رام کی امریکہ میں ہوئی تھی تھوڑی سی اس سے ظاہر ہوتی ہے جب مہاتما سوامی رام کی دیہ کا انت ہو گیا۔ اثر پیدا کرنے والی اور سنجیدہ رسوم سے اِس بڑے ہندو کا جسم جس نے وحدت اور روحانیت کے پرچار کے لئے کوشش کی تھی متبرک گنگ کے حوالہ کر دیا گیا۔ اِس مشرقی عالم کے وہ پیرو جو کہ ڈینور اور مغرب میں رہتے ہیں انکو اس ۱۷ اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء کے حادثہ کی خبر وحشت اثر معلوم ہُوئی۔ سوامی رام نئے خیالات کے اُستاد تھے۔ جبکہ آپ کا استقبال ڈینور کے گرجا گھر میں جنوری سنہ ۱۹۰۴ء میں ہُوا تھا آپ نے کئی لیکچر دیکر بہت سے آدمیوں کو اپنے مذہب و ملت کی طرف راغب کر لیا تھا۔

اپنے پیرو کاروں کی نگاہ میں وہ مرا نہیں ہے بلکہ صرف اُس کا جسم نہیں رہا ہے۔ مسٹر ایف۔ جی۔ کریمر ڈینور کے رہنے والوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے رام کی تعلیم سے بڑا لابھ حاصل کیا ہے۔ سوامی رام کے گزر جانے سے ہندوستان کا ایک بڑا بھاری خیر خواہ جاتا رہا کیونکہ وہ اپنی تمام طاقت خرابیوں کے دُور کرنے میں لگائے ہُوئے تھے۔ جب وہ ڈینور میں تھے تب اُنہوں نے یہ کہا تھا کہ میں نوجوان ہندوستانیوں کو اپنے امریکہ کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں تعلیم دوں تو وہ خرابیوں اور اُنکے جھگڑوں کو ہندوستان میں سے

دُور کر سکتے ہیں۔ آپ رسالوں اور اخبارات کیواسطے مضامین لکھا کرتے تھے اور بہت سی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ کیونکہ سوامی رام انگریزی زبان میں بڑے ماہر تھے تعلیم یافتہ اصحاب اُنکی موت کی خبر کو نہایت افسوس کے ساتھ سُنیں گے۔ مغرب میں انکے پیرو بہت زیادہ ہیں اور جس کا مدعا یہ ہے کہ موجودہ زندگی کے چال چلن کو سُدھارا جائے۔ مثلاً انرجی (طاقت) کا کم ضائع کرنا۔ جسمانی و دماغی یعنی شاریرک اور مانسک کمزوری کو دُور کرنا۔ آوارگی جو حسد غرور بدمزاجی اور دیگر بُرائیوں کیوجہ سے پیدا ہوگئی ہو اُس سے رہائی پانا وغیرہ۔ اُنکا مذہب قدرت کا مذہب ہے۔ کیا تم نے دریاؤں کی بابت یہ کبھی سُنا ہے کہ یہ دریا ہندو ہے اور عیسائی نہیں ہے یس ہیں ذات پات رنگ رُوپ یا مذہب و ملت کا کوئی بھید (فرق) نہیں رکھتا۔ اور سورج کی شعاعیں، ستاروں کی کرنیں۔ درختوں کے پتوں۔ گھاس کے تنکوں۔ بالو کے ذرّوں۔ چینٹے۔ ہاتھی۔ بھینسے۔ چیونٹی۔ مردوں۔ عورتوں اور بچّوں کے دلوں کو اپنا ہم مذہب کہکر پکارتا ہوں۔ رام نے ڈینور میں اپنے نئے خیالات کو سمجھاتے ہوئے یہ کہا کہ میرا مذہب ایسا نہیں ہے جو نام رکھا وے یہ قدرت کا مذہب ہے۔ جبکہ رام ڈینور میں تھے تو اُنھوں نے مذہب کی تعلیم کے لئے درجے کھولے اور انکے بہت سے پیرو ہوئے جن کو یہ خبر سُنکر کہ اُن کا شیر بر اب نہیں رہا۔ بڑا صدمہ پہنچا ہے"۔

مہاتما منشی رام جی گورنر گوروکل کانگڑی ہردوار نے اپنے اخبار ست دھرم پرچارک میں تحریر فرمایا کہ "مجھے سوامی رام تیرتھ کے دیہانت سے بڑا بھاری دُکھ اس لئے ہوا کہ اس وقت سچے تیاگی سادھوؤں کا قحط ہو رہا ہے۔ سوامی رام کی عزت کرنے والے راجے مہاراجے رئیس بہت لوگ ہیں کہ اور یہ ممکن ہے کہ اُنکی کوئی یادگار بنا دیں لیکن آریا سماج کے ممبروں کو بھی باوجود اختلاف رائے کے سوامی رام تیرتھ کی یادگار قائم کرنی چاہیئے (آپکی رائے میں مولف) ویدک

سِدھانتوں کو پُورن رتی سے سمجھتے ہُوئے بھی سوامی رام نے کام کر و دہ - لوبھ - موہ کو جیتا - سو سوامی رام نیز ہمارا بھائی تھا - اس لئے آریا سماج کے سبھا سد اُنکی یادگار یہ بھی قائم کر سکتے ہیں کہ دھرم کے لکشنوں کو اپنے جیون میں سِدھ کرنے کی کوشش کریں"۔

سوامی رام کے سچے بھگت بابو جیوتی سروپ پریزیڈنٹ آریہ سماج ڈیرہ دُون سوامی رام کے دیہانت پر یہ تار بھیجتے ہیں کہ "سوامی رام کی موت قوم کی موت ہے"

آگرہ نو اسی رائے بہادر لالہ بیجناتھ بی - اے سابق جج لکھتے ہیں: "سچ تو یہ ہے کہ ہمارے بڑھاپے کی پُشتِ پناہ ٹوٹ گئی - ملک میں برہم وِدّیا کا سُورج چھپ گیا - ہماری بدقسمتی؟"

الغرض دُنیا بھر کی سوسائیٹیوں اور مذہبوں کے ہادیوں اور لیڈروں اور اخبارات نے اس عشقِ مجسّم سوامی رام کے دیہانت پر آٹھ آٹھ آنسو بہائے - ہمارا جگر پارہ پارہ ہو رہا ہے - تاب نہیں کہ زیادہ لکھ سکیں کہاں تک لکھے جائیں ؎ ایک عالی دماغ تھا نہ رہا ۔ دُنیا میں ایک چراغ تھا نہ رہا ۔ سچ تو یہ ہے کہ امریکہ کے پریزیڈنٹ کا رام سوامی کی درگاہ میں گھاس پر بیٹھے رہنا - باشندگانِ امریکہ کا رام کو زندہ عیسےٰ پکارنا - امریکہ سے لیڈیوں کا رام کی ولادت گاہ میں محض بغرض زیارت آنا - جاپانی مُدبروں کا ہفتوں اور مہینوں رام کے شگفتہ لب کے دیدار اپنے کمروں میں کرنا - درندوں - چرندوں - پرندوں - پہاڑوں اور پانی کی لہروں تک کا رام کو ناز سے پیار کرنا - اس امر کو پایۂ وضاحت و ثبوت تک پہنچاتا ہے کہ ؎

عشق جو راست کرامات نہ ہو کیا معنے ۔ حسبِ ارشاد ہی سب بات نہ ہو کیا معنے

جسمِ رام کے لواحقین

سوامی جی مہاراج کے جل سمادھی لینے کے بعد پیارے پُورن جی - پنڈت چرنجی لال اور رام کے بڑے صاحبزادے گوسائیں مدن موہن جی - مرار ی والہ گاؤں ضلع گوجرانوالہ

میں سوامی جی کے پتاجی کو یہ افسوسناک خبر پہنچانے گئے۔ سوامی جی کی پتی برت استری اپنے قابلِ تعظیم شوہر کے دیہانت کی خبر سنتے ہی بیہوش ہو کر گر پڑی۔ تھوڑی دیر بعد پانی وغیرہ چھڑکنے سے ہوش آیا۔ دیگر لواحقین یعنی سوامی جی کے پتاجی، ماتاجی، بھائیوں اور دیگر اہلِ شہر کو اس افسوسناک خبر سے سخت رنج ہوا۔ سوامی جی کے پتاجی نے فرمایا کہ اُن کو ایک جوتشی بتا گیا تھا کہ اسی مہینے (اکتوبر ۱۹۰۶ء) میں سوامی جی لوپ یعنی غائب ہو جائیں گے۔ جب سے رام کی جل سمادھی کی خبر اُنکی والدہ وغیرہ کو ہوئی اُسی دن سے اُنکی پارسا دھرم پتنی اپنے رام کے دھیان میں محو رہتی تھیں اور بسا اوقات عالمِ محویت میں اُن پر بیہوشی کی حالت طاری رہتی تھی۔ آخر جون ۱۹۰۸ء میں اس نیک دیوی نے بھی اپنے پیارے شوہر کی جدائی میں اسی فانی دُنیا سے رحلت فرمائی۔ سوامی جی کے والد گوسائیں ہیرانند جی مہاراج نے ۱۹۰۹ء میں اس دُنیائے دُوں کو خیرباد کہا۔ سوامی جی کی سوتیلی ماتا اب حیات ہیں۔ سوامی جی کے بڑے صاحبزادے گوسائیں مدن موہن جی جو مرحوم مہاراجہ صاحب بہادر ریاستِ ٹہری کی پریم بھری امداد سے ولایت تشریف لے گئے تھے اور تقریباً تین سال کی پڑھائی کے بعد امتحان مائننگ انجینیر پاس کر کے ۱۹۰۹ء میں واپس ہندوستان آئے تھے آجکل ریاستِ پٹیالہ میں مائننگ انجینیری کے عہدے پر ممتاز ہیں اور چھوٹے صاحبزادے گوسائیں برہمانند اُنہیں کے پاس نارنول میں تعلیم پا رہے ہیں۔ قریب ۱۶ سال کی عمر کے ہونہار نوجوان ہیں۔ ایک لڑکی بھی تھی جو مہلک بیماری تپ دق میں مبتلا ہو کر پچھلے برس رحلت کر گئی ہے۔ اس بھولے بھالے صورت والے چھوٹے صاحبزادے کو دیکھ کر فوراً سوامی جی یاد آ جاتے ہیں۔ سوامی جی کے بڑے سگے بھائی گوسائیں گوردامل اور چھوٹے سوتیلے بھائی گوسائیں موہن لال علاقہ سوات مالاکنڈ میں اپنے بیوپار

میں گھومتے رہتے ہیں اور اسی طرح اپنی برہم ورتی سے گذارہ کرتے ہیں۔

قابلیت معمولی آدمی کے لیئے رام مہاراج کی علمیت و قابلیت کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ خصوصاً ایسے شخص کی قابلیت جو ہر علم و فن میں طاق ہو اور ہر مذہب و ملت کا آدمی جن کو قابلِ تقلید (آئیڈیل مین) بزرگ تصور کرتا ہو۔ اُن کی ثنا میں صرف ایک اکیلا قلم بھلا کیا لکھ سکتا ہے؟ بات یہ ہے کہ رام بادشاہ کئی زبانوں کے بادشاہ تھے فارسی و انگریزی کے علاوہ فرینچ اور جرمن زبانیں تو چند دنوں میں آپ نے اپنے ہم مسافروں سے جہاز میں ہی سیکھ لی تھیں اور صرف چند ماہ میں ویاس آشرم و واسشٹ آشرم کے دورانِ قیام میں چند ویدوں کا مطالعہ بھی ختم کر لیا تھا وہ لوگ جو پہلے یہ جانتے تھے کہ سوامی رام سنسکرت سے قدرے ناواقف ہیں جب اُنہوں نے واسشٹ آشرم کی سکونت کے بعد رام کے درشن کیئے تو سب انگشت بدنداں تھے کہ اتنے قلیل عرصہ میں رام سنسکرت کے کیسے پنڈت بن گئے؟ بے شک جن کے اندر روشنی ہوتی ہے باہر کی چیز اُن کے پاس خود بخود کھچی چلی آتی ہے۔ یہ قانونِ قدرت ہے۔

کلام رام رام کے کلام کا اثر حرارتِ برقی کی طرح پڑھنے والے کے دل میں سرایت کر جاتا ہے رام کا کلام دل میں ایسی جگہ پہنچتا ہے جہاں پڑھنے والا اپنے دل کی بات پاتا ہے رام کا کلام دل میں چٹکیاں لیتا ہے۔ اور ایسی تاثیر پیدا کرتا ہے کہ پڑھنے والا تلملا اٹھتا ہے۔ اصل بات یوں ہے کہ رام کے خیالات و احساسات جذبات دل کے سانچے میں ڈھل ڈھل کر قلم یا زبان سے باہر آئے ہیں اس لیئے وہ برقی طاقت پیدا کرتے ہیں یا یوں سمجھئے کہ رام کا کلام ہر صغیر و کبیر کے لیئے ایک آئینہ ہے جس میں پڑھنے والے کو اپنی بُری یا بھلی تصویر ٹھیک دکھائی دیتی ہے حاصل کلام یہ کہ اس مجذوب جامع جمیع حیثیات بزرگ اور عشق حقیقی کے رنگ میں ڈوبے ہوئے عابد کا کلام دل میں ایک نیا جوش اور ولولہ سا پیدا کر دیتا ہے اور ہر ایک مطالعہ کرنے والا اس سے ہزارہا سبق لے کر اپنی زندگی بہتر کر سکتا ہے۔

عادات

رام کی طبیعت واطوار سے ہر وقت شانتی برستی رہتی تھی۔ عادات کے بالکل سادے مگران میں لیکچر کے وقت ایسا جوش بھر جاتا تھا۔ جیسے کوئی شیر بول رہا ہے۔ دو ڈھائی گھنٹے تک زبردست جوشیلی تقریر فرماتے تھے۔ دورانِ تقریر میں اکثر حاضرین خاموش سکتے کے عالم میں بیٹھے رہتے تھے۔ اور بسا اوقات حاضرین رام کے لیکچر کے ختم کرتے وقت بول اُٹھتے کہ "رام جی اور بولو" پھر رام جی بھی دریا کی طرح اُمڈ پڑتے تھے۔

سوامی رام وقت کے بڑے پابند تھے۔ ایک لمحہ بیکار ضائع نہیں کرتے تھے۔ دن رات میں بہت کم سوتے تھے زیادہ حصہ وقت کا اپدیش میں خرچ ہوتا تھا باقی ورزش اور ابھیاس میں۔ اپنے آپ کو رام یا رام بادشاہ کہا کرتے تھے۔ باوجود امریکہ کے کروڑپتیوں کے اصرار کے سوامی رام وہاں آبادی سے دور جنگل کے کونے یا کسی پہاڑ پر کٹیا میں رہتے تھے۔

گرہست (خانہ داری) میں شری رام پرلے درجے کے مہمان نواز تھے۔ جو شخص ملنے آتا اس کو دودھ خوب پلاتے تھے۔ اور خود بھی پانی کی جگہ اکثر دودھ استعمال کرتے تھے اس لیئے ان کی اصلی خوراک دودھ ہی تھی چاہئے۔ بات یہ ہے۔ کہ شری کرشن بھگوان نے مانس کے عوض میں دودھ ماکھن کھا کھا کر دنیا بھر کو گیتا جیسی نایاب پستک عنایت فرمائی۔ اور رام بھگوان نے دودھ پی کر شری کرشن گیتا کی تعلیم کا خود عملی جامہ پہن کر اس کی ساری دنیا میں اشاعت فرمائی۔

بیماری میں رام بادشاہ دوائی وغیرہ کو کم استعمال کیا کرتے تھے۔ ایام طالبعلمی میں وملازمت میں اکثر زکام کے شاکی رہتے تھے۔ اور اس کے لیئے لاہور میں کسی ہندو کارخانہ کی سوڈا واٹر کی بوتل نوش کیا کرتے تھے مگر سنیاس میں کبھی کوئی ایسی شے بھی آپ استعمال نہیں کرتے تھے۔

ایک دفعہ ایک جج صاحب کے ہاں رام کی دعوت تھی جب کھانا لایا گیا تو انواع واقسام کے کھانوں کو رام بادشاہ نے اپنی چپنی (فقیرانہ کچکول) میں ڈال لیا۔ اور میٹھا نمکین وغیرہ سب اکٹھا کر کے تناول فرمایا

سوامی جی نے عالم نویں ویدانتیوں کی طرح سنیاس میں پہنچکر بھی کھاتے پینے کے قواعد کو نہیں توڑا منشی اشیا اور گوشت سے انہیں سخت کراہیت آتی تھی بلکہ امریکہ وجاپان میں بھی جتنی مدت قیام رہا اپنی وہی نفس کشی کی عادت کو قایم رکھا۔ امریکہ میں ترکاریوں۔ میووں۔ اور دودھ پر گذارہ کیا۔ موجودہ زمانہ کے نویں ویدانتی سوامی جی کی اس زریں عادت سے خاص طور پر سبق سیکھ سکتے ہیں

پوشاک

رام نہایت سادہ پوشاک پہنا کرتے تھے۔ حالت گرہست میں سردی میں پٹی کا گرم کوٹ اور دھوتی یا معمولی پاجامہ اور گرمی میں ململ کا پتلا کرتہ۔ سفید کوٹ اور دھوتی۔ گھر میں عموماً برہنہ سر رہتے تھے۔ باہر جاتے وقت معمولی سفید یا جوگیہ رنگ کا سا صافہ باندھ لیا کرتے تھے کبھی کبھی سفید ریشمی صافہ بھی استعمال کرتے تھے۔ سخت سردیوں میں رات کو صرف دو ایک کمبل میں گذارہ کرتے تھے۔ ایام مستی میں جب فقیری کی لنگ بڑے زور سے اپنا رنگ جما ڈالی تھی تب ان کا لباس بڑھیا ریشم کا ہوتا تھا قیمتی سے قیمتی پوشاک پہننے کو سلائی جاتی تاکہ بعد فقیری کے کبھی بڑھیا پوشاک کا خیال ہرگز نہ آنے پاوے۔ ان کی اعلےٰ پوشاک کو دیکھ کر جب دوست دریافت کرتے یا کچھ اعتراض کرتے تو یوں کہہ دیتے کہ یہ اعلےٰ لباس ستی کا ہے۔ ابھی ابھی اس نے گیان و محبت کی آگ میں ہمیشہ کے لیے ستی ہونا یعنی خانہ داری سے بری ہو جانا ہے۔ بہرحال انگریزی وضع قطع کے آپ شروع سے ہی سخت مخالف تھے ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ کالج میں سخت متفکر پائے گئے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یونیورسٹی کا جلسہ ہونے والا ہے۔ اور آپ کو اس میں سارٹیفکیٹ حاصل کرنے کی غرض سے شامل ہونا ہے اور اس کے لیے ولایتی چوغہ اور بوٹ پہننے پڑینگے۔ آخر یہی فیصلہ کیا کہ اس موقع کے لیے اپنے کسی ہم جماعت سے شوٹ عاریتاً لیا جائے ✦ ویراگ کی حالت میں عموماً ایک سفید یا سرخ ریشمی دھوتی میں دیکھے جاتے تھے۔ تیاگ کی حالت میں ایک لنگوٹ اور چادر میں گذارہ کرتے تھے۔ ساتھ بدن پونچھنے کے لئے موٹے (کھدر) کپڑے کا تولیہ۔ پاؤں میں کھڑاویں یا بالکل ننگے۔ اور دودھ یا پانی پینے کے لیے لکڑی کا پیالہ

یا چپنی (یا نارئل کا چمس) اپنے پاس رکھتے تھے۔ سردی میں بھی نہایت مختصر لباس میں رہتے تھے روپیہ پیسے کو چھوتے تک نہ تھے۔ اور یہی نصیحت وہ اپنے دوسرے ہم رکاب بھنے والے سادھو شاگردوں کو کیا کرتے تھے

بدنی طاقت و حلیہ

اصلی حلیہ بقول رام تو سب کا ایک ہی۔ مگر جسمانی رنگ و رُوپ و طاقت کے متعلق اتنا لکھنا ضروری ہو کہ رام کا بدن زمانہ طالب علمی و پروفیسری میں لاغر و پتلا تھا۔ مگر بعد میں ریاضت سے اُن کے بدن میں وہ طاقت پیدا ہو گئی تھی کہ اچھے خاصے پہلوان کو دھکیل دیتے تھے۔ اور یہ طاقت ورزشِ جسمانی سے بھی نشو و نما پاتی تھی۔ گرہست میں تو باقاعدہ صبح و شام مُگدروں و ڈمبل سے ورزش کیا کرتے تھے مگر سنیاس آشرم میں جب جا بجا گنگا کنارے سے پتھر اُٹھا اُٹھا کر اُن سے ڈنڈ پیلنا اور دور فاصلہ پر پھینک پھینک کر ورزش کیا کرتے تھے۔ اور اسیطرح پسینے سے خوب ترتبر ہو کر چھوڑتے تھے۔ علاوہ اس کے پیدل چلنے کی ورزش بہت ہی زیادہ کرتے تھے۔ اور پہاڑ کی بلندی پر اتنی تیزی سے چڑھتے تھے جو کبھی کسی کو دیکھنی بھی نصیب نہ ہوئی ہو۔ روحانی ریاضت سے اُن کا پُر جلال چہرہ ایسا منور ہو گیا تھا کہ ہر شخص اُن کے دیدار کرتے ہی اُن کی عزت کے لیے جُھک جاتا اور پژمردہ دل بھی ضرور بشاش ہو جاتا تھا۔ پٹیالہ کے ایک معزز بزرگ کا بیان ہے کہ سوامی جی جب راستے میں چلتے تھے تو ناواقف لوگ بھی اُن کی طرف تکتے اور اُن کی بشاشت بھری نگاہ سے خوش ہو جاتے تھے۔ گویا خوشی اُن کے چہرہ سے پھوٹ پھوٹ کر برستی تھی۔ رنگ سُرخی مائل سفید پیشانی کشادہ اور ذرا اُٹھی ہوئی۔ سر درمیانہ درجہ کا نہ بہت چھوٹا اور نہ بہت بڑا بلکہ بالکل گول آنکھیں روشن درمیانہ درجے کی۔ شب و روز پڑھنے کی

وجہ سے بینائی کمزور ہو گئی تھی اس لیے عینک لگاتے۔ جسم پتلا۔ قد متوسط۔ چہرہ ہر وقت بشاش مسکراہٹ سے بھرا ہوا۔ اور دانت ہنستے وقت چمکیلے موتیوں کی لڑی نظر آتے تھے۔

ایک مہاشہ چھپا رام نامی لکھتے ہیں کہ اگرچہ سوامی رام تیرتھ کی کتابوں میں جادو بھرا اثر ہے مگر ان کی صورت سب سے بڑھ کر من موہنی ہے۔ چہرہ گلاب کے پھول کی طرح کھلا ہوا ہے۔ دانت گویا آبدار موتی جڑے ہیں۔ رخسارے کیا ہیں چونیاں دمک رہی ہیں۔ تعجب یہ ہے کہ سوامی رام کوئی مقوی غذا نہیں کھاتے۔ کبھی کبھی دودھ۔ مونگ کی دال اور ذرا سا ٹکڑا روٹی کا جب اور جہاں مل گیا کھا لیا۔ مگر ہر وقت بشاش رہتے تھے۔ جب اوم کا انحد باجہ زور سے بجایا۔ سورج دیوتا کی تمام حرارت اُن میں نمودار ہوئی۔ تمام بدن فانی ہستی کا نور ہوئی۔ لوگوں سے جب مصافحہ فرماتے تھے تو سوامی جی کی انگلیوں سے آگ کے شرارے نکلا کرتے تھے جنکو لوگ سوپر نیچرل (بالائی طاقت یا روحانی طاقتیں) کہا کرتے ہیں۔ زمانہ طالبعلمی میں ہمیشہ نیچی نگاہ کرکے چلا کرتے تھے۔ مگر جب ریاضت سے سرور چڑھا اور گول چند کی محبت دل میں جاگزیں ہوئی اُسوقت جب دیکھو قہقہہ لگاتے آنندہی آنند میں نظر آتے تھے۔

رام بادشاہ کے معتقد (بھگت) سادھو شاگرد

یوں تو جہاں رام گئے پتھر بھی اہلیا کی طرح اُنکے چرنوں کے چھونے سے جاندار ہو گئے۔ بچے نوجوان اور بوڑھے بلا امتیاز ذات مذہب و رنگ کے آپکے دیدار کیلئے بے قرار رہتے تھے۔ مگر چند مشہور اشخاص جنہوں نے سوامی رام کو آئیڈیل میں تصور کیا اور اپنے آپکو اُن کا معتقد ماننے میں فخر مانا وہ یہ ہیں۔ امریکہ میں مسز ویلمین بعدازاں سُوریا نند۔ ڈاکٹر ولیم گبسن بعد ازاں سوامی نارد وغیرہ ہیں جاپان میں پروفیسر ٹاکیو وغیرہ اور پیارے پورن جی جو اُسوقت

طالب علم تھے اور اب ڈیرہ دون کے ریسرچ انسٹیچیوٹ کے کیمیکل ہیڈ ماسٹر ہیں ار دو تین سال سے ست خالصہ کے حلقہ میں آ گئے ہوئے ہیں۔ ہندوستان میں تو رام کے بیشمار معتقد یا بھگت ہیں جن میں سے اول تو مرحوم مہاراجہ صاحب بہادر ریاست ٹیہری جنکو کہ سوامی جی کی دل بھر کر سنگت کرنے کا فخر حاصل ہوا جنہوں نے کئی ماہ سوامی جی کو لگاتار اپنے پاس رکھا۔ رام کے جاپان جانے کا خرچ بھی جنہوں نے اپنے ذمہ لیا۔ رام کے بعد انکے صاحبزادے کو بھی ولایت میں دس ہزار روپیہ خرچ کر کے جنہوں نے تعلیم دلائی اور موجودہ رام مٹھ بھی جنکی ذاتی ہمدردی و سہایتا سے تیار ہوا ہے۔ اسکے بعد لالہ سارنگ رام صاحب رئیس لدھیانہ و ٹھیکہ دار اودھ روہیلکھنڈ ریلوے ہیں جن کی بھگتی سے سوامی جی خاص موہت ہوئے ہوئے تھے۔ اور جنہوں نے سینکڑوں طرح کی خدمات کے علاوہ رام جی کے بعد انکا سنگ مرمر کا سٹیچو (بت) بنوایا ہے۔ فیض آباد کے لالہ رام رنگھیر لعل صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ و بابو بلدیو پرشاد صاحب وکیل و بابو سرجن لعل صاحب پانڈے سیکرٹری سادھارن دھرم سبھا فیض آباد جنکو کہ سوامی جی کی خوب صحبت نصیب ہوئی رام کے خاص بھگتوں میں سے ہیں۔ الہ آباد کے مشہور آنریبل پنڈت مدن موہن مالوی رام کی مستی کے خوب دلدادہ ہیں۔ لکھنؤ کے آنریبل بابو گنگا پرشاد صاحب مرحوم مظفر نگر کے آنریبل لالہ نہال چند صاحب مرحوم۔ میرٹھ کے آنریبل لالہ رامانج دیال رام کے خاص معتقدوں میں سے تھے۔ آگرہ کے رائے بہادر بیج ناتھ صاحب بی اے پنشنر بھی رام بھگت کہلاتے تھے۔ ڈیرہ دون کے بابو جیوتی سروپ صاحب پلیڈر و پریذیڈنٹ آریہ سماج و لالہ بلدیو سنگھ صاحب رئیس و بھگت راج رام کے پیارے بھگتوں میں سے ہیں۔ سوامی شوانند جی ایڈیٹر ست اپدیش) لالہ ہر لعل صاحب ناظر

ضلع لاہور۔ ڈاکٹر محمد اقبال ایم۔ اے وغیرہ۔ اور لیہ کے میاں محمد حسین آزاد بھی آپ کے بھگتوں اور مداحوں میں سے ہیں۔ اِنکے علاوہ بے شمار صاحب اور ہیں جن کے نام اِسوقت لکھنے سے کئی صفحے بھر سکتے ہیں۔ رام کے سنّیاسی شاگرد راقم کے علاوہ تین اور بھی ہیں جن میں سے ایک تو سوامی رامانند جی جو چند عرصہ سے رحلت کر گئے ہیں۔ دوسرے سوامی گوبندانند اور تیسرے سوامی پُورنانند (جنکا پہلا نام گوبردھن داس ورمام پاب تھا) ابھی تک بچرتے پھرتے ہیں۔ اِن کے علاوہ اور کوئی سنیاسی شاگرد (چیلہ) رام کا نہیں ہے۔ اگر کوئی ایسا کہے تو پبلک کو دغہ دینے والا سمجھنا چاہیئے

رام کا مشن اور ویدانت کولونی

ویدانت شاستر کی ادویت فلاسفی کا پرچار رام کا مشن تھا۔ اپنے ہموطن بھائیوں ہی بلکہ کل بنی نوع انسان میں ہمدردی کے اظہار اور روحانیت کی پیاس بجھانے کیلیئے رام نے اپنا عملی ثبوت پیش کیا۔ سوتوں کو جگانے اور بیدار قوموں کو آپس میں محبت کا عالمگیر اصول برتنے کا کام رام بادشاہ نے اپنے ذمہ لیا (یا یُوں کہو کہ قدرت نے ایسے نیک کام کیلئے رام بادشاہ کو چُنا)۔ رام کا عقیدہ تھا کہ جو انسان یا قوم محض اپنے جسم و جسمانیت تک محدود نہیں ہوتے بلکہ اپنے اصلی آنند سروپ میں مگن ہوتے ہیں اُس انسان یا قوم کو دُنیا میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ انسان خود آنند کا بھنڈار ہے۔ دائمی سُرور اُس کی وراثت ہے۔ ہر انسان میں لاانتہا شکتی موجود ہے۔ صرف کوشش کرنے اور کھوجنے کی ضرورت ہے۔ وُسعتِ قلب یعنی ہمدردی و محبت کا دائرہ بڑھ جانے سے کل کائنات اُس کی چاکری کرتی ہے اور عوام الناس کی محبت کا نشوونما اور اس کا وسیع دائرہ ہی انسان کو ایک جسم کی قید سے ہمیشہ کے لیئے رہائی دیتا ہے۔ اِن خیالات کی اشاعت رام کا مشن تھا۔ اور جبتک جسم و جسمانیت کی بُو باقی رہی۔

اُس دم تک وہ اپنے فعل و قول سے یہی عملاً سکھاتے رہے ٭ امریکہ سے واپس آنیکے بعد رام بادشاہ کا یہ خیال تھا کہ کوہِ ہمالیہ کے کسی وسیع دامن میں ایک ویدانت کولونی قایم کی جائے جس میں طلبا کو دولت برہم ودیا سے مالا مال کر دیا جائے جو بعد تعلیم پانے کے دُنیا میں ویدانت کا پرچار کریں۔ خاص کر سادھو برہمچاری اس میں داخل کئے جاویں جو علاوہ تعلیم مذہبی کے خود کھیت بونے و کاٹنے کا کام کرنا بھی بسر و چشم منظور فرما دیں تاکہ یہ آشرم دولتمندوں سے زر مانگنے کا محتاج نہ رہے۔ مگر افسوس! کہ رام بادشاہ کی عمر نے وفا نہ کی۔ ہری اچھا یہی رام کو منظور ہوگا ٭

یہ تھے ہمارے ویدانت کے شیر ببر۔ گلشنِ فصاحت کے باغبان اور قدرتِ کاملہ کے برگزیدہ رُکن جنہوں نے تمام مرحلے اور مدارج طے کرنے کے بعد برہم میں وصل اختیار کیا ٭ طالبانِ حق خاص کر رام پیارے سوامی جی کی قابلِ تقلید زندگی سے نہایت مُفید سبق سیکھ سکتے ہیں ٭ رام کے پریمیوں کی نگاہ میں گو رام کا وجود غائب ہے مگر خود رام بادشاہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں ٭ دیکھو دیکھو نغمے سُریلے اُوم کے ہیں اُس سے آ رہے ٭ ندیاں پرندے یاد میں ہیں سُر ملا رہے

اُوم! اُوم!! اُوم!!!

نارائن

آٹھ جولائی ۱۹۱۴ء

فہرست بھجن مضمون وار

مایا

سچ کہیں لذّت مزا جو تھا وہ آزادی ہی تھا

(۹) کیا ہے آزادی ؟ جہاں جب جیسا جی چاہے کریں

کھانا پینا عیش گلچھرّوں میں سب دن کاٹ دیں

(۱۰) راگ شادی ناچ عشرت جلسے زنگا رنگ کے

بنگلے ۔ باغاتِ عالی ۔ یورپین ڈھنگ کے

(۱۱) قطع ٹوپی کی نئی ۔ فیشن نرالا بُوٹ کا

دلکش وبے داغ کھُلنا بدن پر وُہ سُوٹ کا

(۱۲) دِل کو رنگت جسکی بھائے شادی بے کھٹکے کریں

دھرم کی آئین چُھپکے طاق پر نہ کر دھریں

(۱۳) فٹن کے آگے ۔ کوچباں کا پوش پوش

ابلقوں کا بڑھ نکلنا ہنہنانا جوش جوش

(۱۴) بوٹ پہناتا ہے نوکر جُوتا پہنائے غلام

ناک چڑھاتا ہے آقا "جلد بے !.... حرام

(۱۵) مُنہ میں غٹ غٹ سوڈا واٹر یا سگاروں کا دھواں

ضعف کی دِل میں شکایت رام کی اب جاء کہاں

(۱۶) کیا یہ آزادی ہے ؟ ہائے ! یہ تو آزادی نہیں

گوئے چوگاں کی پریشانی ہے ۔ آزادی نہیں

(۱۷) اسپ ہو آزاد و سرپٹ قید ہوتا ہے سوار
اسپ ہو مطلق عنان حیران روتا ہے سوار

(۱۸) اندریوں کے گھوڑے چھوٹے باگ ڈوری توڑ کر
وُہ مرا وہ گر پڑا اسوار سر مُنہ پھوڑ کر

(۱۹) تازی توسن تُند خوء پر دست و پا جکڑے کڑے
لے اُڑا گھوڑا اسے زیبا جان کے لالے پڑے

(۲۰) جان من آزاد کرنا چاہتے ہو آپ کو
کر رہے آزاد کیوں ہو آستیں کے سانپ کو

(۲۱) ہاں وُہ ہے آزاد جو قادر ہے دل پر جسم پر
جس کا من قابو میں ہے قُدرت ہے شکل و اسم پر

(۲۲) گیان سے ملتی ہے آزادی یہ راحت سربسر
وار کر پھینکو کس ہیں اس پر دو جہاں کا مال و زر

(۲۰) صدائے آسمانی

ہائے چیچک نے وائے چیچک نے
کر دیا آ تا قریب المرگ
چہرہ روشن تھا صاف شیشہ سا

اِس اودیا کے ہائے چیچک سے
فیدِ کثرت میں ہوگیا سنسرگ
ہوگیا داغ داغ یہ کیسا

مہرِ طلعت پہ داغ آن پڑے — تارے سورج پہ کیسے آن پڑے
ایک رس صاف روئے زیبا تھا — داغ کثرت کا لگ گیا دھبا
ہوگیا پُرسش ماں ماتا کا — یعنے باہن یہ سیتلا کا ہُوا
مرض ایسا بڑھا یہ متعدی — ہند سارے کی خبر اس نے لی
وہ دوا جس سے مرض جائیگا — گئو ماتا کے تھن سے آئیگا
پُر ضروری ہے ٹیکہ[1] کا نشان — ورنہ مرتی ہے یہ ابھی تینتیں[2]
چھوڑ دو تم ذری تعصب کو — ٹیکا لگوائے گا اب سب کو
گائے کے تھن سے الف[3] کی نشتر — لا رہی ہے علاج لیجئے کر



شہر ہر اک میں ہر گلی گھر گھر — ٹیکا اودیت کا لگا دینا
بچے لڑکے بڑے ہوں یا چھوٹے — یہ سرایت بھرا دوا دینا
گر نہ مانیں تو پکڑ کر بازو — ٹیکا یہ تین[4] جا لگا دینا
درد بھی ہوگا پیڑ بھی ہوگی — ڈر کا نوٹس نہ تم ذرا دینا
شور و غل تو ہے نرنجنوسی تو تم — لوری روتے سمے یہ گا دینا
پھر جو چیچک کے زخم بھرآئیں — سیتلا بھی خدا بنا دینا

وادو یا جل

[1] ماتا کا ٹیکا لگانا [2] تو تم [3] یہاں رسالہ الف سے مراد ہے جب سوامی جی نے ان دنوں جاری کیا ہوا تھا جسکے سرورق پر الف کا نشان بمانند نشتر دیا ہوا تھا۔
[4] یہاں مراد تین اجسام یعنی شریر سے ہے جو کارن، سوکھشم اور ستھول کہلاتے ہیں۔

غیر بینی و غیر دانی کو　　مار کر پھونک اک اڑا دنیا
کوک کیلاش سے اٹھا ہے اوم　　اوم تت ست ہے اوم تت ست اوم



پیارے ہندوستاں پھلو پھولو　　پودے پودے کو برہم ودیا دو
یہ ہے وہ آبِ گنگ مردم خیز　　بوٹے بوٹے کو کر جو دے زرریز
بن ہے یا باغ خوبصورت ہے　　سب کو اِس آب کی ضرورت ہے
روشنی یہ سدا مبارک ہے　　جان سب کی ہے یہ مبارک ہے
سرسبز ہو گل گیاہ گندم ہو　　روشنی بن تو ناک میں دم ہو



سفلہ پن داس پن کمینہ پن!　　چھوڑ دے ہند اور چلتا بن
کاشی مکہ جروسلم پیرس　　روس افریقہ امریکا فارس
بحر و بر طول بلد و عرض بلد　　اور مریخ شمس و ماہِ زرد
قطب تارا ممالک کے کل انجم　　کالے اجرام جو نہ جانیں ہم
یہ جگہ وہ جگہ کہیں ہر جا　　وہ جو تھا۔ اور ہے کبھی ہوگا
مجھ میں سب کچھ ہے سب مجھی میں ہے　　میں ہی سب کچھ ہوں غیر من لاشے



اے شنکھر سیمنتِن ہمالہ کی　　برہم ودیا کی تو ہی ماتا تھی

گود تیری ہری رہے ہردم
ماں سُونوں کو یہ بتا دینا
برشا جب ویش میں کرینگے جا
چاکھ بھی لے جو ناج میووں کو
خود بخود اُس سے یہ کہا دینا
کُوک کیلاش سے اُٹھا ہے اوم

گرجا پہلو میں کھیلتی ہردم
(برہم و دیا)
اِندر اور برن کو سمجھا دینا
لاج میں یہ اثر کھپا دینا
نشہ وحدت میں مست فوراً ہو
شک شُبہ ایک دم مٹا دینا
اوم تت ست ہے اوم تت ست اوم

اے صبا جا گلوں کی محفل میں
چونک اُٹھیں جو تیری آہٹ سے
چُپکے سے راز یہ سُنا دینا
کُوک کیلاش سے اُٹھا ہے اوم

شیر مردوں کے دل میں بادل میں
کان میں اُنکے سرسراہٹ سے
شک شُبہہ ایک دم مٹا دینا
اوم تت ست ہے اوم تت ست اوم

بجلی! جاکر جہان پر کوندو
دمک کر پھر یہ تم دکھا دینا
کُوک کیلاش سے اُٹھا ہے اوم

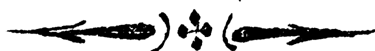
تیرہ خانوں کو جگمگا تم دو
شک شبہ ایک دم مٹا دینا
اوم تت ست ہے اوم تت ست اوم

دوبیت کے پکش پات کے ۔ بھرم کے
کڑک کر رعد! دو چھڑا چھکّے

گرج کر پھر یہ تم سُنا دینا   شک شبہ ایک دم مٹا دینا
کوک کیلاش سے اُٹھا ہے اوم   اوم تت ست ہے اوم تت ست اوم



جاؤ جگ جاگ جیوگی گنگا جی   لے اگر گھونٹ کوئی جل کا پی
اُسکے ہر روم میں وسا دینا   شک شبہ ایک دم مٹا دینا
کوک کیلاش سے اُٹھا ہے اوم   اوم تت ست ہے اوم تت ست اوم



گاؤ ویدوں! ثنا مری گاؤ   جاؤ جیتے رہو سدا جاؤ
اہل ٹٹ بٹ ہو کوئی پنڈت ہو   بھگتی تمری سدا اکھنڈت ہو
کھینچ کر کان یہ پڑھا دینا   شک شبہ ایک دم مٹا دینا
کوک کیلاش سے اُٹھا ہے اوم   اوم تت ست ہے اوم تت ست اوم



اہلِ اخبار! اپنے پیپرز پر   کوک کیلاش کی چھپا دینا
اہلِ تعلیم! مدرسوں میں تم   بچوں بچوں کو یہ پلا دینا
ناظریں! بندؤں کے جلسوں پر   کوک سے سب کے سب جگا دینا
چوک مندر میں ریل میں جاکر   اونچے پنچم کے سُر سے گا دینا
کوک کیلاش سے اُٹھا ہے اوم   اوم تت ست ہے اوم تت ست اوم

رشتہ ناطہ قریبی سمدھی سب
شادی جویاں ہوں ہیچ دُنیا میں
چوٹ نقارے پر لگا دینا
گُوک کیلاش سے اُٹھا ہے اوم

شادی جلسے پہ ہوں اکٹھے جب
بھول بیٹھے ہوں یہ کہ ہوں کیا میں
شک شُبہ ایک دم مٹا دینا
اوم تت ست ہے اوم تت ست اوم



جانِ من وقتِ نزع والد کو
تت تو مسی پھُونک کان میں دینا
بیٹھ پہلو میں با ادب یہ گُوک
حلق آنسو میں کرکے پھر اسکو
گُوک کیلاش سے اُٹھا ہے اوم

پاٹھ گیتا کا یہ سُنا دینا
تو خدائی کا دم لگا دینا
آہ میں خوب رپس رپسا لینا
سینہ پر باپ کے گرا دینا
اوم تت ست ہے اوم تت ست اوم



موت پر یہ سبق سُنا دینا
لا دھڑک شنکھ یہ بجا دینا
گُوک کیلاش سے اُٹھا ہے اوم

ماتمی مُردہ دل جلا دینا
شک شُبہ ایک دم مٹا دینا
اوم تت ست ہے اوم تت ست اوم



مرنے لڑنے کو فوج جاتی ہو
مثل ارجن کے دل بڑھا دینا

سامنے موت نظر آتی ہو
مارُو باجے میں گیت گا دینا

کوک کیلاش سے اُٹھا ہے اوم
اوم تت ست ہے اوم تت ست اوم

گھڑکی تم کو جو دے کبھی نافہم
تم نے ہرگز بھی چھوڑنا مت رحم
دھمکی گالی گلوچ اور ان بن
پیارے! خود تو ہے تو ہی ہے دشمن
رمز آنکھوں سے یہ بتا دینا
ہاتھ میں ہاتھ پھر ملا دینا
کوک کیلاش سے اُٹھا ہے اوم
اوم تت ست ہے اوم تت ست اوم

گر عدالت میں تم کو لیجائیں
عیسیٰ سقراط تم کو ٹھہرائیں
تم تو خود سنتِ مجسّم ہو
دعوٰے عرضی قصور کیسے ہو؟
چیف جسٹس کا دل ہلا دینا
ہاں گلا پھاڑ کر یہ گا دینا
کوک کیلاش سے اُٹھا ہے اوم
اوم تت ست ہے اوم تت ست ادم

نیز مقتل میں خوش کھڑے ہو کر
حاضریں کے دلوں میں گھر کر کر
انگلیاں اُٹھ رہی ہوں چاروں طرف
ہر کوئی رکھ رہا ہو تم پر حرف
قاتلوں کا بھرم مٹا دینا
غیر فانی ہوں میں دکھا دینا
کاٹا جانے کو سر جھکا دینا
نعرہ سے گونج اک اُٹھا دینا
شک شبہ ایک دم مٹا دینا
کوک کیلاش سے اُٹھا ہے اوم

اوم تت ست ہے اوم تت ست اوم | اوم تت ست ہے اوم تت ست اوم

۲۱ راگ جنگلہ۔ تال تین

گنگا تیتھوں صدبلہارے جاؤں (ٹیک)

(۱) ہاڑ چام سب وار کے پھینکوں بھی پھول بتاشے لاؤں۔ گنگا تیتھوں
(۲) من تیرے بندرن کو دیدُوں بُدھ دھارا میں بہاؤں گنگا تیتھوں
(۳) چِت تیری مچھلی چب جاویں اہنک اگر گھا میں دباؤں۔ گنگا تیتھوں
(۴) پاپ پُن سبھی سلگا کر یہ تیری جوت جگاؤں۔ گنگا تیتھوں
(۵) تُجھ میں پڑوں تو تُو بن جاؤں ایسی ڈبکی لگاؤں۔ گنگا تیتھوں
(۶) ہنڈے جل تھل پون وشوں دک اپنے رُوپ بناؤں۔ گنگا تیتھوں
(۷) رمن کروں ست دھارا ماہیں نہیں تو نام نرام دھراؤں۔ گنگا تیتھوں

۲۲ راگ سنڈھرہ۔ تال تین

ندیاں دی سردار۔ گنگا رانی !
چھینٹے جل دے دیں بہار۔ گنگا رانی !
سانوں رکھہ جنڈڑی دے نال۔ گنگارانی !
کدے وار کدے پار۔ گنگارانی !

سو سو غوطے رگن گن مار۔ گنگا رانی!
تیر ماں لہراں رام اسوار۔ گنگا رانی!

کشمیر و امر ناتھ کی یاترا

راگ پہاڑی۔ تال جلت

(۱) پہاڑوں کا یوں لمبی تانے یہ سونا
وہ دامن میں سبزہ کی مخمل بچھونا
وہ گنجان درختوں کا دوشالہ ہونا
ندی کا بچھونے کی جھالر پرونا

یہ راحت مجسم یہ آرام میں ہوں
کہاں کوہ و دریا یہاں ہیں ہی میں ہوں

(۲) یہ پربت کی چھاتی پہ بادل کا پھرنا
گرجنا۔ چمکنا۔ کڑکنا۔ نکھرنا
وہ دم بھر میں ابروں سے پربت کا گھرنا
چھما چھم۔ چھما چھم یہ بوندوں کا گرنا

عروسِ فلک کا وہ ہنسنا یہ رونا
مرے ہی لیے ہے فقط جان کھونا

(۳) کوسوں تک قدرتی گلزار کا چلے جانا۔ رنگا رنگ کے پھول ہر چار سو شگفتہ

(۳) یہ وادی کا رنگیں گلوں سے لہکنا
یہ بلبل ساخنداں لبوں کا چہکنا
فضا کا یہ بُو سے سراپا مہکنا
وہ آوازِ نے کا ہر سُو لپکنا

گلوں کی یہ کثرت ارم رُو برُو ہے
یہ میری ہی رنگت ہے میری ہی بُو ہے

(۴) ایک اور دلکش مقام

(۴) جو جُوبر اور چشمہ ہے نغمہ سرا ہے
کس انداز سے آب بل کھا رہا ہے
یہ ٹیکیوں پہ نیکیے ہیں ریشم بچھا ہے
سُہانا سما من لُبھانا سما ہے

جدھر دیکھتا ہُوں جہاں دیکھتا ہُوں
ہیں اپنی ہی تاب و رشاں دیکھتا ہُوں

(۵) آبشاروں کی بہار

(۵) نہیں چادریں ناچتی سیمتن ہیں
یہ آواز پازیب ہیں نعرہ زن ہیں
پُھاروں کے دانے زمرد فگن ہیں
صفائی آبا اردے مہ پُرشکن ہیں

صبا ہُوں ہیں گل چُومتا بوسہ لینا
ہیں شمشاد ہُوں جھُوم کر داد دینا

(۶) مرے سامنے ایک محفل سجی ہے
ہیں سب سیم سر پر پُر سبز ری ہے
شجر کیا ہیں؟ مینا پہ مینا دھری ہے
نہ جھرنوں کا جھرنا ہے قلقل لگی ہے

لنڈھائے یہ شیشے کہ یہ نکلیں نہریں
ہے مستی مجسّم یہ یا اپنی لہریں

(۷) شری نگر سے اننت ناگ کو کشتی میں جانا۔

(۷) رواں آب دریا پہ کشتی رواں ہے
صبا نزہت آگیں صبحدم وزاں ہے
یہ لہروں پہ سُورج کا جلوہ عیاں ہے
بلندی پہ برف اک تجلی نشاں ہے

ظہور اپنے ہی نور کا طور پر ہے
پدید اپنی ہی دید کا بحر و بر ہے

(۸) جھیل ڈل میں اردگرد کے سرجیت پہاڑوں کا عکس پڑ رہا ہے اور پانی کو ہوا ہلا رہی ہے (بدیں صورت) ہلکی ہوا کے جھونکوں سے اتنے بڑے پہاڑ ہلتے نظر آتے ہیں۔ کیا لطف ہے تعجب ہے۔

(۸) ڈلکتا ہے ڈل دیدۂ مہ لقا سا
ہلاتا ہے کوہوں کو صدمہ ہوا کا

دھڑکتا ہے دل آئینہ پر صفا سا
کھلے ہیں کنول پھول ہے اک بلا کا

یہ سورج کی کرنوں کے چپّے لگے ہیں
عجب ناؤ بھی ہم ہیں خود کھے رہے ہیں

سورج کشتی کی طرح ڈل میں لرزاں نظر آتا ہے۔ اور اسی سورج کی کرنیں چپّوں کی طرح کشتی چلانے والی ہیں۔ میں ہی وہ سورج ہوں جو کشتی بنا ہے۔ میں ہی کھینے کے اوزار ہوں۔

(۹) امرناتھ کی چڑھائی۔ پورنماشی کی رات۔

(۹) چڑھائی مصیبت اترنا یہ مشکل
قیامت یہ سردی کہ بچنا ہے باطل

پھسلتی برف پس یہ آفت یہ بادل
یہ بوٹیوں کی کہ گھبرا گیا دل

یہ دل لینا جاں لینا کس کی ادا ہے
مری جان کی جاں جس پہ شوخی فدا ہے

(شیوجی جو میرا ہی انتر آتما ہے) ۔ (اُما پاروتی)

(۱۰) پُورنماشی کی رات۔

(۱) عجب لُطف ہے کوہ پر چاندنی کا دکھاتا ہے آدھا چُھپاتا ہے آدھا	پونچھرنے اوڑھا ہے جالی دوپٹّا ڈوپٹّے نے جوبن کیا ہے دوبالا

نشہ ہیں جوانی کے معشوقِ نیچر
ہے لیٹی ہُوئی رام سے مست ہوکر

(۱۱) امرناتھ کا ازحد وسیع خدائی ہال (جسے لوگ گپھا کہتے ہیں)

(۱) برف جس ہیں ہستی ہی جھڑتا ہی لاشئے ملے یار ہو وصل سب فاصلہ سطے	امرلِنگ استادہ چینن کی جا ہے یہی رُوپ دائم امرناتھ کا ہے

وُہ آئے اُپاسک تعیّن مٹا سب
رہا رام ہی رام ہیں تُو مٹا سب

(۲۴) اُتراکھنڈ میں* نواس سنتھان (مقام رہایش) کا بیان

راگ آسا۔ وال دادرا

رات کا وقت ہے بیاباں ہے	خوش وضع پربتوں ہیں میداں ہے

نوٹ* - جب سوامی جی مع کنبہ کے ریاست ٹہری میں ایکانت نواس کے لئے پہنچے تو وہاں اُنھوں نے ایک باغیچہ سیٹھ مُرلی دھر کا برلب گنگا اپنی رہایش کے لئے چُنا۔ یہ باغیچہ نہایت خوشنما اور جنگل میں منگل سے ہوئے تھا جس روز اُس باغ میں رہایش اختیار کی اُسی رات کو پورنماشی کا

آسماں کا تماشا ہیں کیا ہم حال
موتیوں سے بھرا ہوا ہے تھال
چاند ہے موتیوں ہیں لال دھرا
ابر ہے تھال پر رومال پڑا
سر پہ اپنے اٹھا کے ایسا تھال
رقص کرتی ہے نیچر خوش حال
باد کو کیا مزے کی سوجھی ہے
رام کے دل کی بات بوجھی ہے

ف
پاس جو بہ رہی ہے گنگا جی
ابھرے اس کے لدلدانے ہی
لا رہی ہے لپک کر رام کے پاس
کیا ہی ٹھنڈک بھری ہے گنگا باس
فخر خدمت سے باد ہے خورسند
جا ملی بادلوں سے ہو کے بلند
اب تو اٹکھیلیاں ہی کرتی ہے
دامن ابر کو الٹتی ہے
لو اڑا یا وہ پردہ و رومال
آسماں دکھایا ہے مالا مال
شاد نیچر ہے جگمگاتی ہے
آنکھ ہر چار سو پھراتی ہے
کیا کہوں چاندنی میں گنگا ہے
دودھ ہیروں کے رنگ رنگا ہے
واہ! جنگل میں آج ہے منگل
سیر کر اس طرف کی چل چل چل

سه
اے جاں بیا بیا کہ ایں دنیائے دیگرست
آ بے دگر ہوائے دگر جائے دیگرست

سوال

چاند نکلتے ہی سوامی جی کے بحر شرور (آنند بھرے دل) سے یہ نظم بہی۔ اسی نظم کے چند ماہ بعد بسنت رتو (موسم بہار) نے وہاں کچھ عجب نقشہ جمایا۔ اس دلکش موسم سے از حد محظوظ ہو رہی رہے تھے کہ ایک پیارے کا خط بابت دریافت حال طبع و مقام آپہنچا۔ اسکو مفصلہ ذیل نظم سے جواب بھیجا گیا

میرا آرام رام ہے کس جا	دیکھ کر اُس کو جی کروں ٹھنڈا
کیا وہ اِس اِک شِلا پہ بیٹھا ہے ؟	کیا وہ محدود اور یک جا ہے ؟

جملہ معترضہ

واہ کیا چاندنی میں گنگا ہے	دودھ ہیروں کے رنگ رنگا ہے
صاف باطن سے آب ہمیں پر	میٹھی میٹھی سروں سے گا گا کر
لطف راوی کا آج لاتی ہے	یوں پتہ رام کا سناتی ہے

جواب

دیکھو موجود سب جگہ ہے رام	ماہ بادل ہوا ہے اُسکا دھام
ملکہ ہے ٹھیک ٹھیک بات تو یہ	اُس میں ہے بود و باش عالم یہ
وہ اَمورت سے مورتی اُسکی	کس طرح ہو سکے ؟ کہاں ؟ کیسی ؟
کُل شئی محیط ہے آکاش	مورتی میں نہ آسکے آکاش
جو ہے اُس ایک ہی کی مورت ہے	جس طرف جھانکیں اُسکی صورت ہے

(۲۵) راگ آسا تال دادرا

گنگا کا ہے کنار عجب سبزہ زار ہے	بادل کی ہے بہار ہوا خوشگوار ہے

اور خوشنما پہاڑ پہ وہ سبزہ زار ہے
گنگا دھنی سُریلی ہی کیا لطف دا رہی
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۲) وقتِ صباح عید تماشا تیار ہے
شاہِ فلک سے یا جو ہوئی آنکھ چار ہے
گلگونہ منہ پہ مل کے کھڑا گلعذار ہے
مارے شرم کے چہرہ بنا سُرخ نار ہے
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۳) قطرے ہیں اوس کے کہ دُرّوں کی قطار ہے
مُرغانِ خوش نوا انہیں کاہے کی عار ہے
کرنوں کی انہیں بل بے نزاکت اپنا نار ہے
گاؤ بجاؤ شب کا مٹا دل سے بار ہے
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۴) معشوق قد درختوں پہ پھولوں کا ہار ہے
واہ وا سجے سجائے ہیں کیسا سنگار ہے
نے نے غلط ہے۔ زلف کا پیچاں یہ مار ہے
اشجار میں چمکتا ہے خوش آبشار ہے
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۵) اشجار سر ہلاتے ہیں کیا مست وار ہیں
بھنورے جو گونجتے ہیں پڑے زر نگار ہیں
ہر رنگ کے گُلوں سے چمن لالہ زار ہیں
آنند بھری صدا کرتے اونکار ہیں
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۶) گنگا کے رُو صفا سے پھسلتی نہ گر نظر
وشنو کے شو کے گھر کا اثاثہ یہ گنگ ہے
لہروں پہ عکس مہر کا کیوں ہفیر ار ہے
یاں موسمِ خزاں میں بھی فصلِ بہار ہے
آ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۷) ساقی وہ مے پلاتا ہی ترشی کو مارہے
دلدارِ خوش ادا تو سدا ہمکنار ہے
واہ کیا مزے سے کھانیکو غم کا شکار ہے
درشن شرابِ ناب سخن دل کے پار ہیں

آ۔ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۸) باہر نگاہ کیجئے تو گلزار ہے کھلا
کالج قدیم کا یہ سرِ مو نہیں ہلا
اندر سرور کی تو بھلا حد کہاں دلا
پڑھاتا معرفت کا سبق میرا یار ہے

آ۔ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۹) اے جاں ابیا بیا کہ این دنیائے دگراست
خوباں خویش دور و در جہل افگنند
آبے دگر ہوائے دگر جائے دیگر است
خوب است و جہل در کند جائے دیگر است

سادھو فقیر کا تو اسی پر مدار ہے
آ۔ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

(۱۰) مستی مدام کار یہی روزگار ہے
کیوں غم سے تو نزار ہے کیوں دلفگار ہے
گل میں نگاہ پڑتے ہی پھر کس کا خار ہے
جب رام قلب میں ترے خود یار غار ہے

آ۔ دیکھ لے بہار کہ کیسی بہار ہے

نوٹ۔ مفصلہ ذیل نظم مندر گنگوتری میں لکھی گئی۔

آرسی

غزل (۲۶)

دلہن کو جاں سے بڑھ کے یہ بھاتی ہے آرسی
مکھ صاف چاند کا سا دکھاتی ہے آرسی

ہستی سُرور علم کا مظہر تو خوب ہے
ہاں اس سے آب رُو کو بچاتی ہے آرسی

ہمکو بڑی بلا سے یہ لگتی ہے اس لیئے
واحد کو قید دُوئی میں لاتی ہے آرسی

ازبس غنی ہے حسن میں وہ اپنے ماہرُو
حیرت ہے اُسکے سامنے آتی ہے آرسی

خوبی ہے رُوئے خوب میں شیشے میں کچھ نہیں
ہاتھوں میں رُونمائی کو جاتی ہے آرسی

ظاہر میں بھولی بھالی سی حیران شکل دے
کیا جھوٹ کو یہ راست بتاتی ہے آرسی

گہنوں میں ٹکڑا آئینہ کا ہے حقیر تر
رُتبہ وہ اے صفائی سے پاتی ہے آرسی

دیکھوں میں یا نہ دیکھوں ہو آفتاب رُو
تاہم ہمارے دل کو لُبھاتی ہے آرسی

گنگا سمیر وابر سہی مہر و ماہ سہی
مکھڑے کا اپنے درس کراتی ہے آرسی

ہے شوق دید چہرۂ تاباں کا رام کو
یکسو دلی ہر آن بناتی ہے آرسی

تصویر یار

غزل (۲۷)

اِس لئے تصویر جاناں ہمنے کھچوائی نہیں (ٹیک)

بات تھی جو اصل میں وہ نقل میں پائی نہیں
اسلیئے تصویر جاناں...

پہلے تو یاں جان کی تن سے شناسائی نہیں
اسلیئے تصویر جاناں...

نوٹ یہ غزل سوامی جی کی نوٹ بک میں ایسی ہی ملی ہے۔ اگرچہ اسکا سلسلہ ہندی رام برشا کی غزل کے سلسلے سے ذرا مختلف ہے تاہم سطور وہی ہیں اور مطلب میں فرق نہیں (مؤلف)

تن سے جاں جب ملگئی تو اُسمیں دو نائی نہیں	اسلئے تصویرِ جاناں ....
ایک سے جب دو ہوئے تب لُطف یکتائی نہیں	اسلئے تصویرِ جاناں ...
مَیں ہُوں مشتاقِ سخن اور اُسمیں گویائی نہیں	اسلئے تصویرِ جاناں ...
پانوں لنگڑا۔ ہاتھ لُنجا۔ آنکھ بینائی نہیں	اسلئے تصویرِ جاناں ....
یار کا خاکہ اُڑانا۔ یہ بھی دانائی نہیں	اسلئے تصویرِ جاناں ....
کاغذی یہ پیرہن ہے دل کو یہ بھائی نہیں	اسلئے تصویرِ جاناں ....
دِل میں ڈر ہے کہ مُصوّر ہی نہ بن جائے رقیب	اسلئے تصویرِ جاناں ....
دام مانگے تھا مُصوّر پاس یک پائی نہیں	اسلئے تصویرِ جاناں ....

غزل (۲۸)

مالکِ ہر دو جہاں مَیں ہی تو ہوں، مَیں ہی تو ہُوں
ظاہر و باطن سبھی مَیں ہی تو ہوں، مَیں ہی تو ہوں

لذّاتِ دُنیا کی مجھکو کچھ نہیں ہے آرزو
دونوں جہاں کی نعمتیں مَیں ہی تو ہُوں مَیں ہی تو ہُوں

حقِ دُنیا کا مجھ میں خواب تھا مثلِ خیال
بیدار ہو دیکھا ذرا۔ مَیں ہی تو ہُوں مَیں ہی تو ہوں

محجوب اسم و جسم میں تھا ہستی و علم و سُرور
پردۂ جہل اُٹھ گیا مَیں ہی تو ہوں مَیں ہی تو ہوں

کچھ نہیں مجھ سے سواء دُنیا - خُدا - رُوحیں تمام
ہر جُز و کُل کی اصلیت مَیں ہی تو ہُوں مَیں ہی تو ہُوں

چشمۂ اُلفت مجھے حاصل ہُوا لا انتہا
مجھ سے جدا ہرگز نہیں مَیں ہی تو ہُوں مَیں ہی تو ہُوں

اُڑ گئی جڑ سے دُوئی رُخصت ہُوئی وحدانیت
معدوم ہے دانش جہاں مَیں ہی تو ہُوں مَیں ہی تو ہُوں

عالمِ دُنیا میں ہر سُو تاباں ہے میرا ہی نُور
مہر و ماہ میں روشنی مَیں ہی تو ہُوں مَیں ہی تو ہُوں

(نوٹ) یہ غزل رام برشا حصہ اوّل کے چھپنے کے بعد ملی تھی - اسلیئے بجائے اپنی جگہ پر درج کیئے جانے کے یہاں دی گئی ہے - (مؤلف)

مایا

(۱) شام

گنگا کی ٹھنڈی چھاتی سے آتی ہے خوش ہوا
ہے بھینے بھینے باغ کا سانس اِس میں بل ر
گنگا کے روم روم میں رچنے لگا وہ بحر
آیا جوار زور کا لہروں پہ لیسکے لہر
دیکھو تو کیسے شوق سے آتے جہاز ہیں
مارے خوشی کے سیٹی بجاتے جہاز ہیں
شادی زمیں کی ایلو! فلک سے ہُوئی ہُوئی
وہ سائباں قنات ہے جب ہی تنی ہُو
دُولھا کے سر پہ تاروں کا سہرا کِھلا کِھلا
دُلہن کے برق دل سے چراغاں کِھلا

(۲) مقام (ایڈن گارڈن - کلکتہ)

ہے کیا سُہانا باغ میں میدانِ دِلکشا		اور حاشیہ ہے بنچوں کا سبزہ پہ وا

مجمع ہجوم لوگوں کا بھر کر لگا ہے یہ
میدان آدمی سے لبالب بھرا ہے یہ
پہنچوں پہ بعض بیٹھے ہیں اکثر ہیں خوش کھڑے
بانکے جوان باغ میں ہیں ٹہلتے پڑے
میداں کے پار سڑک پہ ہے بگھیوں کی بھیڑ
گھوڑوں کی سرکشی ہے لگاموں کی دے پیٹر
شوقین کلکتہ کے ہیں موجود سب یہاں
ہر رنگ ڈھنگ قطع کے ملتے ہیں اب یہاں

(۳) کام

ہم سب کو دیکھتے ہیں، یہ دیکھئے کہاں؟
آنکھیں تنی ہوئی ہیں یہ کیا پھر کیا جواب
مرکز ہے سب نگاہوں کا اُجلا چبوترا
خوش بینڈ باجہ گوروں کا جس میں ہے بج رہا
گانے پھلا پھلا کے ہیں وہ گا رہیں گوریاں
کیا روشنی میں سُرخ دمکتی ہیں کرتیاں
اے لوگوں تمکو کیا ہے جو ہلتے ذرا نہیں
کیا تم نے لال کرتی کو دیکھا کبھی نہیں

(۴) پردہ

اسرار اس میں کیا ہے کرو غور تو سہی
اس ٹکٹکی میں کیا ہے کرو غور تو سہی
گوروں کی کرتیوں کو ہیں گو تک رہے نظر
لیکن نظر سے کرتیاں گورے تو سب ہیں دور
لہرا رہا ہے پردہ سا سب کی نگاہ پر
اس پردے سے پڑی ہے ہر ایک کی نظر
یہ پردہ تن رہا ہے عجب ٹھاٹھ باٹھ کا
جس میں زمین مان ومکاں ہے سما رہا
پردہ بلا ہے چھید کہ سیون کہیں نہیں
لیکن موٹا ہے پوچھو تو اصلا نہیں نہیں
پردہ ستم ہے سحر کے نقش ونگار ہیں
ہر آنکھ کے لئے یاں علٰحدہ ہی کار ہیں
سب سامعین کے سامنے پردہ ہے یہ پڑا
ہر ایک کی نگاہ میں نقشہ بنا دیا

پردوں سے راگ کے ہے یہ پردہ عجب پڑا
جادو ہے پیانوٹرم[1] ہے پردہ سراب ہے
رنگ[2] تو یار پردہ ہیں، دیکھیں تو کیفیت

گندھرپ شہر کا ہے کہ معراج کا مزا
کیا سچ ہے رنگ ڈھنگ یہ سب نقش آب ہے
آنکھیں سلی ہیں پردے سے کیوں؟ کیا ہے ماہیت؟

دیدوں میں اور رنگوں میں کیا ہے مناسبت؟

(۵) بیاہ

وہ نوجواں کے رو برو نوری لباس میں
شادی کے راگ رنگ میں باجہ بدل گیا
دلہن کا رنگ ہو بہو گویا گلاب ہے

دلہن کھلی ہے پھول سی پھولوں کی باس میں
ایلو ابرات بیٹھی ہے جلسہ بدل گیا
اور چشم نیم مست سے جھڑتا شراب ہے

کیوں دائیں سے اور بائیں سے مڑجائیں نہ آنکھیں
جب رنگ ہی ایسا ہو تو جڑ جائیں نہ آنکھیں

(۶) یونیورسٹی کانوکیشن

عینک لگائے لڑکے کو وہ اس ہی پردہ پر
ہرکارہ دوڑتا ہوا لایا ہے کیا خبر

[1] پیانوٹرم۔ باجہ کا نام ہے۔
[2] پردہ کے رنگوں میں۔

لیتے ہی تار ہاتھ میں لڑکا اُچھل پڑا
"بی اے کے امتحان میں پڑھ کر رہا ہوں میں
ہے چانسلر سے جلسہ میں انعام پا رہا

میں پاس ہو گیا ہوں۔ تو میں پاس ہو گیا"
انگلش میں اور حساب میں اوّل رہا ہوں میں"
اور فیلو صاحبان سے ہے اکرام پا رہا

کیوں دائیں سے اور بائیں سے مُڑ جائیں نہ آنکھیں
جب رنگ ہی ایسا ہو تو جُڑ جائیں نہ آنکھیں

(۷) بچّہ پیدا ہُوا

وہ دیکھنا کسی کے لیئے اِس ہی پردہ پر
منگل ہے شادیانہ ہے خوشیاں منا رہا
ننھّا ہے گول مول کہ اک کنول پھُول ہے
اب تو بھُوکی جیا ندی ہے۔ گھر گھر میں بن گئی

پُوری ہُوئی ہے آرزو پیدا ہُوا پسر
دروازے پر ہے بھاٹ کھڑا گیت گا رہا
نازک ہے لال لال اچنبھا اصُول ہے
ساس بھی جو رُوٹھی تھی تو آج من گئی

کیوں دائیں سے اور بائیں سے مُڑ جائیں نہ آنکھیں
جب رنگ ہی ایسا ہو تو جُڑ جائیں نہ آنکھیں

(۸) نیشنل کانگرس

وہ دیکھنا کسی کے لیئے اِس ہی پردہ پر
لیکچر وہ دے رہا ہے دھواں دھار سحر کار

منڈپ ہے کانگرس کا غضب دُھوم کر فسر
جو چیز شک و شُبہ کو ہے جاتا جگر کے پار

یک دو دک سکوت میں میں ہوئے حاضر ہیں تمام
وہ تالیوں کی گونج میں یک دل ہوئے تمام
گویا ان ! ان !! کہتے ہیں سب اہل زندگی

ہر دیدہ شعلہ بار ہے ! بجلی ہے خاص و عام
وہ موتیوں سے آنکھ کا چھلکے پڑا ہے جام
قدری سے خوں سے لکھیں گے تاریخ ہند کی

کیوں دائیں سے اور بائیں سے مُڑ جائیں نہ آنکھیں
جب رنگ ہی ایسا ہو تو جُڑ جائیں نہ آنکھیں

اس پردہ پر ہے چھپا میں اک لاکھ کی بچت
اس پردہ پر ہے رنگھ جواں خوب لڑ رہا
اس پردے پر جہاز ہیں آتے خوشی خوشی
اس پردے پر ترقی ہے رتبہ بڑا بڑھا
اس پردے پر ہیں سیر و تماشے جہان کے
بچھڑے ہوئے ملے ہیں

اس پردہ پر ہے سیٹھ کو دو لاکھ کی بچت
تنہا ہے ایک فوج سے کیا ڈٹ کے اڑ رہا
مقصد مراد دل کی ہیں لاتے خوشی خوشی
یکدم ہے میرے یار کا درجہ چڑھا چڑھا
اس پردے پر ہیں نقشے بہشت و جنان کے
مردے بھی اُٹھ کھڑے ہیں

کیوں دائیں سے اور بائیں سے مُڑ جائیں نہ آنکھیں
جب رنگ جوں و کخواہ تو جڑ جائیں نہ آنکھیں

(۹) سلطنت **حقیقی** اکھنڈ وت

وہ ! کیا ہی پیارا نقشہ ہے ! آنکھوں کا پھل ملا !

اُس سوہنے نوجوان کا جینا پھل ہُوا

محل اُس کا جس کی چھت پہ ہیں ہیرے جڑے ہوئے
قوسِ قزح و ابر کے پردے تنے ہوئے
مسند بلند تخت ہے پربت ہرا بھرا
اور شجرِ دیودار کا ہے چنور جھولتا
نغمے سُریلے "اوم" کے ہیں اُس سے آرہے
ندیاں پرندے باد ہیں وہ ! سُر ملا رہے
بیہوش و حس ہے گرچہ پڑا کھال کی طرح
دُنیا ہے اُس کے پیر کو فُٹ بال کی طرح
کیسی یہ سلطنت ہے عدو کا نشاں نہیں!
جس جا نہ راج میرا ہوا ایسا مکاں نہیں
کیوں دائیں سے اور بائیں سے مڑ جائیں نہ آنکھیں
جب رنگ ہُوں دلخواہ تو جڑ جائیں نہ آنکھیں

(۱۰) مایا

پھیلا ہے کیا رنگ رنگ میں
اِس پردے پر ہیں جھیل جزیرے خلیج و بحر
سب پیر سب جوان اسی پردے پر تو ہیں

اور کیا ہی پھڑ پھڑاتا ہی ہر آب و سنگ میں
اِس پردے پر ہیں کوہ و بیابان یار و شہر
باشندے اور مکان اسی پردے پر تو ہیں

سب خاک و آسمان اِسی پردہ پر تو ہیں	پیغمبر اور کتاب اسی پردہ پر تو ہیں
شاہوں کے شاہنشاہ اِسی پردہ پر تو ہیں	ہیں سب اور غلام اسی پردہ پر تو ہیں

کیا جِھلملاتا پردہ ہے یہ عنکبوت کا
دے ہے خیال (اُگلا ہوا) کام سُوت کا

(۱۱) نقوش و نگار اور پردہ ایک ہیں*

یہ دو نہیں ہیں - ایک ہیں - پردہ کہو کہ نقش
نقش و نگار پردہ ہیں - پردہ ہی تو ہے نقش
یہ استعارہ تھا کہ وہ "مایا کے رُوپ" ہیں
"مایا کہو" کہ یُوں کہو یہ "نام رُوپ" ہیں
"اسم و شکل" ہی "مایا" ہیں "مایا" ہے اسم و شکل
ہم معنی "مایا" کے ہیں یہ سب رنگ روپ و شکل

* نوٹ:- انگلینڈ ہر باشندے سے اُمید رکھتی ہے کہ وہ اپنا فرض رڈیوٹی) پورا پورا ادا کرے۔ اِس قسم کے فقرات ظاہرا انگلینڈ کو باشندگان سے جُدا جتلاتے ہیں لیکن فی الواقعہ انگلینڈ کوئی علیحدہ ہستی نہیں ہے جو کہ باشندگانِ انگلستان حکمرانی کر رہی ہو، باشندگان انگلینڈ ہی بہ ہیئتِ مجموعی انگلینڈ سے نامزد ہیں نقطوں کا مجموعہ ہی بہ ہیئتِ کُلّی خط کہلاتا ہے خطوں ہی کا حاصل بہ ہیئتِ مجموعی سطح نام پاتا ہے سطحوں کا تہ بر تہ ہجوم ہی جسم کہا جاتا ہے ٭

(۱۲) فلسفہ

پردہ کھڑا ہے مایا کا یہ کس مقام پر؟	ہے یہ سرود[۵۲] پر کہ حواس عوا
سے بھی کہیں کہ مبنی[۵۱] ہے یہ وہم خام پر	کیا سچ ہے - ایستادہ[۵۲] ہی یہ میرے

(۱۳) محلِ پردہ

درنشانٹ

ہے اِس طرف تو شور سرود و سماع کا	اور اُس طرف ہے زور شُنیدن کی
اِن دونوں طاقتوں کا وہ ٹکرانا دیکھئے	پُر زور شور لہروں کا چکرانا دی
لہریں ملیں مٹیں - الو اپیدا ہُوئے حباب	یہ بُلبلے ہی بُرقع ہیں پردہ بہ رُوئے

۵۱ سہارا لیئے ہوئے - ۵۲ کھڑا یعنی سہارا لیئے ہوئے ہے - ۵۳ سب سے اُو

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) اِسی طرح سامعین کے تصورات کا ہجوم ہی یہاں پردہ کہا گیا ہے اور ا
کے اوہام جزدی (او دیا) ہی بلکہ بہ ہیئت کُلّی (سمشٹھی) مایا کہلاتے ہیں - مایا آپ کے
وخیال سے علیحدہ کوئی طاقت نہیں :-

یہ تصورات کا پردہ سامعین اور مینڈ باجہ کے بیچ میں حایل ہو رہا ہے - نیز سامع
جینڈ باجہ کے بدولت قائم ہے لیکن جو لوگ علم موسیقی میں ماہر ہیں - وہ اِس پردے کے پار
ہیں - وہ راگ کے اُکسائے ہُوئے خیال میں غلطاں نہیں رہتے - بلکہ خود راگ کو سمجھنے
حظ اٹھاتے ہیں - اِسی طرح عام لوگ تو مایا (یعنی رنگ روپ نام شکل) میں اُلجھے رہتے ہیں لیک
وان (اہل حقیقت) اسما و اشکال کے گورکھ دھندے کو کاٹ وہم و فرض کے پار - سرورِ مطلق ذاتِ باری

ں ہی کا مقابلہ پردہ کا ہے محل	موجیں ہیں آب کہتے نہیں کیوں محل ہیں جل؟
یہ تو راست ہے کہ سرود او سامعیں	دونوں ملے بٹے ہیں وہ جل روپ رام میں
ام ہی ہیں پردہ ہے نقش و نگار ہیں	یہ سب اسی کی لہروں کے موجوں کے کار ہیں

(۱۴) احساس عام

ئانٹ

سوس کرنے والی اِدھر سے یہ آئی لہر
محسوس ہونے والی اُدھر سے وہ آئی لہر
ں کے عقد شادی سے پیدا ہوئے حباب
یعنی نمود "شئے" ہوئی پانی میں جھٹ شتاب
ریں بھی اور بلبلے سب ایک آب ہیں
اِن سب میں رام آپ ہی رمتے جناب ہیں
تام اِس کی ہے ہر فعل و قول میں
مفعول فعل فاعل و ہر ڈیل ڈول میں
بشاروں اور فواروں کی پھاروں کی بہار
چشمہ ساروں سبزہ زاروں گلعذاروں کی بہار
ر دریا کے جھکولے اور صبا کا خوش خرام

۵ بحرِ حقیقت - ۵۲ جل روپ -

مجھ میں متصور ہیں یہ سب "اوم" میں جیسے کلام
پسر کر لیتا ہوں جگ میں صبح میں اور شام میں
چاندنی میں روشنی میں کرشن میں اور رام میں

(۱۵) رام مُبرّا

یہ تو سب راست ہے و لے از رُوئے ذات بھی
دیکھو تو پر دانقش وغیرہ نہ تھے کبھی
ہے موج ہی میں ردّ و بدل جس کے با وجود
قائم ہے جُوں کا تُوں سدا ایک آب کا وجود
از اعتبارِ ذات یہ کہنا پڑا ہے آب
پیدا ہی کب ہُوئے تھے یہ امواج اور حباب
از رُوئے رام پُوچھو تو پھر وہ نگار و نقش
مایا وغیرہ کا کہیں نام و نشان و نقش
حرکت سکون اور تغیر کا کام کیا
نطق و زباں کو دخل صفاتوں کا نام کیا
اقبال کہاں ادبار کہاں یاں ہستی کی کو بار کہاں ؟
یاں پُن کہاں اور پاپ کہاں اور مجھ میں جیت و ہار کہاں

اقرار کہاں اِنکار کہاں تکرار کہاں اصرار کہاں
محسوس حواس احساس کہاں ۔ خاک آب و باد و نار کہاں
سب مرکز مرکز ہے انقطار کہاں پرکار کہاں

(۱۶) نتیجہ

غلطاں ہے محیط بے پایاں یاں وار کہاں اور پار کہاں
گنگا ہے کہاں اور باغ کہاں صلح کہاں پیکار کہاں ؟
یاں نام کہاں اور رُوپ کہاں اخفا کہاں اظہار کہاں
نہیں ایک جہاں دو چار کہاں اور مجھ میں سوچ بچار کہاں ؟
ماں باں کہاں اُستاد کہاں ؟ گورو چیلے کایاں کار کہاں ؟
احساں کہاں آزار کہاں ؟ یاں خادم اور سردار کہاں ؟
نہ زماں نہ مکاں کا کبھی تھا نشاں ۔ علّت معلول اذکار کہاں
نہیں زیر و زبر پیش کہاں ؟ تقطیع اور شعر اشعار کہاں ؟

اِک نور ہی نور ہوں شعلہ فشاں
گلزار کہاں اور خار کہاں ؟

لیکچر تقریر اُپدیش کہاں ۔ تحریر کہاں پرچار کہاں ؟
تپ دان اور گیان اور دھیان کہاں ؟ دل بے بس سینہ فگار کہاں ؟

نہیں شیخی شوخی عار کہاں؟ سر ٹوپی یا دستار کہاں؟
نہیں بولی طعنہ دھمکی یہاں۔ سوفار کہاں اور دار کہاں؟

اک میں ہی میں ہی میں ہی ہوں؟
شئے غیر کا دار و مدار کہاں؟

آلایش قید و نجات کہاں؟ اوہام رسن اور مار کہاں
گھربار کہاں کہسار کہاں میدان کہاں اور غار کہاں؟
مہ انجم فرش اور عرش کہاں؟ یاں خواب کہاں بیدار کہاں؟
جب غیر نہیں۔ ڈر خوف کہاں۔ امید سے حالتِ زار کہاں؟
میں اِک طوفانِ وحدت ہوں۔ کہو! مجھ میں استفسار کہاں؟

اک میں ہی میں ہی میں ہی ہوں؟
یاں بندے اور سرکار کہاں؟

(۱۷) آدمی کیا ہے

دانہ خشخش کا ایک بویا تھا
ایک دانہ میں زور یہ دیکھا
اس قدر بڑھ گیا پھلا پھیلا
کُٹھلے کُٹھلی بھرے ہوئے بھرپور

بابا آدم نے ابتدا میں لا
بڑھ گیا اس قدر نہیں لیکھا
جمع کرنے کو نہ بلا تھیلا
بنئے سوداگروں کے کوٹھے پور

ایک دانہ حقیر چھوٹا سا
اپنی طاقت میں کیا بلا نکلا

آج بونے کو دانہ لاتے ہیں
اُسکی طاقت بھی آزماتے ہیں

یہ بھی خشخاش ہی کا دانہ ہے
یہ بھی طاقت میں کیا یگانہ ہے

ہُو بہُو ہے وُہی تو اسمیں بھی
شکتی آدم کے بیج میں جو تھی

بیج بتائیں ہے یہ وُہی واحد
نہ یہ پھیلا ہُوا نہ دوگانہ

خُوب دیکھو بچار کرکے آپ
ماہیئت بیج کو قلیل سا ناپ

غور سے دیکھئے حقیقت کو
نظر آتا ہے بیج کیا تمکو؟

اصل دانہ نظر نہ آتا ہے
نہ وہ گھٹتا ہے بڑھ نہ جاتا ہے

میرے پیارے تُو ذات واحد ہی
تیری قُدرت اگرچہ بے حد ہے

(۲) جان مکھی کو جب کہ سائنسدار
امتحاں کو ہے کاٹتا یکساں

جسم گو ہو گیا ہو دو ٹکڑے
لیک مرتے نہیں وہ یُوں کیڑے

پیشتر کاٹنے کے ایک ہی تھا
جب دیا کاٹ دو ہُوئے پیدا

دونو ویسا ہی زور رکھتے ہیں
جیسے وہ کیڑا جس سے کاٹے ہیں

دو کو کاٹیں تو چار بنتے ہیں
چار سے آٹھ بن نکلتے ہیں

کیا دکھاتی ہے کھولکر یہ بات
کاٹنے میں نہیں ہے آتی ذات

گو منُو کا شریر چھوٹ گیا
پر کروڑوں ہنود ہیں پیدا

ہر رشی کی نسل میں ہے وہ ہی
شکتی آدی منُو میں جو تب تھی

ہاں اگر کچھ کسر ہے ظاہر میں | دُور سے یکتا پڑا ہے کیچڑ میں
جھوٹ نکالو یہ ہیرا صاف کرو | ضد نہ کیجئے گا بس معاف کرو

(۴)
ایک شیشے میں ایک ہی رُو تھا | شیشہ ٹوٹا عدد بڑھا رُو کا
مختلف ہو گئے بہت ابدان | ان میں ظاہر ہے ایک ہی انسان
زید ہو بکر ہو عمرو ہی ہو | مظہرِ آدمی ہے کوئی ہو
گو ہی نکرے کا صرفوں میں ظہور | نام رُوپوں میں ہے یہی معمور
پر یہ نکرہ بذاتِ خود کیا ہے | اسمیں رِشتوں کا دخل بیجا ہے
اسم فرضی ۔ شکل بدلتی ہے | پر جو تُو ہے سوایک سِی ہی ہے
تُو ہی آدم بنا تھا تُو حوا | تُو ہی ہے لاٹ صاحب تُو مُوا
تُو ہی ہے رام تُو ہی تھا راون | تُو ہی تھا وہ گڈریا[1] برندابن
جھوٹ تم کو صنم نہ دیتا ہے | تُو ہی مولا ہے چھوڑ دے ہے ہے
پیمبر کا وہ چاند سا مُکھڑا | تیرا منظر ہے نُور کا ٹکڑا
دِل جگر سب کا ہاتھ میں ہے ترے | نُورِ مو نُور ساتھ میں ہے ترے
ماہ و خورشید برق و انجم و نار | جان کرتے ہیں رام پر ہی نثار

(۱۸) دُنیا کی حقیقت

کیا ہیں یہ کس طرح ہوئے موجود؟ | اِک نگہ یہ ہے سب کی ہستی و بُود

[1] پیا ہی کرشن

ہاں جگت ہے ثبوت دیجیگا
اِندریوں پر یقیں نہ کیجیگا

(۱) بیشک آتی نظر ہے دُنیا - پر
ہے کہاں آپ ہی نہ دیکھیں گر

ماہ و ماہی و شاہ و زرّیں تاج
اپنی ہستی کو ہیں ترے محتاج

برق موجود ہے سبھی شئے میں
گو حواسوں کے ہو نہ حلقے میں

وقتِ اظہارِ برقِ شوخی باز
خود ہی مُثبت ہی خود ہی منفی ناز

تیری مایا ہے برق وکش کھینچل
یاروں آگے کہاں چلیں چھل بل

تُوں اِدھر دیکھتا ہے آنکھ اُٹھا
تُوں اُدھر بن گیا کُہ و صحرا

(۲) خواب میں ہے خیال کی دو شان
جزوی[۵۱] کُلی[۵۲] ہے ایک میں "یہ جہاں"

"مَیں ہُوں اِک مرد" شانِ جُزوی ہے
"جُملہ عالم" یہ شانِ کُلی ہے

خواب پُختہ شدہ ہے بیداری
جاگ - سارے تِری ہے گلکاری

تُو ہی شاہد بنا ہے تُو مشہود
شان تیری ہے آسمانِ کبود

خواب تیرا خیال تیرا ہے
جو زمین و زماں نے گھیرا ہے

جلوہ تیرا یہ انبساطی[۵۳] ہے
بیچ مایا ہی پھیل جاتی ہے

کیا یہ دُنیا خیالِ ماتر ہے
کیا یہ سچ مچ خیالِ خاطر[۵۴] ہے

گر تجھے اسمیں شک نظر آوے
کچھ بھی بن خیال کے دکھا تو دے

من برتی (خیال) کے پھرنے بغیر کوئی بھی شے محسوس نہیں ہوسکتی

ہاں یہ خواب و خیال مایا ہے
ایک کثرت میں آ سمایا ہے

۵۱ وِشِشٹھی - ۵۲ سمشٹھی ۵۳ اگیان یا مایا کی وِکشیپ شکتی ۵۴ من کا خیال -

(۴) مرنا جینا یہ آنا جانا سب
سب یہ کرتوت جان مایا کی
دنیا آفتاب روشن رے
ساکھشی[۵۰] سورج کہیں نہ ہلتا ہے
چھوٹی بوندوں پہ نور سورج کا
شیش مندر میں شمع جو رکھا
فتنہ گر آئینہ ہیں چشم نگار
یہ اپر دیا میں جو پڑا آبھاس[۵۰]
یوں جو سنسرگ[۵۰] سے ہوا ادھیاس
مایا آئینہ کیسی خورسند ہے
کچھ نہیں کام رات دن آرام
کیوں جی جب آپ ہی کی مایا ہے
بیچ دنیا کے واسطے پھر کیوں
کھٹکا کیسا جھجک خطر کیا ہے؟
بادشاہ کا برا جو چاہتا ہے
دیکھئے گا حقیقی شاہنشاہ

ٹھیرنا چلنا پھرنا گانا سب
مہر[۵۱] تاباں کی ایک چھایا کی
گنگ لہروں پہ ناچتا ہے آؤ
آب بہتا ہے یوں وہ پھرتا ہے
کیا دھنش بن گیا ہے اچرج سا
کیا سماں ہو گیا چراغاں کا
جھوٹ ہے گو ہے پارے سے دوچار
برہم[۵۵] کہلایا اس سے جیو اور داس
ثانی یکتا کا لا بٹھایا پاس
مظہر رام سچد آنند ہے
کام کرتا ہے پھر بھی سب میں رام
دل پہ اندوہ کیوں یہ چھایا ہے؟
بھائی بھائی سے تیرہ خاطر ہوں
بیم و امید کیسی؟ ڈر کیا ہے؟
سخت جرم کبیرہ کرتا ہے
راج جس کا ہے کاہ سے تا ماہ

۵۱ سورج ۵۲ تابہ ۵۳ مایا ۵۴ عکس ۵۵ بندہ۔ غلام ۵۶ اظہار بالنسبت

تیرے نس میں رگوں میں ناڑ و میں
جس کا عہدِ حکومت برکت
ایسا سلطان عظیم عالیجاہ
ایسے سلطاں سے جو ہوا غافل
کیوں جی کچھ شرم و عار بھی ہے تمہیں
رینگنا کیوں؟ کمر یہ ٹوٹی کیوں
راستی کے گلے چھری کیوں ہے؟
کیوں غلامی قبول کی تم نے
نہی یہ لیلا رچی انوکھے ڈھب
تاجِ نوری کو سر سے پھینک دیا
اب جلال و جمال ذات سنبھال
نیرِ اعظم ہو تم تو نور افگن
وہم کا ابر آستیں سے کھول

ریل[1] سوداگری ہیں رہے ہو
چین دے سر میں عقل کو حرکت
سزا ہی آتا ہے جائے پناہ
ہائے خودکش ہے شاہ کش قاتل
کیوں یہ کنگلو نسے وانت مل گئے ہیں
وائے قسمت تمہاری پھوٹی کیوں؟
حق ہی جبنے گا ست کی ہے جے
در بدر خوار بھیک لی تم نے
کھیل میں بھول کیوں گئے منصب
ٹوکرا رنج و غم کا سر پہ لیا
اُٹھو شب ساں ہوں سب لپیٹے پامال
خدمتِ مایا بس ڈھونڈ و دھن
مت بکھر جائے مارے ڈانوانڈول

(۱۹) ذاتِ باری

لیک مایا یہ آ گئی کیونکر؟
ذاتِ واحد کو کیوں شریک لگی؟

رُوئے عالم پہ چھا گئی کیونکر
بے بدل حسن کو یہ پیک لگی

[1] مراد خون دم وغیرہ ۵۲ جذبات۔

بدر کو گہن یہ لگا کیسے ؟	ایسا ظلِّ زمیں پڑا کیسے

جواب

(۱) اَے زمیں دوز چشمِ دُنیا بیں	تُو ہی خود ہے بنی خسوف یہیں
چاند راہو نے جا نہ پکڑا ہے	وہم تیرے نے تجھکو جکڑا ہے
ذاتِ واحد سدا ہے جُوں کی تُوں	اُسمیں ردّ و بدل ہے یاں نہ یُوں
دائیں بائیں اِدھر اُدھر ہر شوء	آپ ہی آپ ایک رس ہے "ہُو"
این و آں چُوں چگُوں چنین و چُناں	لوٹ آتے ہیں وہاں سے ہو حیراں
برتر از فہم و عقل و ہوش و گماں	لامکاں لازماں نشاں امکاں
(۲) رُوئے خورشید پر نقاب نہیں	دوپہر کو کوئی حجاب نہیں
آب حائل نہیں سحاب نہیں	دیکھنے کی کسی کو تاب نہیں
مَوجزن ہو رہی ہے عُریانی	اِس پہ پردہ ہے کثرۃ حیرانی
(۳) جُوں رسن میں پدیدِ صُورتِ مار	مجھ میں مایا نمود ہے طُومار
یہ سُرو پا ہوا و حیّاس[۵۱] ہے اظہار	جان مجھکو یہ رہے نہ یہ پندار
اور سنسرگ[۵۲] کو جو مانا تھا	تب تلک ہی تھا جب نہ جانا تھا
مارِ موہوم میں موٹائی طُول	تو وہی ہے جو تھی رسن میں طُول
یہ حقیقی رسن کا طُول و عرض	مارِ موہوم میں ہو آیا فرض

۵۱ اظہار بالماہیت - ۵۲ اظہار بالنسبت

اسطرح گرچہ مایا تھیتا ہے
اسمیں سنسرگ ست ہی کا ہے

دور رہتے ہیں مارے وحشت کے
ناگنی کالی سے سبھی ہٹ کے

پر جو آکر قریب تو دیکھا
بے خطر ہو گئے پٹا کھٹکا

ماہیت پر نگاہ گر ڈالو
اصلِ ہستی کو خوب سمجھا لو

کیسی مایا کہاں ہُوئی سنسرگ
کب تھی پیدائش و کہاں ہے مرگ؟

کال وسنو کا دیش کا مجھ میں
نام ہوگا نہ ہے ہُوا مجھ میں

کون طالب ہُوا تھا مرشد کون؟
کس نے اپدیش کر پڑھایا کون؟

کس کو سنشے شکوک اُٹھے تھے
کب دلائل سے حل پھر تھے ہُوئے

ہستی و نیستی نہیں دونوں
رستگاری و قید کیونکر ہوں؟

کیا غلامی کہاں کی شاہی ہے
عالی جاہی کہاں تباہی ہے

مَیں کہاں تو کہاں صغیر و کبیر
کس کا صیاد و دام و دانہ اسیر

کس کی وحدت اور اسمیں کثرت کیا
کیا خدائی وہاں عبادت کیا؟

کس کی تشبیہ اور مشبّہ کیا؟
جہل کیا اور علم ہو کیسا؟

کیسی گنگا یہاں پہ رام کہاں؟
ذاتِ مطلق میں میری نام کہاں؟

کب کھلی چاندنی ہی خواب کہاں؟
رات کیسی ہو آفتاب کہاں؟

کب رسن تھا یہاں پہ مار نہیں
کوئی دشمن ہُوا نہ یار نہیں

عکس اس جا نہیں ہے عین نہیں
نقطہ پیدا نہیں ہے غین نہیں

کب جُدا تھے؟ نہ پائی بینائی
خود خدائی ہے بل بے رعنائی

کچھ بیاں کیجئے گا حالِ ذات
ہائے کہنے میں آئے کیونکر ذات

کب کنواری کے فہم میں آوے
لذّتِ وصل کون بتلاوے

وسپنا پکڑتا ہے اشیا کو
کیسے پکڑے جو انگلی قابض ہو

عقل بُدھی حواس من سارے
مثل چمٹا ہیں۔ دُنیا انگارے

آتما عقل بُدھ من سب کو
قابو رکھنا ہے ہاتھ چمٹے کو

دُنیوی شئے پہ عقل کا بس ہے
آگے مجھ آتما کے خود خس ہے

عقل سے برہم چاہو پہچانا
ہاتھ چمٹے کے بیچ میں لانا؛

غیر ممکن۔ محال ہی تو ہے
دم جو مارے مجال کس کو ہے

نُطق مشہور ہے تو کار آرا
رام تک پہنچنے کا ہے یارا؟

نُطق نے زور جان تک مارا
گر پڑا آخرش تھکا ہارا

آنکھ خانے سے اپنے باہر آ
ڈھونڈ بیٹھی ہے باغ بن صحرا

چھان مارا جہان کو سارا
کیسے دیکھے گا آنکھ کا تارا

اے زباں! موم تجھ سے ہے خارا
کچھ بتا دے کہاں پہ ہے وارا

اپنا سب کچھ زباں نے وارا
چڑھ گیا اڑ گیا وہ لے پارا[۱۵]

خون روتا قلم ہے بیچارا
لکھتے لکھتے غریب میں ہارا

اے قلم نُطق اے زباں دیدہ
جستجو میں مرد ہے نستارا

۱۵ تھرما میٹر۔

آنکھ کی آنکھ جان کی ہے جان
نطق کا نطق پران کا ہے پران

کون دیکھے یہاں دکھائے کون
کون سمجھے یہاں سنائے کون

لدگیا عقل و ہوش بنجارا
اوس سماں کر سکا نہ نظّارا

رام میٹھا نہیں۔ نہیں کھارا
رام خود پیار ہے۔ نہیں پیارا

رام ہلکا نہیں نہیں بھارا
رام ملتا نہیں۔ نہیں نیارا

کھنڈ ٹکڑا نہیں۔ نہیں کیارا
خیالِ تقسیم پر چلا آرا

رام ہے تیغ تیز کی دھارا
کھیل لے جان پر تو آ یارا

اُس کو عادل رحیم ٹھہرانا
اُس سے دُنیا میں بہتری چاہنا

خواہشوں کا دِلوں میں بھر لانا
اُن کے بر آنے کی دُعا گانا

مطلبی یار اُس کا بن جانا
چل پرے ہٹ نہیں وہ انجانا

رام جاروب کش نہیں تیرا
سر سے گزرو وصال ہو میرا

خواہشوں کو جگر سے دھو ڈالو
ہوسِ دُنیا کو دِل سے رو ڈالو

آرزو کو جلا کے خاک کرو
لذّتوں کو مِٹا کے پاک کرو

بہکے پھرنا بھٹک بھٹک باطل
چھوڑ کر۔ ہو جئے ابھی کامل

تُو تو معبود ہے زمانے کا
دیوتاؤں کا دیو تُو ہی تھا

اہلِ اسلام ہندو عیسائی
گرجا مندر مسیت۔ دوہائی

دے کے دوہائی رام کہتا ہے
تُو ہی تو رام گاڈ مولا ہے

سب مذاہب میں سب کے معبد میں — پوجا تیری ہے نیک میں بد میں
لے سدا مست راج متوالا! — رتبہ اوصاف سے ترا بالا
اے سدا مست لال متوالا! — اپنی مہما میں موج کر بالا
ایک میوادوتیہ تیری ذات — وحدہٗ لاشریک میری ذات
پاس تیرے پھٹک لے غیریت — غیر ممکن ہے بل بے محویت
ایک ہی ایک ۔ آپ ہی ہوں آپ — رام ہی رام کس کی مالا جاپ



تین شریر ورن

(۱) تینوں اجسام

(۱) جانِ من جسم ایک خِلت ہے — اِس کے اُترے نہ کچھ بگڑتا ہے
یاد رکھ تو نہیں یہ جسمِ کثیف — اور ہرگز نہیں تو جسمِ لطیف
جسم تیرا کثیف اوورکوٹ — جسم تیرا لطیف اندر کوٹ
جسمِ بیرونی جھٹ بدلتا ہے — جسم اندر کا دیر پا سا ہے
دیہہ اَستھول مر گیا جس وقت — دیہہ سوکشم چلا گیا اُس وقت
دیہہ سوکشم پھرے ہے آواگون — تُو تو ہر جا ہے آنا جانا کون



(۲) پکّی مٹّی کے بیشمار گھڑے — بھر کے پانی سے دھوپ میں دھرے
جتنے برتن ہیں عکس بھی اُتنے — مختلف سے نظر میں آئیں گے
لیک سورج تو ایک ہے سب میں — اور جو سائنس پڑھا ہو مکتب میں
تب تو جانو گے تم کہ یہ سایا — آپ اندر کبھی نہیں آیا
خود باہر ہے ایک دھوکے سے — بیچ پانی کے لوگ تھے سمجھے
اب یہ پانی گھڑے بدلتا ہے — ٹوٹتے ہیں سبو[له] یہ رہتا ہے

له گھڑا۔ چھلیہ

پانی جسمِ لطیف کو جانو
مٹّی جسمِ کثیف پہچانو

جانِ من تُو تو مہرِ تاباں ہے
ایک جیسا سدا درخشاں ہے

جہل سے ہے تُو قیدِ قالب میں
تجھ میں سب کچھ ہے تُو ہی سب میں

گو یہ جسمِ لطیف پانی ساں
بدلتا ہے ہمیشہ ہی ابدان

پر تیری ذاتِ قُدسِ والا کا
بال ہرگز نہ ہو سکا بینکا

میرے پیارے! تُو آفتاب ہی ہے
عکس مُطلق نہیں۔ تو آپ ہی ہے

رُوئے انور ذرا دکھا تو دے
پانی اُترتا ہے عکس ہو کیسے؟

کیا پانی کہاں تناسخ ہو؟
میں خُدا ہوں یقین راسخ ہو

علمِ ہیئت[1] سے گر کرو کچھ غور
تو سُبو آب۔ مہر سے نہیں اور

یہ زمیں اور سارے سیّارے
چشمۂ نور سے نہیں نیارے

نیبُولر مسئلے کو جانے دو
ایک سیدھی سی بات یُوں دیکھو

یہ جو آب و سُبو و صحرا ہے
رات کالی میں کس نے دیکھا ہے

چشم جب آفتاب نے وا لی
پانی برتن دکھائے۔ نمائی

آپ برتن ہے آپ پانی ہے
کیا عجب رامؔ کی کہانی ہے

آپ مظہر ہے سایہ افگن آپ
سایہ مظہر کہاں؟ ہے آپ ہی آپ

کیا تحیّر ہے۔ ہائے حیرت ہے
غیر سے کیا غضب کی غیرت ہے

[1] علمِ آپٹکس

کیسی مایا؟ یہ کیا طلسم ہے
اب ذرا اور غوض کیجئے گا
کہیئے آ شیچر یہ کیا کہاتا ہے؟
انتہا کا مزا ہے آنند گھن
پس یہ مایا بھی آپ ہی ہے برہم
اُمڈ آئی ہو گر سیاہِ وہم
مایا مایا کی کچھ نہیں در اصل
اُس کو دیکھیں باعتبارِ عبدؔ
پران اَدویت اور اودیا بھی
خوابِ غفلت ہے گھن نِشپتی ہے
عالمِ خواب اور بیداری

دُنیا تو حیرتِ مجسّم ہے
یہ اچنبھا عجیب ہے مایا
انتہا کا مزا جو آتا ہے
یعنی خود رام سچّدانند گھن
نام رُوپ ہیں کہاں؟ ہے خود ہی برہم
پھر بھگا دو اُسے نہ جانا سہم
وصل کیسے ہو اَحد ہیں کب فصل
تب تو مایا یہ جہل ہے بیدرد
علّتِ اولے ہیں نام اُسکے ہی
وِیہ کارن بھی یہ کہاتی ہے
اِس ہی چشمے سے ہوگئے جاری

(۲) کارن شریر

(۳) جاگرانی میں نقشہ دریا کا
گرچہ نسبت شجر سے رکھتا ہے
بیخ دریا کی برف جڑ قائم

جُوں شجر سرنگوں ہے دِکھلایا
جَڑ کو اُونچا تنے سے رکھتا ہے
رہتی کیلاس پر ہی ہے دائم

ملہ جیو۔

مرتفع ریخ کی طرح کارن
سخت مستی غرور سے بھرپور

منجمد سرد ٹھوس ذرّیں تن
نیستی - لاشریک - حرکت دور

(۲) سُوکھشم شریر

اِس ہی کارن شریر سے پیدا
اُونچے کوہوں پہ برف سکے ہے
پگھلتے پگھلتے برف یہ ہی
اِس سے شفّاف ندیاں بہتی ہیں
کوہ کا پھول کا پھل کا پتّوں کا
ننھے ننھے یہ سب ندی نالے
دینی نسبت اُنہیں مناسب ہے
دیہ سُوکھشم ہے فکر و عقل و ہوش
عالمِ خواب میں یہی سُوکھشم
ٹیڑھے ترچھے کلول کرتا ہے
برف جڑ جو شریر کارن ہے
دیہ سُوکھشم اِسی سے ڈھلتا ہے

یہ لطیف و کثیف جسم ہُوا
سونے چاندی کی جھلک مارے ہے
پربتوں پر بنی ہے گنگا جی
کھیلتی جن میں لہریں رنگی ہیں
سایہ لہروں پہ لُطف ہے دنیا
برف اُونچی کے بال کے بالے
دیہ سُوکھشم سے عین واجب ہے
اتیا رو خیال و گفت و نوش
چلتا پُرزا بنا ہے کیا چم خم
جُھل مُلوں میں کیا لچکتا ہے
زیرِ انوارِ مہر[۵۱] روشن ہے
جوں پہاڑی ندی نکلتا ہے

۵۱ مراد آتما سے ہے۔

(۴) ستھُول شریر

خواب گذرا تو جاگرت آئی ندّی میدان میں اُتر آئی
جُوہیں سُوکھشم نے قدم یاں رکھا گدلا خاکی کثیف جسم لیا
یا کہو یُوں کہ جسم[۵۱] نازک نے صُوف موٹے کے کپڑے پہنے
شب کو شیریں بدن جو سوتا ہے جامہ تن سے اُتار دیتا ہے
جب زمستاں کی رات آتی ہے ننگا دریا کو کر سُلاتی ہے
دریا کا کر کے مشاہدہ دیکھا خرقہ ہر سال میں نیا ہی تھا
ٹھیک اِس طور پہ ہی جسمِ لطیف بدلتا پیرہن ہے جسمِ کثیف
یُوں تو ہر شب لباسِ[۵۲] ظاہر کو دُور کرتا ہے بدن در بر کو
اِلّا پھر صبح پہن لیتا ہے ستھُول دیہ میں پھر آن رہتا ہے

(۵) آواگون

لیک مرتے سمے یہ جسمِ لطیف بدلتا مطلقاً ہے جسمِ کثیف
جب پُرانی یہ ہوگئی پوشاک دے اُتاری۔ یہ پھینک دی پوشاک
کینچلی چولا کو اُتار دیا اور ہی جسم پھر تو دھار لیا
اِس کو کہتے ہیں ہندو آواگون بدلنا جسم کا ہے آواگون

۵۱ سوکھشم شریر ۵۲ ستھُول شریر

(۶) آتما

مہر جو برف پر درخشاں تھا — صاف نالوں پہ نور افشاں تھا
وہی سنتھول رودِ میداں پر — جلوہ افگن تھا آبِ حیراں پر
ایک دریا کے تین موقعوں پر — مہر ہے ایک حاضر و ناظر
بلکہ دنیا کے جتنے دریا ہیں — تحت پر تو سبھوں کے سب جا ہیں
آتما ایک تین جسموں پر — جلوہ افگن ہے حاضر و ناظر
ساری دنیا کے تین جسموں پر — ایک آتم ہے باطن و ظاہر
آنا جانا نہیں ہے آتم میں — یہ تو مفروض سب ہوئے تن میں
آتما میں کہاں کی آواگون — آئے کس جا اور جائے کون

(۷) تین برن

اصل کو اپنے بھول کر انساں — بھولا بھٹکا پھرے ہے ہو حیراں
مرتا خرگوش جب کہ جاتا ہے — جھاڑی جھاڑی میں سر چھپاتا ہے
ہے تعاقب میں وہم کا صیاد — چھوڑتا ہی نہیں ذرا جلاد
گاہ بدنِ کثیف میں آیا — گاہ جسم لطیف میں دھایا
کبھی کارن میں ہے پناہ گزیں — وہم سے بن گیا ہے باختہ دیں

(۸) شُودر

جس نے اسکُول میں شست کری
مر کر اُلفت کو بدن میں رکھا
کر لیا جسم اپنا پایۂ تخت
نہ رکھی علم و فضل سے کچھ غرض
غرض یہ جھی چلا جو چال کہیں
جس کو پرواہ نہیں ہے عزّت کی
ڈال کر لنگرِ انانیت
بے دِرم دِیہ کثیف کا چاکر

جسم بیرُوں ہُوں ٹھان جی میں لی
عیش و عشرت حواس میں چکھا
کھانے پینے میں سمجھ رکھا بخت
ایک تن پروری ہی سمجھا فرض
کہ نہ ہو جسم کو زوال کہیں
ہے فقط آرزُو تو لذّت کی
سمجھا دریا کثیف جمعیت
اُس کو کہنا ہی چاہیئے شُودر

(۹) ویش

ڈیرا جس نے لطیف میں رکھا
کہہ رہا ہے زبانِ حال سے جو
جو ٹُولی سے قابو آتا ہے
بھوکا کا ٹیکا ننگا رہ لے گا
موقع شادی کا ہو کہ مرنیکا

راجدھانی اُسے بنا بیٹھا
"دیہ سُوکھشم ہُوں مَیں" جو ہو سو ہو
طعنہ خنجر سا چیر جاتا ہے
ظاہری پیڑ دُکھ سہ لیگا
مر میٹے گا نہیں وہ ڈرنے کا

گھر گرو رکھ کے خرچ کرے گا
کوئی میرے کو بولی مار نہ دے
فکر ہر دم جسے یہ رہتی ہے
جان جس کی ہے نیند استت میں
پل میں تولہ گھڑی میں ماشا ہے
رائے لوگوں کی مثل چوگان ہے
رات دن پیچ و تاب ہے جس کو
رہتا اس ہی ادھیڑ بن میں ہے
جیتا اوروں کی رائے پر جو ہے
قیاس میں جسکے ٹیڑھا بیڑا ہن
گاہ چڑھتی ہے گاہ گھٹتی ہے
ایسا وہمی مزاج ہے جس کا
وشئی کہنا بجا ہے ایسے کو

چونٹی قرضے سے بھی جکڑ دے گا
جسم سوکھشم کو گولی مار نہ دے
دیکھوں کیا خلق مجھ کو کہتی ہے
ہمنشینوں سے بڑھ کے عزت میں
پینڈولم کی طرح تماشا ہے
گیند ساں دوڑتا ہراساں ہے
تنگ کا اضطراب ہے جس کو
پاس ناموس ہی کی دھن میں ہے
خیال وحشت فزائے پر جو ہے
طبع جس کی سدا ہے متلون
رخ پہاڑی ندی بدلتی ہے
دیہ سوکھشم سے کاج ہے جسکا
شکل و صورت ہیں خواہ کیسے ہو

کشتری

جس کی نشٹھا ہے دیہ کارن میں
دنیا ہل جائے پر نہ ہلتا ہے +

ہے اچل بزم میں ہو یا رن میں
مستقل عزم قول پکا ہے +

خواہ تعریف خواہ مذمت ہو
لاج سے بھاگے جیسے نہ اصلا ہو
جو نہیں دیکھتا ہے پبلک کو
رائے پر اوروں کی جو نہ چلتا ہے
لوگ دنیا کے بن مخالف سب
زہر سولی صلیب یا پھانسی
جس کو تعریف کی نہیں پہ واہ
پیر پوجیں گے نام پوجیں گے
اس کو اوتار کر کے مانیں گے
دھرم چھتری ہے یہ مبارک دھرم
آج اس دھرم کی ضرورت ہے
نام کو برہمن اور چھتری ہو
سب کو درکار ہے یہ کشتری دھرم
اسکو کہتے ہیں لوگ کیرکٹر
اس تلیمی پہ رہتا ہے چھتری
جس سے ندیاں تمام آتی ہیں
ہے چمک دمک اور آب وتاب

شادی اور غم پہ جس کو قدرت ہو
دو دلی سے نہ کام پتلا ہو
مدنظر باطن مبارک ہو ::
قوم کو آپ جو چلاتا ہے
جان لینے کو آئیں اس کی جب
ہنس کے سہتا ہے جیسے ہو کھانسی
خالی تعریف سے ہی وہ ہوگا ::
لوگ جب اس کی بات سمجھیں گے
لوگ جب اس کی بات جانیں گے
برتر از ضعف و ننگ و عار و شرم
دھرم یہ برتر از کدورت ہے
نام کو ویش ہو کہ شودر ہو
جان نیشن کی ہے یہ کشتری دھرم
دیہ کارن کو جان اس کا گھر
رانا پرتاب اور سیوا جی
رنج بیوپار کو سجاتی ہیں
یہ بلندی ہے گویا عالمتاب

اِس زمیں پر یہ سب ہے بلند تریں — سند شاہی کو ہے زیب یہیں
چشمہ بیوہار کا ہے سنبھالا — راج ہے اُس کا مرتبہ اعلیٰ
جوش اور خروش ہے جسمیں — سورما پن کی ہوس ہے جسمیں
شیر بَبر کو نہ لائے خاطر میں — تہلکہ ڈالے فوج و لشکر میں
گرج سے کوہ کو ہلاتا ہے — دِل بَبر کا بھی دہل جاتا ہے
جُوق در جُوق فوج دل بادل — رِتھیا لاشئے ہے ہیچ اور باطل
دھرم کی آن پر ہے جان قرباں — گیدی بن کر نہ ہو کبھی حیراں
وُہی کشتری ہے رام کا پیارا — دیش پر جس نے جان کو وارا
مست پھرتا ہے زور میں بل میں — کوند جاتا ہے بجلی بن پل میں
توپ بندوق کی صدا سے ڈر — اُنگلی لیتا نہیں وہ کان میں دھر
کپکپی میں نہیں کبھی آتا — لالے جاں کے پڑیں نہیں ڈرتا
گرچہ گھائل ہو پھر بھی سینہ سپر — شوک کرتا نہیں نہ پچھتاتا
تیر و تلوار کی دَنا دَن میں — ابھیمنیو سان جا مرے رَن میں
جان بازی ہی جس کی راحت ہو — جنگ و زور آوری ہی فرحت ہو
رَن ہو گھمسان کا قیامت ہو — ہلا کا ہنگامہ اور شامت ہو
زخم زخموں پہ خوب کھاتا ہے — پیر پیچھے نہیں ہٹاتا ہے
سخت سے سخت کارزار و رزم — شانتی دل میں ہو عزم ہو بالجزم

جسم حرکت میں چیت ساکن ہو
ہر دو جانب سما بھینکر تھا
ہاتھی گھوڑوں کا شور بیر ونکا
شور تھا آسمان کو چیر رہا
آخر انتفری میں اور گڑ بڑ میں
کیا دکھاتا جوان مردی ہے
گیت ٹھنڈک بھرا سناتا ہی
جسکے سنکتوں کو تا ابد کامل
سخت نعروں میں شانت یہ سر ہے

دل تو فارغ ہو۔ کار کن تن ہو
تند سور و بلغ سا لشکر تھا
سنکھ باجے کا اور تیروں کا
گرد سے مہر بن نقیدرہا
وہ دلاور کمال کی جڑ میں
کیا ہی مضبوط دل ہے مردی ہے
فلسفہ کیا عجب بتاتا ہے
سوچا چاہیں گے غور سے پل پل
سمجھا یہ من چلا بہادر ہے

(۱۱) برہمن

کوہ پر شو نظر جو آتا ہے
جس سے کیلاش ہی نہ تاباں ہے
ویش چھتری کو اور شودر کو
اوم آنند آتما چیتن
لشٹھا جس میں ہی جسکی کہ "یہ میں ہوں"
روئے عالم پہ نور افگن ہے

برف کو آب کر بہاتا ہے
رونق بحر اور بیاباں ہے
دیے ہے پرکاش کہہ و مہتر کو
تینوں دیہوں میں ہے جو نور افگن
شو ہوں۔ سورج ہوں خاص شنکر ہوں
وہ برہمن ہے۔ وہ برہمن ہے

حکمت خود درشنوں سے مُکت کرے
تین گُن سے پرے ہے پرسب کو
جس کو فرحت نہ وے کبھی پکیا
کھڑا کرنا نہیں ہے دست دُعا
مانگتا خواب میں بھی کچھ نہ ہے
وِشنُو کو لات مار دیتا ہے

نُور اور زندگی سے چُست کرے
نُور دیتا ہے خواہ کیا کچھ ہو
برہمن ہے وہی جو ہو ایسا
ہے غنی ذات ہی اُسے دھن ہے
اس کی دِرِشٹی سے کانچ کُندن ہے
وہ برہمن ہے۔ وہ برہمن ہے

ق

(۱۲) ذاتِ مُبرّا

تینوں اجسام سے گزر کر پار
حُسن میں اپنے خود درخشاں ہُوں
لِلتیں کیا مزے سے کھاتا ہُوں
میری کِرنوں میں ہو گیا دھوکا
قلعہ دُکھوں کا سر کیا ڈھایا
ہستِ مُطلق سُرورِ مُطلق پر
کچھ نہ بگڑا تھا کچھ نہ شُد ھراب

یاں عدُو ہے نہیں نہ کوئی یار
مہر تاباں ہُوں مہر تاباں ہُوں
مَوت چٹنی مرچ لگاتا ہُوں
آب کا تھا سُراب دُنیا کا
راج افلاک و مہر بدر پایا
جھنڈا گاڑا پھریرا لہرایا
کچھ گیا تھا نہ۔ کچھ نہیں آیا

بھارت ورش

(۱)

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اُس کی وہ بوستاں ہمارا
غربت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں
سمجھو وہیں ہمیں بھی ہو دِل جہاں ہمارا
پربت وہ سب سے اُونچا ہمسایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا
گودی میں کھیلتی ہیں جسکے ہزاروں ندیاں
گلشن ہے جنکے دم سے رشکِ جہاں ہمارا
اے آبِ رودِ گنگا! وہ دن ہے یاد تجھکو
اُترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا
مذہب نہیں سکھاتا آپس میں وَیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا
یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے
باقی ہے پر ابھی تک نام و نشاں ہمارا

(۱)
دیکھا ہے پیار سے میں نے دنیا کا کارخانہ ۔ سیر و سفر کیا ہے چھانا ہے سب زمانہ
اپنے وطن سے بہتر کوئی نہیں ٹھکانا ۔ خارِ وطن کو گل سے خوشتر ہے سب نے مانا
اہلِ وطن سے پوچھو تم خوبیاں وطن کی ۔ بلبل ہی جانتی ہے آزادیاں چمن کی

(۲)
کھائی ہوا وطن کی کچھ اور ہی مزا ہے ۔ پانی ہے وطن کا امرت سے بھی سوا ہے
خاکِ وطن نہ کہئے اکسیر و کیمیا ہے ۔ رتبہ تری زمیں کا کچھ لے وطن جدا ہے
جو شے غرض یہاں ہے دنیا سے ہے نرالی ۔ نام وطن نے اس میں تازہ ہی جان ڈالی

(۳)
باغوں میں پھر کے دیکھو کچھ اور ہی ہے نزہت ۔ کھیتوں سے یاں کے آتی ہے آنکھوں میں طراوت
رکھتے ہیں یاں کے دریا کچھ اور ہی لطافت ۔ یہاں کے پہاڑ ہیں ہے عرشِ بریں کی رفعت
دنیا میں پھر کے دیکھا ہرگز کہیں نہیں ہے ۔ باغِ بہشت کہئے یہاں کی زمیں نہیں ہے

(۴)
جوہر وطن میں آکر کھلتا ہے آدمی کا ۔ جب تھا وطن سے باہر مشکیں وہ آدمی تھا
یہاں آدمی نہیں وہ ہے باپ یا کہ بیٹا ۔ کہتا ہے کوئی بھائی کوئی اُسے بھتیجا
یہاں گوش زد ہیں ہر سو الفت بھری صدائیں ۔ باہر وطن سے ہرگز جو کان میں نہ آئیں

(۵)
ہے ہم کو جان و دل سے اپنا وطن پیارا ۔ اچھا وہ دن ہے جو اسکی خدمت میں ہو گزارا
کہتے ہیں ہم وطن کو آنکھوں کا اپنی تارا ۔ وہ جان ہے ہماری ایمان ہے ہمارا
ہاں مہر یہ سخن ہے دنیا میں سب نے مانا ۔ اپنے وطن سے بہتر کوئی نہیں ٹھکانا

فہرست بھجن ردیف وار

اطلاع

رام بھگتوں کو واضح ہو کہ علاوہ رام برشا کے شریمان سوامی رام تیرتھ جی مہاراج - ایم - اے - اور دیگر مہاتماؤں کی بہت سی تصنیفات و تقریرات چھپ گئی ہیں۔ جنکی فہرست مفصلۂ ذیل ہے

	اعلیٰ و مجلد	غیر مجلد و کاغذ ادنیٰ
(۱) رام برشا - حصۂ اوّل بزبانِ اُردو -	۱۰ار	۶ر
(۲) رام پتر - جس میں سوامی رام کے وہ خطوط شامل ہیں کہ جو اُنھوں نے اپنے گورو کو اوائل عمر میں ہی ارسال فرمائے -	۱۲ار	۸ر
(۳) خُمخانۂ رام یا کُلیاتِ رام جلد اول	عہ۸ر	عہ
(۴) کُلیاتِ رام - بزبان انگریزی چار جلدیں فی جلد ۶		عہ۸ر
(۵) وید انو وچن - مصنفہ باوا نگینا سنگھ صاحب بیدی آنجہانی -	عہ۸ر	عہ

نوٹ - ہندی ترجمہ شری بھگوت گیتا کا مع شرح مفصّل کے ابھی
مطبع میں ہی پہلا حصہ دھنیاہ کا سال ہذا کے اندر اندر شائع ہو جائیگا - ضخامت قریباً ۵۰۰ صفحہ

نارائن

نوٹس

سوامی رام تیرتھ جی مہاراج

کی

کل تصنیفات و تقریرات کے تمام حقوق (ترجمہ وغیرہ) درج رجسٹر ہیں۔ اس لئے بلا اجازت انہیں نہ کوئی ترجمہ کرنے پائے اور نہ شائع ہی کرنے پاوے۔

نارائن

شاگرد شریمان سوامی رام تیرتھ جی مہاراج

(نوٹ) کسی طرح کی آمدنی کے لیے یہ کُل حقوق محفوظ نہیں کرائے گئے اور نہ یہ کسی قیمت پر آج تک کسی کو بیچے گئے اور نہ بیچے جائیں گے، بلکہ یہ حقوق اس لئے محفوظ کرائے گئے ہیں کہ کوئی دوستِ زر یا مکاری سے روپیہ کمانے والا سوامی جی کے کلام کو غلط ملط اور گندہ چھاپ کر لوگوں کو دھوکہ بالکل نہ دینے پاوے اور نہ رام کا کلام پبلک میں غلط پہنچنے پاوے

نارائن

